أسعد الغايات

بالتقديم

على المشكاة

افادات

جامع المنقول والمعقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم

بانی وسابق شیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات

تحقیق وتخریج، ترتیب وتعلیق

اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث وتفسیر ومعتمد تعلیم دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

مکتبہ عبدیت، رحمت نگر، رویدرا روڈ، پانولی،

انکلیشور، بھروچ، گجرات

تفصیلات

نام کتاب	اسعد الغایات بالتقدیم علی المشکاۃ
افادات	جامع المنقول والمعقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم
ضبطِ تقریر	حضرت مولانا ابوبکر صاحب موسالی وحضرت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی مدظلہما، اساتذۂ حدیث فلاحِ دارین ترکیسر
تحقیق وتخریج، ترتیب وتعلیق	اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحؔی خادمِ حدیث وتفسیر دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات
باہتمام	مولانا عبیداللہ سعادتی / سابق استاذِ حدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ
سنہ طباعت	جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ- جنوری ۲۰۲۰ء
کمپوزنگ	محمد مہر علی قاسمؔی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
صفحات	۳۱۳
تعداد	۱۱۰۰
ناشر	مکتبہ عبدیت، پانولی، انکلیشور، بھروچ، گجرات
قیمت	

کتاب ملنے کے پتے

مکتبہ عبدیت، رحمت نگر رویدرا روڈ، پانولی، انکلیشور، بھروچ، گجرات ۳۹۴۱۱۵
Mob:98251 11078/88661 99229
مکتبہ السلام، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

فہرست مباحثِ ضمنیہ مہمہ

فہرست حواشی

اپنی بات

آج سے تقریباً تین سال پیش تر جب کہ راقم گجرات و مہاراشٹر کی عظیم دینی و عصری دانش گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں تدریسی خدمات میں مصروف تھا، زیر نظر کتاب پر کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، کتاب ترتیب کے مراحل سے گزر کر زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا ہی چاہتی تھی کہ صاحبِ افادات مخدومی حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری **شفاہ اللّٰہ و عافاہ و برأہ من المحن بالعافیۃ التامۃ** ابتلا و آزمائش کے مجدھار میں پھنس گئے، اور کاتبِ تقدیر کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے، سنتِ یوسفی کی ادائیگی کے لیے مجبور ہو گئے۔ ان ہوش رُبا حالات میں اقربا و متعلقین کو ایسے علمی کاموں کے لیے سکون کہاں میسر ہو سکتا تھا، اس لیے طبعی طور پر یہ کام التوا کا شکار ہو گیا۔

اب جب کہ حالات و مصائب کے تیز جھکڑوں کو کچھ قرار آیا تو حضرت والا دامت برکاتہم کو اس کی اشاعت کا خیال ہوا؛ چناں چہ معمولی ترمیم و نظر ثانی کے بعد یہ مبارک کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی و مسرت کے بے پناہ جذبات محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

راقم کے ناقص مطالعے میں مبادیات حدیث پر اتنی جامع اور سیر حاصل گفتگو کسی

دوسری کتاب میں نظر سے نہیں گزری۔ ہر صفحہ پر علم وفن کے قیمتی جواہر پارے بڑی فیاضی کے ساتھ لٹائے گئے ہیں، جن سے فکر ونظر کو بالیدگی اور قلب وروح کو کیف وسرور حاصل ہوتا ہے۔

چوں کہ صاحبِ افادات دامت برکاتہم کو استاذِ گرامی قدر خاتمۃ المحدثین، علامۂ دہر، محدث جلیل حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خوانِ علم سے طویل مدت تک خوشہ چینی کا شرف حاصل رہا ہے، اس لیے کتاب میں جا بہ جا وسعتِ علم کے ساتھ تحقیقی رنگ بھی جھلکتا ہے، افسوس ہے کہ اِن سطور کی تحریر کے وقت حضرت جون پوریؒ بھی مسافرانِ آخرت میں شامل ہو گئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

دعا ہے اللہ تعالیٰ اِس کتاب کی ترتیب میں گزرنے والے شب وروز کو احقر کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول بخشے اور حضرت صاحبِ افادات دامت برکاتہم کی عزت وعافیت کے ساتھ جلد رہائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحی منیری عفا اللہ عنہ
خادم حدیث وتفسیر دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات
۱۱ر جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ مطابق ۷ر جنوری ۲۰۲۰ء سہ شنبہ

کلمات بابرکت

از

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی وجانشین پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. أما بعد!

جملہ علوم دینیہ اپنی اہمیت، شرافت وعظمت، افادیت اور ضرورت کے لحاظ سے یکساں طور پر دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں؛ لیکن ان میں علم حدیث شریف کو افضل العلوم واجلہا قرار دیا گیا ہے اور ہمارے تمام مدارسِ دینیہ اسلامیہ کے قیام کا مقصد صرف ان علوم کا حصول ووصول ہے، باقی دیگر علوم عربیہ اس کے ذرائع ووسائل ہیں۔ ہندوستان کے تمام اہم مدارس دینیہ میں اس علم شریعت کی تعلیم وتدریس کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے، دنیا کا کوئی ملک اس کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ **فالحمدللّٰہ علی ذالک!**

ہمارے مدارس میں دورۂ علم حدیث کی تعلیم وتدریس کے لیے مشہور ومعروف کتاب مشکاۃ المصابیح کو موقوف علیہ کا درجہ حاصل ہے اور واقعتاً یہ مبارک کتاب دورۂ حدیث شریف میں پڑھائی جانے والی کتب صحاح ستہ کا عطر اور خلاصہ ہے، جس کا درس مسلسل دو گھنٹے پورے سال ہمارے اکثر بڑے مدارس میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروحات علمائے محدثین نے تصنیف فرمائی ہیں، جس میں لمعات التنقیح حضرت شیخ عبدالحق

محدث دہلویؒ کی عظیم الشان تصنیف لطیف اور علمی شاہ کار ہے، انہوں نے اپنی اس مبارک شرح حدیث کا مقدمہ تحریر فرمایا جس میں حدیث شریف کے لیے استعمال ہونے والی فنی اصطلاحات کی توضیحات وتشریحات فرمائیں جو ہر طالب علم حدیث کے لیے مفید اور بصیرت افروز ہیں، اس مقدمہ کو اساتذۂ کرام ہمارے مدارس میں متن کتاب کے ساتھ بڑے اہتمام سے پڑھاتے ہیں۔

عزیز محترم مولانا مفتی عبداللہ صاحب سلمہٗ نے بھی مشکاۃ شریف کے درس کے ساتھ اس مقدمہ کا درس دیا، جس کو ان کے شاگردوں نے قلم بند کیا اور اب استفادے کی نیت سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔

مدارس میں پڑھائی جانے والی کتبِ حدیث کی شروحات وتقریرات کی طباعت واشاعت کا اہتمام ہر دور میں ہوا ہے؛ مگر مصطلحات علم الحدیث کے سلسلہ میں درسی تقریرات وتشریحات کی علمی خدمات بہت محدود ہیں، اس حیثیت سے مولانا موصوف کی یہ درسی علمی خدمت بہت وقیع اور قابل مبارک باد ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی بارگاہ عالی میں اس کو قبولیت عطا فرمائے اور عزیز طلبہ کے لیے مفید تر بنائے۔ آمین!

فقط

محمد سلمان

ناظم مظاہر علوم سہارن پور

۱۳؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

اظہار پسندیدگی

از حضرت مولانا مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث ومفتئ اعظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور وخلیفۂ اجل حضرت فقیہ الامتؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی بھی بھی فن میں درک حاصل ہونے کے لیے اس کے مبادی سے واقفیت بہت ضروری ہے، تجربہ کار استاذ مخاطب طلبا کی استعداد کے لحاظ سے ان مبادیات کو کبھی کم اور کبھی زیادہ بیان کرتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم بانی مدرسہ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ (گجرات) کو حق تعالیٰ شانہ نے منقول ومعقول دونوں طرح کے علوم میں تبحر عطا فرمایا ہے، تدریس کا طویل تجربہ اور مغلق مضامین کی تسہیل اوران کی تفہیم کا ملکہ بھی ان کو حاصل ہے، اس کے ساتھ ساتھ خشیت وانابت، شفقت وتحمل وغیرہ صفات سے بھی حق تعالیٰ شانہ نے ان کو وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ فلاح دارین ترکیشور کی تدریس کے دوران حضرت کو کافی بااستعداد تلامذہ میسر آئے، اس وقت انہوں نے مشکاۃ شریف پڑھائی تو مبادیات علم حدیث کو مفصل لیکن واضح اور سلیس انداز میں بیان کیا جس کو تلامذہ نے ضبط کیا، اب اس مجموعہ کو "مقدمۂ مشکاۃ" کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جارہا ہے۔ یہ مجموعہ مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کی نہایت مفید اور اہم چیزوں پر مشتمل ہے؛ اس لیے امید ہے کہ یہ کتاب اہل علم کے لیے بالخصوص طلبا کے لیے نہایت نفع بخش اور بصیرت افزا ہوگی۔ حق تعالیٰ شانہ کتاب کو قبولیت سے نوازے، حضرت کے فیض کو عام وتام فرمائے۔

العبد محمد طاہر عفا اللہ

مظاہر علوم سہارن پور

گلہائے عقیدت ومحبت

از

حضرت مولانا ابوبکر صاحب موسالی فلاحی مدظلہٗ

استاذ حدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر وخلیفہ حضرت مولانا یوب صاحب سورتی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ میں حضرت الاستاذ جامع المعقولات والمنقولات رئیس وبانی جامعہ مظہرِ سعادت حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی اس وقیع تالیف پر چند سطور تحریر کروں، یہ مجموعہ دراصل حضرت الاستاذ کے وہ درسی افادات ہیں جوان کے جامعہ فلاحِ دارین کے زمانۂ تدریس میں قلمبند کیے گئے تھے۔

حضرت الاستاذ کو حق تعالیٰ شانہ نے کمالاتِ علمیہ کے ساتھ گوناگوں صفات، مختلف النوع کمالات اور ہمہ جہتی صلاحیتوں سے نوازا ہے، گویا وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

”ولیس علی اللہ بمستنکر ☆ أن یجمع العالم في واحد“

اورعملی طور پر بھی حق تعالیٰ شانہٗ ان سے علم اور اہلِ علم کی خدمات کے ساتھ عوام الناس کے رفاہی کام بھی لے رہے ہیں، اور حضرت اپنا' پرایا' دوست' دشمن' یگانہ' بیگانہ، سب

کچھ بھول کر اپنی ذات اور صحت کی بھی پرواہ کیے بغیر شب و روز خدمت خلق میں لگے رہنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، بل کہ لفظ سعادت تو حضرت اور ان کے ادارہ کی فضا میں ایسا رچ بس گیا ہے کہ جامعہ کے احاطہ میں ایک مرتبہ کوئی داخل ہو، اسے تعلیم یا تعمیر، اساتذہ ہوں یا طلبہ، روحانی غذا کا مرکز کتب خانہ ہو یا جسمانی غذا کا مرکز کینٹین، الماریاں ہوں یا تپائیاں، گاڑی ہو یا جنتری، ہر چیز میں اور ہر طرف سعادت ہی سعادت نظر آئے گی، اللہ تعالیٰ دنیا کی سعادت کے ساتھ آخرت کی سعادتوں سے بھی بہرہ ور فرمائیں۔ آمین!

فلاحِ دارین میں تقرر سے ان کی تدریسی خدمات کا آغاز ہوا تھا، حالاں کہ وہ اس میں نئے تھے؛ مگر ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار مدرس کی طرح اپنے اچھوتے انداز سے سب کو متاثر بل کہ قائل کرلیا تھا، اپنی بے نظیر قوت حفظ، بے مثال تفہیم، مفصل ومبسوط کلام، پیچیدہ مقامات کا سہل فہم حل، ژولیدہ گتھیوں کو سلجھانے کا سلیقہ، اشکال کا تشفی بخش جواب، کسی بھی موضوع پر محقق اور مدلل گفتگو، مختلف فنون کا انطباق، ان سب باتوں سے وہ اس حقیقت کو واشگاف کر دیتے کہ تدریس کیا چیز ہے؟

کوئی بھی مصنف ہو یا مدرس وہ کوئی فن یا کتاب کی ابتدا میں اس کے مبادی اور مقدمہ کو ضرور ذکر کرتا ہے، جس سے طلبہ کو ایک گونہ مناسبت ہو جاتی ہے، جو فن وکتاب کو علی وجہ البصیرت پڑھنے میں معین ہوتی ہے، حضرت الاستاذ کے یہاں بھی اس کا اہتمام ہوتا تھا، کتاب معقولات کی ہو یا منقولات کی اس کے تفصیلی مبادی اور مقدمات کا ذکر ضرور ہوتا، علم حدیث تو اپنی اہمیت کی وجہ سے سب سے زیادہ مبادی

اوراصول وضوابط رکھتا ہے، حضرت مشکاۃ المصابیح کے شروع میں قریب ایک ڈیڑھ ماہ تک نہایت مفصل ومبسوط مقدمۃ الحدیث بیان فرماتے، یہ مجموعہ انہیں دنوں قلم بند کیا گیا تھا، اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت کے برادر محترم مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ اور مولانا اسماعیل صاحب کوساڑی فلاحی کی مساعی سے وہ زیور طبع سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آرہا ہے۔

اس ترقی پذیر دنیا میں کسی چیز کو حرف آخر نہیں کہا جاسکتا؛ مگر مستفیدین محسوس کریں گے کہ قریباً تیسری صدی ہجری جب سے یہ علم مقدمۃ الحدیث اور اس میں تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، آج تک عربی اور اردو میں بیسیوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں، حضرت الاستاذ نے انتہائی عرق ریزی اور بڑی جانفشانی سے کھنگال کھنگال کراس مجموعہ کو دریا بہ کوزہ بنادیا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ حضرت الاستاذ کے اس فیض کو عام فرمائیں، معلّمین ومتعلّمین کواس سے استفادہ میسر فرمائیں، اسے سب کے حق میں نافع اور دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائیں۔آمین!

صدیق مکرم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رویدروی مدظلہ کے التماس پر یہ چند سطور سپرد قلم کرنے کی میں نے جسارت کی ہے، اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے بھی سعادت کا ذریعہ بنائیں۔آمین!

ابوبکر موسالی

خادم جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر/ ۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

حسنِ تاثر

از

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی صاحب

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و به أستعين!

زیرِ نظر وقیع تالیف جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا مفتی عبداللہ پٹیل صاحب رویدروی دامت برکاتہم العالیہ (بانی ومؤسس وشیخ الحدیث جامعہ مظہرِ سعادت، واقع ہانسوٹ، ضلع بھروچ، گجرات) کے ان افاداتِ نافعہ اور تحقیقاتِ انیقہ پر مشتمل ہے، جو موصوف نے برّصغیر کے معروف ومؤقر تعلیمی ادارے ''فلاحِ دارین'' ترکیسر، گجرات میں اپنی تدریسی زندگی کے ابتدائی چند برسوں میں مشہور مجموعۂ احادیث موسوم بہ ''مشکاۃ المصابیح'' کے پُر مغز، بصیرت افروز، چشم کشا اور معلومات افزا دروس کے دوران اپنے اُن لائق وفائق تلامذہ کے سامنے پیش فرمائی تھیں، جو اِس وقت آسمانِ علم ومعرفت کے درخشاں آفتاب ومہتاب بن کر ضیا پاشی اور نور افشانی کر رہے ہیں، جنہوں نے اپنے محبوب ومشفق استاذ محترم کے ان ''اوّلین نقوش'' کو ضبطِ تحریر میں لاکر صفحات قرطاس میں محفوظ کر لیا تھا، اب یہ افادات وتحقیقات تلاشِ بسیار اور طویل انتظار کے بعد منظرِ عام پر آرہی ہیں، امید ہے کہ انہیں قدر کے ہاتھوں سے لیا جائے گا اور شوق کی نگاہوں سے پڑھا جائے گا، کیوں کہ یہ ایک باذوق استاذ

اور محقق مدرس کے ہمہ جہت، ہمہ گیر نیز وسیع ومتنوع مطالعہ کا نچوڑ اور طویل غور وفکر کا نتیجہ ہیں، جن کے ذریعہ اس کے ذہنِ روشن کی رسائی و دراکی، طبع اخّاذ کی جولانی، نگاہِ نکتہ جو کی گہرائی و گیرائی، نیز طائرِ فکر کی بلند پروازی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح ان ''نقوش اولین'' کی تابندگی سے صاحبِ افادات کے روشن علمی مستقبل کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب اولین نقوش اس قدر تابندہ ہیں تو زمانۂ مابعد کے نقوش کی تابناکی کا کیا عالم ہوگا، جس کا بیّن ثبوت ''الجامع الصحيح للإمام البخاري'' کی شرح موسوم بہ ''إسعاد القاري'' ہے، جس کی تاہنوز چار جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر شائقین علم حدیث سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں، اور مؤلف محترم کی دیدہ وری، ژرف نگاہی اور باریک بینی کی زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں، نیز ان کی ذکاوت وذہانت اور قوت حافظہ کی غمازی کررہی ہیں۔

خدا کرے یہ دریائے علم وفضل یوں ہی رواں رہے اور یہ ابر معرفت وآگہی اسی طرح تادیر درّ افشانی کرتا رہے، زبان گوہر بار سے نکلے ہوئے یہ ارشادات و فرمودات ترتیب وتبییض کے مراحل سے بحسن وخوبی گزر کر تشنہ کامانِ علم ومعرفت کی سیرابی کا ذریعہ بنیں۔

ع......ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی

شعبۂ عربی زبان وادب، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۵/دسمبر ۲۰۱۶ء

باسم العلام

اہمیتِ فن، خصوصیتِ کتاب اور امتیازاتِ استاذِ ذی مرتبت

از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی مدظلہ

استاذ حدیث وتفسیر جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

کسی بھی فردِ امت کے لیے کتاب وسنت کی تصدیق، تکمیل ایمان کی ضمانت اور اس کی عظمت وشرافت کا اقرار، تکمیل ایمان کی علامت اور اس پر عمل پیرا ہونا ایک مومن کامل کا عملی اعتراف ہے، تو کسی کا کتاب وسنت سے علمی اشتغال دارین کی سعادت وخوش بختی اور دعائے نبوی کے حصول کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے ”نضر اللّٰہ امرء سمع مقالتي فحفظها ووعاها وأداها كما سمعها“ اور اس سے اعراض سب سے بڑی محرومی ہے ”ومن أعرض عن ذكري فإن له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيامة أعمى“ بہر حال! علوم وفنون میں تفسیر کے بعد دوسرا اعلیٰ ترین اور متبرک فن حدیث نبوی ہے، اس کی نسبت ایک ایسی زندۂ جاوید ہستی کی طرف ہے کہ جب تک اس روئے زمین پر نوع انسانی کا وجود ہے اور اس میں زندگی کا اثر ورمق اور شعور واحساس باقی ہے، اس وقت تک یہ فن اسی تازگی وشادابی کے ساتھ لہلہاتا رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اسی لیے وابستگانِ حدیث اور حضراتِ محدثین اپنے اپنے دور میں مختلف جہات سے اس فن شریف کو مرکزِ توجہ بناتے ہیں، کسی محدثِ عظیم بل کہ امیر المؤمنین فی الحدیث نے اپنی قوت فکر ونظر کا نظارہ کرایا اور ایک ایک حدیث سے دسیوں مسائل

کا استنباط کیا کہ مبصرین یہ تبصرہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ''**فقہ البخاري في تراجمه** '' تو کسی نے روایت واحدہ کی اسانید کو ایک لڑی میں پرو کر حسن نظم و ترتیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا کارنامہ انجام دیا کہ امت نے ہر دو کو شیخین سے تعبیر کیا۔

الغرض! دنیائے حدیث میں مختلف زاویے اور مختلف جہات سے حضرات محدثین نے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ مبادیات حدیث کی ایک اہم بحث ''انواعِ کتبِ حدیث'' کے نام سے موسوم ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی درسِ نظامی کی مہتم بالشان کتاب ''مشکاۃ'' ہے۔- جس کا نصاب مدارس میں موقوف علیہ یعنی صحاح ستہ کی تفہیم و مفاہمت کے لیے اہم مقام ہے۔- جس سے وابستگی از حد ضروری ہے۔

اس مفید ترین کتاب کی بے شمار خصوصیات ہیں، جن میں باحوالہ سہل الحصول روایات کا التزام و اہتمام، اہل تزکیہ کے یہاں زیر درس، ایک طبقہ نے اس کو حفظ کرنے میں ایسی دلچسپی بتلائی کہ بابا داؤد مشکاتی ان کے نام کا جزء لاینفک بن گیا، مستورات نے بھی مشکاۃ کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔

امت کے ایک مخصوص طبقہ نے صحیحین کی طرح ''مشکاۃ المصابیح'' کو بھی مرکز توجہ بنایا اور ہند و پاک کے معتبر علما نے اس کی مختلف زاویہ سے خدمت بھی کی۔ اتنی مفید اور اہم ترین کتاب کی تدریس کے لیے بھی اللہ پاک اپنے چنندہ بندوں کا انتخاب فرماتے ہیں، چناں چہ ہر دور، ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے ماہرینِ تعلیم کا یہ شیوہ رہا ہے کہ صحاح ستہ کی تدریس کے لیے اغلبی طور پر ایسے ہی مدرس کا انتخاب ہوتا ہے جس نے

مشکاۃ کی تدریس کم وبیش مدت تک کی ہو، کیوں کہ ''مشکاۃ المصابیح'' ۱۴ر تیرہ چیدہ چیدہ گلشن محمدی کا ایسا گلدستہ ہے جس میں صحیحین ، سنن، مسانید ہر قسمی گلوں کی رعنائیاں ہیں اور ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کا مصداق ہے۔

زیر نظر مبادیات بھی ایسی ہی ایک باکمال ،باصلاحیت افراد ساز شخصیت کے سنہری افادات پر مشتمل ہے ،جس نے آٹھ سال تک مادر علمی ''فلاح دارین ، ترکیسر''میں رہ کر-اس وقت جب مبادیات کے نام سے امورِ ثلاثہ پر اکتفاء کیا جاتا تھا-رؤس ثمانیہ اور مبادیات عشرہ کا تصور ہی نہیں دیا؛ بل کہ اطراف واکناف کے مدارس میں مبادیات علوم وفنون کا رجحان بھی پیدا ہوا، ہر فن کی اہمیت و وسعت کے پیش نظر ان مبادیات کو مبادیات مؤکدہ اور مبادیات مستحسنہ کی تقسیم سفوف خانہ زاد کے ذریعہ مفید سے مفید تر بنایا۔

طلبا حضرت الاستاذ کی درس گاہ میں آتے جاتے ابن الانبانی کا شعر گنگناتے :

إن مبادی لکل فن عشرة　　　الحدو الموضوع ثم الثمرة

الاسم والاستمداد وحکم الشارع　　　وفضله ونسبه والواضع

جس سے میری مراد حضرت الاستاذ ،صبر وتحمل کا پیکر،خرد نواز،جذبۂ الٰہی سے سرشار، جامع المعقول والمنقول، برادر کبیر حضرت اقدس مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم ہیں۔جن کا درس ایسا علوم عقلیہ اور نقلیہ کا جامع ہوتا تھا کہ:

''قصص النبیین''میں قواعد نحویہ کا اجراء ہوتا،تو ''شرح تہذیب''میں منطق کی کتبِ قدیمہ کا تعارف واسلوب اور کتب جدیدہ کی افادیت وتسہیل سے بھی روشناس کراتے۔

''حسامی'' کا درس جس میں اصول فقہیہ کا، جزئیات فقہیہ پر حسین انطباق ہوتا تھا۔

''رشیدیہ في المناظرہ'' کا درس ایسا ہوتا کہ طالب علم کولگتا کسی حساس موضوع پر میں بھی مجادلہ اور مکابرہ سے ہٹ کر مناظرہ کر سکتا ہوں۔

''مشکاۃ'' کا درس ایسالا جواب کہ بہت سے مدرسین آپ کا درس سننے کے لیے اور اسلوب پرکھنے کے لیے دور دراز سے آتے۔

طحاوی اور مؤطین کے درس میں ایک احناف کے بیرسٹر کی شان سے جلوہ افروز ہوتے۔

ایسی جامع شخصیت جس نے دنیائے تدریس کو ایک نیا رخ دیا، تحقیق وجستجو کا، تعلیم وتربیت کا، تعمیر وتہذیب کا۔ جس شخص نے فلاح دارین میں محدثین اور مفسرین کی ایک باکمال کھیپ تیار کی تو بانئ مظہر سعادت بن کر حفاظ وقرا کی ایک جماعت امت کی خدمت میں پیش کی۔

دیہات دیہات درس قرآن وحدیث کا انتظام کیا، مزید برآں اساتذۂ باکمال اور شیوخ الحدیث کی جماعت مدارس کے حوالہ کی، جس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

ایسی عظیم شخصیت کے درسی افادات حضرت مولانا اسماعیل کوثر صاحب کی مساعی جمیلہ، مولانا عبیداللہ وعبیدالرحمٰن صاحبان کی حسن توجہ اور مفتی انیس صاحب استاذ حدیث جامعہ رحمانیہ کھامبیا کی فکر مسلسل سے زیور طبع سے آراستہ پیراستہ ہونے جارہے ہیں۔

یہ مبادیات بنام ”**أسعد الغايات بالتقديم على المشكاة**“ کے نام سے موسوم ہیں۔ اللہ پاک اس کو طلبا، علما اور مستفیدین کے لیے مفید بنائے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی بہت سی تصانیفِ قیمہ بالخصوص ”**إسعاد القاري على صحيح البخاري**“ کی طرح مقبول خاص وعام بنائے۔ حضرات اساتذہ کرام کے لیے ذخیرۂ آخرت اور والدین مرحومین کے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ اور صاحب افادات حضرت اقدس کے علمی فیض کو بحر سیال کی طرح رواں دواں رکھے، ہر قسمی عسر کو یسر سے بہ عجلت تبدیل فرمادے۔ اور صحت عاجلہ کاملہ مستمرہ عطا فرما کر ان کے ظل عاطفت کو اہل خاندان، متعلقین اور متوسلین کے لیے بعافیت تمام قائم ودائم رکھے۔ آمین!

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین اد

یکے از شاگردان حضرت مظاہری و برادر صغیر عبد الرحیم فلاحی

سخنہائے گفتنی

از

صاحبِ افادات حضرت مفتی عبداللہ پٹیل صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق جل مجدہٗ کا شکر واحسان ہے کہ اس دنیا میں حیات جیسی نعمت عطا فرمائی جو ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ نہ ملنے والی نعمت ہے، مزید برآں احسان باری یہ ہوا کہ علما نواز، علم دوست، علم پرور والدین محترمین –أدخلهما جنات النعيم– عطا فرمائے، جنہوں نے اپنی اولاد کو علم جیسی نعمت سے وابستہ ہی نہیں بل کہ علم پر قربان کردیا، جس کے نتیجہ میں قابل، مقبول اور خدا ترس اساتذہ میسر آئے، باری تعالیٰ میرے مکتب سے لے کر ڈابھیل تک اور ڈابھیل سے لے کر ''مظاہر علوم'' تک تمام اساتذۂ کرام کو دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے، ان اساتذۂ کرام سے مفارقت، مرحلۂ تعلیم سے فراغت اور مشغلۂ تدریس سے وابستگی سے قبل گجرات کی عظیم بافیض دینی درس گاہ کے سربراہ (مہتمم صاحب) کا شفقت آمیز مکتوب رمضان المبارک کے بابرکت لمحات میں حضرت شیخ زکریاؒ کی خانقاہ موصول ہوتا ہے کہ بعد رمضان ''فلاحِ دارین'' کی خدمتِ تدریس کے لیے تقرر کیا جاتا ہے، یہ تقرر نامہ اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت مفتی یحیٰ، مفتی مظفر حسین، شیخ یونس صاحبان کی خدمت میں

پیش کیا گیا، سب ہی اساتذہ نے مبارک باد اور ادعیۂ صالحہ کی سوغات سے نوازا۔

اس ہیچ مداں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب حضرت مدیر محترم نے تقسیم اسباق کرتے ہوئے اکثر معقولی اسباق کے ساتھ موقوف علیہ کا اہم سبق ''مشکاۃ المصابیح'' بھی بندہ سے متعلق رکھا، اس پر ناچیز نے سجدۂ شکر ادا کیا اور حضرت مہتمم صاحب کے اعتماد پر اترنے کی مقدور بھر کوشش بھی کی؛ چناں چہ الحمدللہ! مادرِ علمی ''مظاہر علوم'' کی علمی امانت کو پہنچانے کے لیے ناچیز نے جو کوشش کی، اس دور کے باذوق طلبا نے جس ذوق وشوق سے اس کی قدر کی اور ان درسی اسباق کو اپنے اپنے قرطاس میں محفوظ کیا وہ اس عاجز کی زندگی کی خوش گوار یادیں ہیں۔

چناں چہ ''مولانا یوسف ٹنکاروی، مولانا یونس تاج پوری، مولانا منظور فیجی، مولانا شبیر گنگات، مولانا موسیٰ پٹیل، مولانا ادریس کوسمبا، مولانا حنیف ورٹھی، مولانا الیاس ہتھورنی، مولانا ابوبکر موسالی، مولانا احمد ٹنکاروی اور مولانا عبدالرحیم فلاحی''، اس دور کی ایسی یادگار ہیں جنہیں بندہ اپنے لیے ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہے، کسی نے کسی کتاب کی مکمل کاپی تیار کی تو کسی نے مبادیات علوم وفنون کا اہتمام کیا، چناں چہ زیرِ نظر مواد ''مشکاۃ المصابیح'' کے مبادیات پر مشتمل ہے، جس کے لیے مولانا ابوبکر موسالی اور مولانا احمد ٹنکاروی کی کاپی کو اصل بنایا گیا ہے، اللہ پاک ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اس موقع پر باذوق تحقیق پسند عالمِ دین جناب عزیزم مولانا اسماعیل فلاحی کوثر کو فراموش کیا جائے، جنہوں نے شب وروز کی اَنتھک جدو

جہد اور کوشش کر کے حوالہ جات و اضافات کے ذریعہ کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی سعی جمیل فرمائی۔

اسی طرح جامعہ مظہرِ سعادت کے سعادت مند ہونہار فرزند مولانا عبد الرب واپی جنھوں نے کتاب پر نظرِ ثانی فرما کر سونے پہ سہاگہ کا کام انجام دیا، اور عزیزم مولانا عبید اللہ سلمہٗ جنھوں نے کتاب کی ترتیب و طباعت کے دوران پیش آنے والے مراحل میں خوش اسلوبی اور پوری دلچسپی سے تعاون فرمایا۔ فجزاھم اللہ خیرا!

اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین میں اجرِ جزیل عطا فرمائیں اور کتاب کو ناچیز، والدین، اساتذہ اور تمام مشایخ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

آمین یارب العالمین!

(حضرت مفتی) عبداللہ پٹیل (صاحب دام ظلہٗ)

جامعہ مظہرِ سعادت ہانسوٹ

حرفِ ترتیب

صوبۂ گجرات کو اللہ تعالیٰ نے جن مادی وروحانی نعمتوں سے نوازا ہے، ان پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اس وقت اُفقِ گجرات پر علم وفضل کے جو آفتاب و ماہتاب اپنی پوری قوت کے ساتھ نور افشانی فرمارہے ہیں، ان میں ایک اہم اور نمایاں نام جامع المنقول والمعقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری ادام اللہ فیوضہ کی ذاتِ عالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو بڑی فیاضی کے ساتھ نوع بہ نوع کے کمالات سے نوازا ہے، حسنِ انتظام، اور علمی تعمق کے حوالے سے اہلِ علم کے مابین کافی شہرت کے حامل ہیں۔ آپ کے خوانِ تحقیق وتدقیق سے ''**إسعاد القاري شرح صحيح البخاري**''، ''**مباحث في الحديث وعلومه**''، **فتاویٰ سعادت** اور ''**غاية الوصول إلى علم الأصول**'' جیسی کتابوں کی شکل میں جو نادر جواہر پارے لٹائے جارہے ہیں وہ قابلِ صدر شک وحیرت ہیں۔

آپ موصوف ملک کی مشہور علمی و روحانی دانش گاہ ''جامعہ مظاہر علوم سہارن پور'' کے مایۂ ناز سپوت، جنیدِ وقت حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور محدثِ عصر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم کے معتمد ومُجاز نیز مشہور علمی دانش گاہ ''جامعہ مظہرِ سعادت ہانسوٹ'' کے بانی، مہتمم وشیخ الحدیث ہیں۔

جن دنوں مفکرِ قوم وملت، رئیس العلماء، حضرت اقدس مولانا عبداللہ

صاحب کاپودروی دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی زیرِ قیادت گجرات کے اربابِ دانش وبینش کا بے مثال وباکمال کارواں سرزمینِ ترکیسر پر کمند ڈال کر علم وفن اور ادب وہنر کے گیسوئے برہم کو سنوارنے میں مصروف تھا، اُنہیں دنوں آپ نے بھی شریکِ قافلہ ہوکر علم کے جام لنڈھائے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ اُسی دور کی قیمتی یادگار ہے، جو حضرت موصوف کے نہایت ہی قابل ومعتمد تلامذہ اور آج کے بحرِ علم وفن کے ماہر غوّاص وشناور استاذی حضرت مولانا ابوبکر صاحب موسالی وگرامی قدر حضرت مولانا احمد ٹنکاروی صاحب زیدت معالیہم اساتذۂ حدیث دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر کے ہاتھوں قلم بند ہوا تھا۔

یہ مجموعہ محتویات کی اہمیت وندرت کی وجہ سے اسلاف سے اخلاف تک منتقل ہوتا رہا، اس دوران صاحبِ افادات کے برادرِ گرامی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحؔی زیدت عنایتہٗ -جن کو آپ سے نسبتِ اخوت وتلمذ کے ساتھ ساتھ آپ کی ذات، متعلقات وخدمات کے ساتھ عقیدت کی حد تک تعلق ہے- کا طائرِ فکر اس کی تحقیق وترتیب ونشر واشاعت کے لیے مسلسل گردش کرتا رہا۔ اتفاق کی بات ہے کہ قرعۂ فال اس دیوانے کے نام نکلا، اور راقم نے اسے اپنے لیے فالِ نیک سمجھ کر اپنی تمام تر تہی دامنی وکوتاہ دستی کے باوجود کمرِ ہمت باندھ لی، اور اب یہ عجالۂ نافعہ مع فوائدِ کثیرہ جامعہ پیشِ خدمت ہے۔

راقم نے دورانِ ترتیب صاحبِ افادات کے مذکورۂ بالا شاگردانِ رشید کے

مسودات سے استفادہ کر کے ایک مجموعۂ مرکب تیار کیا، جس میں حضرت والا کی دیگر کتب سے عطر کشید کیا گیا اور حتی الامکان حوالہ جات اور ضروری حواشی سے بھی کتاب کو مزین کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں چند امور کی تحقیق کی سعی کی گئی ہے، جو صرف ایک زاویۂ نگاہ ہے، راقم نے اُسے اربابِ فضل وکمال کی خدمت میں اس نیت سے پیش کیا ہے کہ اگر راقم کی کوئی کوتاہی ہوگی تو درست ہو جائے گی؛ ورنہ اکابر کی تائید تو حاصل ہو ہی جائے گی۔ اس سلسلے میں معزز قارئین کی خدمت میں مفید وتعمیری مشوروں کے لیے مؤدبانہ درخواست کی جارہی ہے۔

اس موقع پر تمام معاونین ومحسنین مثلاً مولانا عبیداللہ صاحب سعادتؔی جن کے اہتمام سے کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے جارہی ہے، مولانا محمد مہر علی صاحب قاسمؔی جن کا کمپوزنگ میں قیمتی تعاون حاصل رہا ہے، اور مولانا عبدالرب صاحب سعادتؔی زید مجدہم کا تہہِ دل سے شکرگزار ہوں، خصوصاً آخر الذکر نے بڑی محنت سے نظرِ ثانی فرما کر عزت افزائی فرمائی ہے۔ اسی طرح استاذِ گرامی حضرت مولانا ابوبکر صاحب موسالی دام ظلہ اور ڈاکٹر نذیر احمد ندوی صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ اپنے قیمتی کلمات سے کتاب کو مزین فرمایا۔

نیز سراپا شکرگزار ہوں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحؔی زید فضلہ کا کہ موصوف موقع بہ موقع اپنے مفید مشوروں اور علمی تعاون سے نہال فرماتے رہے۔

فجزاهم الله خيرا!

آخر میں بارگاہِ رب العزت میں بصد ادب یہ التجا ہے کہ صاحبِ افادات کی

عمر میں بعافیت برکت عطا ہو، اور آپ کا فیض زمان ومکان کی حدود سے متجاوز ہوکر چہاردانگ عالم پھیلتا رہے۔ آمین!

کتبہ

فقیر اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی عفا اللہ عنہ

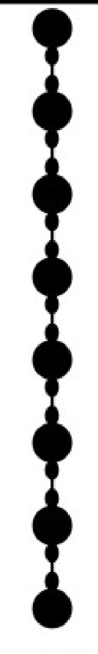
خادم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ-مطابق ۱۶ر جنوری ۲۰۱۷ء (دوشنبہ)

أسعد الغايات

بالتقديم

على المشكاة



افادات

جامع المنقول والمعقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم

مہتمم و بانی جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات

مقدمۃ العلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، ومن سيئآت أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰہ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا.

حق تعالیٰ شانہٗ کالاکھ لاکھ شکرواحسان ہے کہ اس ذات ذوالجلال والاکرام نے آج اپنے پے درپے فضل وکرم سے وہ روز دکھلایا، جس کے ہم اپنی ذات گناہ گارو خطا کاروسیاہ کار کی طرف نظر کرتے ہوئے قطعاً مستحق نہ تھے، پھر بھی اس کی شان غفاری ورحیمی سے ناامید نہ تھے اوراس روز کی تمنا بلا استحقاق ضرور کئے ہوئے تھے، یہ تمنا تواس ذات ذوالفضل نے ستاری وغفاری فرما کر پوری کردی، امید ہے کہ دوسری تمنائیں بھی جواس فن کی تحصیل میں ہیں اور تحصیل کے بعد ہیں اللہ تعالیٰ اپنے لطف وفضل سے ضرور برلائیں گے "**إن شاء اللّٰہ العزيز، واللّٰہ على كل شيء قدير، عليه التوكل والتكلان، وهو في كل شيء مستعان، وهو الحنان والمنان، فنرجو وندعوه أن يوفقنا لهذا الشغل العظيم للسعي فيه، وأن يوصله إلى الإكمال والإتمام، فالسعي منا ومنه الإتمام، وعليه ختم الكلام والابتداء في المرام**"۔

یہ جو فن ہے جس کو حاصل کرنے ہم جا رہے ہیں، وہ نہایت عظیم وشریف ومُنیف فن ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ فن حدیث ہے جو کہ محبوب رب العالمین کا کلام ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے، **لقوله تعالىٰ "إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"** (۱) جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے بمصداق اس کے کہ......ع......زباں میری ہے بات ان کی

اور جیسے ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

اور اسی وجہ سے جس طرح کلامِ الٰہی کی حفاظت وصیانت کی گئی ہے اسی طرح علم حدیث کے پیچھے لوگوں نے بے انتہا محنت کر کے ایک ایک چیز کو محفوظ کر رکھا ہے، ظاہری قانون سازوں نے اور باطنی روحانیت کے علم برداروں نے اپنے آلات سے اس کی ایسی حفاظت کی کہ کھرا کھوٹا الگ کر دیا، ذخیرۂ احادیث میں کوئی جھوٹی روایت گھسنے نہیں دی، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل اور حال کی حفاظت کی، اپنے نبی کے اقوال وافعال کے ساتھ اتنی دلچسپی اور اس کی ایسی حفاظت وصیانت کسی اور امت نے نہیں کی، یہ شرف تو امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے، یہ سہرا اسی امت کو میسر ہوا ہے اور اس کے علم برداروں کے سر بندھتا ہے؛ غرض یہ کہ اس فن کے ہر پہلو پر نظر رکھی اور ہر شئ کی حفاظت کی، من جملہ ان میں سے ایک حدیث مسلسل بھی ہے۔

---

(۱) سورۃ النجم: آیت ۴

حدیثِ مسلسل:

راوی سے لے کر مروی عنہ تک ایک ہی طریقہ سے حدیث مروی ہو، تمام کا نام ایک ہو یا تمام راوی بصرہ یا کوفہ کے ہوں وغیرہ کسی طرح سلسلہ متحد ہو وہ حدیث مسلسل ہے، پھر اس تسلسل کی دو قسمیں ہیں: تسلسل فی القول اور تسلسل فی الفعل۔ تسلسل قولی مثلاً ہر جگہ "حدثنا" یا "أخبرنا" یا "أنبأنا" ہو(۱)، اور تسلسل فعلی کی مثال جیسے "**عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: صافحتُ بكفي هذه كف رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فما مسست خزا و لا حريرا ألين من كفه صلى الله عليه وسلم**" حضرت انسؓ نے جب یہ حدیث اپنے شاگرد کو سنائی تو اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اسی طرح سلسلہ چلا، ہر ایک نے جس کو حدیث سنائی اُس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، یہ تسلسلِ فعلی ہے۔(۲)

اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: "**إني أحبک فقل...**" پھر حضرت مُعاذؓ نے بھی بعد والے کا ہاتھ پکڑ کر یہی فرمایا کہ "**أنا أحبک فقل...**" یہ سلسلہ چلتا رہا، ہر استاذ اپنے تلمیذ سے اس طرح کہتے، اگر تلامذہ زیادہ ہوتے تو فرماتے: "**أنا أحبكم فقولوا......**" (۳) غرض یہ کہ آج تک یہ سلسلہ اسی طرح باقی ہے، یہ تسلسلِ قولی اور فعلی دونوں کی مثال ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا يجد العبد حلاوة الإيمان حتى يؤمن بالقدر، خيره و شره، و حلوه و مره.** پھر آپ صلی اللہ

---

(۱) فتح المغیث: ۵۳/۳ (۲) الفضل المبین: ۴۳ (۳) ابوداؤد: الرقم ۱۵۲۴، نسائی: ۱۳۰۳، الفضل المبین: ۴۰

علیہ وسلم نے اپنی ریش مبارک کو پکڑ کر فرمایا: **امنت بالقدر خیره و شره، وحلوه و مره** ۔ تو اخذِ لحیہ کا یہ سلسلہ بھی چلتا رہا(۱)، یہ بھی تسلسلِ قولی اور فعلی دونوں کی مثال ہے(۲)؛ غرض یہ کہ اس کی بھی حفاظت ہوئی (۳)، یہ بھی اس فن کی عظمت کی دلیل ہے۔ تسلسل ہی میں ایک حدیث مسلسل بالاولیۃ ہے۔

حدیث مسلسل بالاولیۃ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ استاذ جب بھی حدیث پڑھانا شروع کرے تو سب سے پہلے ایک حدیث بیان کرے، ان کے سامنے ان کے استاذ نے سب سے اول وہ حدیث سنائی ہو، اس طرح اخیر تک یہ سلسلہ چلا جائے، یہ حدیث مسلسل بالاولیۃ ہے؛ چناں چہ احقر بھی آپ کے سامنے سب سے اول حدیث اپنی سند کے ساتھ بیان کرتا ہے، میں نے یہ حدیث سب سے پہلے ۱۳۹۴ھ میں مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے پڑھی، انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے، انہوں نے شاہ عبد القیوم بڈھانویؒ سے، انہوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ سے، انہوں نے شاہ عبد العزیز دہلویؒ سے اور انہوں نے مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے پڑھی اور ان کا سلسلہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک انہوں نے مسلسلات میں خود بیان کیا

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث: ۱/۵۷، ط. دار احیاء العلوم

(۲) فتح المغیث: ۳/۵۲

(۳) کبھی تسلسل بالزمان ہوتا ہے، جیسے الحديث المسلسل بيوم العيد، کبھی تسلسل بالمکان ہوتا ہے، جیسے الحديث المسلسل بإجابة الدعاء بالملتزم، اور کبھی تسلسل بالتاریخ ہوتا ہے، جیسے كون الراوي آخر من يروي عن شيخه. (فتح المغیث: ۳/۵۳)

ہے(۱)، وہ حدیث یہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الراحمون یرحمهم الرحمٰن: ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء" (۲) – ترجمہ اس کا یہ ہے: رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، تم بھی زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

یہ حدیث مسلسل بالاولیۃ ہے، حاصل یہ کہ اس امت کے پیشواؤں نے حدیث کی ہر قیمت پر ہر طرح حفاظت کی ہے اور یہ اس فن کی عظمت واہمیت کی دلیل ہے، پھر یہ فن چوں کہ منقول ہے اور علومِ منقولہ کا حال یہ ہے کہ اس میں حوالہ کی ضرورت پڑتی ہے، کوئی اگر یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ آپ کیسے یہ کہتے ہیں، کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ اس وجہ سے درمیان میں جس قدر وسائط ہوتے ہیں انہیں بیان کیا جاتا ہے، تو تسلسل سے یہ بھی فائدہ ہے۔ پھر اس نقل کی تقویت وتائید کے لیے اس کا حوالہ بھی دیا

---

(۱) یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ اولیت باعتبار معظم سند ہے، اس لیے کہ یہ تسلسل حضرت سفیان بن عیینہؒ تک ہی ہے، آگے تسلسل باقی نہیں رہا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: و قد يقع التسلسل في معظم الأسناد كحديث المسلسل بالأولية لأن السلسلة تنتهي فيه إلى سفيان بن عيينة فقط، و من رواه مسلسلا إلى منتهاه فقد وهِم ۔نزہۃ النظر:۱۶۴، حافظ صاحب کے قول "فقد وهِم" کا مصداق حافظ سخاویؒ نے ابو مظفر محمد بن علی الطبری الشیبانی کو قرار دیا ہے۔ (فتح المغیث: ۱/۵۴)

(۲) ابوداؤد، باب فی الرحمۃ: ۴۹۴۱، ترمذی: ۱۹۲۴

جاتا ہے کہ محدثین میں سے فلاں فلاں نے اسے بیان کیا ہے، اسی تقویت کی غرض سے مخارجِ حدیث بیان کئے جاتے ہیں؛ مثلاً مذکورہ تسلسل والی حدیث کی تقویت میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی تخریج امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے کی ہے(۱) اس کے علاوہ مسند احمد(۲) وغیرہ کتبِ احادیث میں بھی یہ روایت موجود ہے(۳)۔ علمِ حدیث کی حفاظت کے جتنے بھی ذرائع ہیں اور جس طرح اس کی حفاظت ہوئی ہے اسے اگر غیبی اور من جانب اللہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اسی ذات نے اپنے کلام کی طرح اپنے محبوب کے کلام کی حفاظت کے لیے یہ ظاہری و باطنی ذرائع پیدا فرمائے اور اس قدر محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ محفوظ رکھے، ہمیں بھی اس کے ذرائع کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے، اپنے اور محبوب کے کلام سے محبت و عظمت کی توفیق عنایت فرمائے، اپنے علوم و دین کی کوئی نہ کوئی خدمت ہم سے بھی لے لے اور اس کے بدلے حقیقی فلاحِ دارین سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

---

(۱) ابوداؤد: ۵۷۷، ترمذی: ۲/۱۴، الفضل المبین: ۳۴ (۲) مسند احمد: الرقم: ۶۴۹۴

(۳) حافظ عبدالحی کتانیؒ نے فہرس الفہارس: ۱/۹۳، ۹۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت کتاب الادب المفرد للبخاری میں بھی ہے؛ مگر خاتمۃ المحدثین حضرت الاستاذ مولانا محمد یونس صاحب جون پوری ادام اللہ فیوضہم کی رائے گرامی یہ ہے کہ یہ روایت الادب المفرد میں نہیں ہے۔ (الفرائد في عوالي الأسانيد و غوالي الفوائد: ۱۷۵) اسماعیل عفی عنہ!

بدایۃ الدرس:

دوشنبہ کو اس فن کے ساتھ بہت مناسبت ہے، کیوں کہ اس روز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت ہے، اور اس سبب سے اسے فضیلت بھی حاصل ہے تو یہ بھی آپ ہی کا کلام ہے تو اسے بھی اس روز سے مناسبت ضرور ہونی چاہیے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اسی دوشنبہ کے روز ہوئی (۱)، آپ کی وفات بھی اسی روز ہوئی (۲)، آپ نے ہجرت بھی اسی روز فرمائی (۳)، کتاب مقدس قرآن مجید کی ابتدا بھی ایک قول کے مطابق چوبیس رمضان بروز دوشنبہ ہوئی (۴)، تو اس مناسبت کی بنا پر اس روز کو بڑی فضیلت حاصل ہے، یہ اس وجہ سے کہا گیا کہ ایک مستقل بحث ہے بدایۃ السبق کی کہ درس کی ابتدا کب کرنی چاہیے، ویسے کسی دن کو دوسرے کے مقابلہ میں منحوس سمجھنا یہ بھی صحیح نہیں، اسلام نے اس کی بھی تعلیم نہیں دی؛ مگر پھر بھی کچھ ایام ہیں جمعرات اور پیر وغیرہ جن کو اور دنوں کے مقابلہ میں کسی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، اس وجہ سے یہ بحث ہے کہ ابتدا کب ہونی چاہیے۔ علامہ زرنوجیؒ نے "تعلیم

---

(۱) مسلم: ۱/ ۳۶۸، الرقم: ۲۸۰۴   (۲) بخاری: ۱۳۸۷   (۳) بخاری: ۳۹۰۶

(۴) مسلم: ۲۸۰۴، سب سے پہلی وحی کس ماہ اور دن میں نازل ہوئی اس کے بارے میں علما کا اختلاف ہے، ربیع الاول، رجب اور رمضان المبارک یوں تین قول مروی ہیں، پھر قائلینِ رمضان میں بھی اختلاف ہے، چناں چہ اصحابِ سیر نے سات، سترہ اور اٹھارہ رمضان کہا ہے؛ مگر مذکورہ بالا حدیثِ مسلم سے استدلال کرتے ہوئے مشہور غیر مقلد عالم مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ نے اکیس رمضان کو ترجیح دی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس رمضان میں دوشنبہ سات، چودہ، اکیس اور اٹھائیس کو پڑتا ہے، اِدھر یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن کریم کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا ہے، اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر طاق راتوں میں ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کا نزول اکیس تاریخ کو ہوا ہے۔ (الرحیق المختوم: ۶۱)

المتعلم‘‘ (۱) میں ابتدا کے لیے چہار شنبہ کی افضلیت کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے ”مَا مِنْ شَيْءٍ بُدِءَ بِهٖ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ إِلَّا وَقَدْ تَمَّ“ کہ بدھ کے روز شروع کیا ہوا کام اتمام تک پہنچ کر رہتا ہے (۲)، اسی قسم کی حدیث پیر کے روز کے بارے میں بھی وارد ہے (۳)۔ غرض کہ دوشنبہ کو بہت فضیلت حاصل ہے۔

---

(۱) تعلیم المتعلم: ص ۴۸ (۲) قال السخاوي: لم أقف له على أصل، و لكن ذكر برهان الإسلام في كتابه (تعليم المتعلم) عن شيخه المرغيناني صاحب الهداية في فقه الحنفية، أنه كان يوقف بداية السبق على يوم الأربعاء، و كان يروي في ذالک بحفظه، ويقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما مِن شيء بدء به يوم الأربعاء إلا وقد تم، قال: و هكذا كان يفعل أبي فيروي هذا الحديث بإسناده عن القوام أحمد بن عبدالرشيد. انتهى! پھر علامہ سخاویؒ نے المعجم الاوسط طبرانی کی حدیث جابرؓ سے اس حدیث کا معارضہ کیا ہے جس میں ہے کہ: يوم الأربعاء يوم نحس مستمر، لیکن اس کا جواب خود علامہ برہان الاسلام زرنوجیؒ نے دیا ہے؛ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: و هذا لأن يوم الأربعاء يوم خلق فيه النور، و هو يوم نحس في حق الكفار، فتكون مباركا للمؤمنين. (تعلیم المتعلم: ۴۸، المقاصد الحسنۃ: ۵۷۴، کشف الخفاء: ۱۸۲/۲) مخدوم گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری دامت برکاتہم الدر المنضود: ۶/۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ علامہ سخاویؒ کا ”لم أقف له على أصل“ کہنا اپنے علم کے اعتبار سے ہے، کیوں کہ صاحبِ ہدایہ جیسا فقیہ، محدث اپنی سند سے مرفوعاً بیان کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو یہ اس حدیث کے ثبوت کے لیے کافی ہے؛ گو متداول کتبِ احادیث میں یہ نہ ملے۔ ناقص رائے یہ ہے کہ ابو حفص عمر بن عبدالمجید المیانشی نے ’مالا یسع المحدث جہلہ‘ میں ” اطلبو العلم كل اثنين و خميس فإنه ميسر لمن طلبه“ کی تخریج فرمائی ہے، جس پر مشہور حنفی محدث شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ فرماتے ہیں: ”فالحديث بلفظ الاثنين حسن بمجموع الطريقين إذا لم تكن هناک علة أخرى خفيت علي“ (خمس رسائل فی علوم الحدیث: ۲۴۵) لہٰذا شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کے حدیثِ یوم الاثنین کی تحسین فرمانے کے بعد حدیث یوم الاربعاء کے سلسلے میں بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم! (۳) اطلبوا العلم يوم الاثنين فإنه ميسر لصاحبه. (کنز العمال عن انسؓ: ۲۵۰/۱۰، الرقم: ۲۹۳۴۰، تاریخ اصبہان عن انس: ۱۴۰/۵، الرقم: ۱۳۳۹)

کسی بھی فن کی جب ابتدا ہوتی ہے تو اس کی مناسبت سے کچھ امور جو اس فن کے مقصود کی تفہیم میں معاون ہوں' وہ بیان کیے جاتے ہیں، اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا ہی میں اس فن سے کچھ مناسبت ہو جاتی ہے، تا کہ اس کا حصول بغتۃً نہ ہو۔ پھر مبادیات کے بیان کرنے میں لوگوں کے مختلف طریقے رہے ہیں، بعض امورِ ثلاثہ (تعریف، موضوع، غرض) پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں۔ بعضوں نے اضافہ کر کے آٹھ امور بیان کرنا شروع کیے جنہیں رؤوسِ ثمانیہ کہتے ہیں۔ (۱) آگے اس میں اور اضافہ ہوا اور مبادیاتِ عشرہ بیان ہونے لگے۔ جتنا وہ فن عظیم واہم ہوتا ہے اس میں کچھ چیزیں بڑھ جاتی ہیں، فنِ حدیث بھی چوں کہ نہایت عظیم ومہتم بالشان ہے اس وجہ سے ہم بھی کچھ امور زیادہ بیان کریں گے، مبادیات کے ساتھ شرائطِ علمِ حدیث، آداب، منکرینِ حدیث کی تردید، ان کے اعتراضات کا جواب، ہندوستان میں حدیث کی ابتدا اور گجرات میں حدیث کی آمد، یہ اور اس کے علاوہ تقریباً بتیس امور ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ ہوگا۔ پھر ان امور کی دو قسمیں ہیں: واجبہ جنہیں مؤکدہ بھی کہتے ہیں اور دوسرے مستحبہ، واجبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے ضروری ہوں کہ ان کے بغیر فن کی ابتدا ہی نہ ہو سکتی ہو اور مستحبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے ضروری تو نہ ہوں؛ مگر بیان ان کا بھی فائدہ سے خالی نہیں، اور مستحبہ بھی پھر ایسے ہیں جن کو واجبہ کے سمجھنے کے لیے جاننا ضروری ہیں، اس سے اس کی بھی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور اسی وجہ سے یہ مقدمات بھی بیان کیے جاتے ہیں، انہیں میں سے ایک چیز شرائطِ علم حدیث بھی ہے، علم حدیث کے لیے اور اس کے حصول کے لیے اور اس میں اشتغال رکھنے کے لیے کیا شرطیں ہیں اسے بھی جاننا چاہیے۔

---

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۱۰

شرائط علم حدیث:

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں اس کے شرائط بیان کیے ہیں، فرماتے ہیں: **"إن الرجل لایصیر محدثا کاملا في حدیثه إلا بعد أن یکتب أربعًا مع أربع، کأربع مثل أربع، في أربع عِند أربع، بأربع علیٰ أربع، عن أربع لأربع، وکل هذه الرباعیات لاتتم لهٗ إلا بأربع مع أربع، فإذا تمت له کلها هان علیه أربع، وابتلي بأربع، فإذا صبر علی ذالک أکرمه اللّٰه تعالیٰ في الدنیا بأربع، وأثابه في الآخرة بأربع"**(۱)۔ یہ شرائطِ علم حدیث ہیں۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر، الفن الثالث: ص ۳۷۹، المستخرج علی المستدرک للعراقی: ص ۱۹، تدریب الراوی: ۲/ ۱۵۷، ط. دار الکتب الحدیثۃ، الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع للقاضی عیاض: ۴۱، ط. مجلس تعاون اسلامی پاکستان، تہذیب الکمال: ۱/ ۲۴ – یہ الفاظ مستخرج اور تدریب کے ہیں، اشباہ کے الفاظ تھوڑے مختلف ہیں۔ یہ شرائط حضرت امام بخاریؒ سے منقول ہیں اور اس سلسلے میں ایک دلچسپ قصہ بھی مذکور ہے، جس کو پڑوسی ملک کے ایک جلیل القدر عالم مولانا ابن الحسن عباسی کی مایۂ ناز کتاب ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' سے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہاں حوالۂ قرطاس کیا جارہا ہے چناں چہ آپ لکھتے ہیں: رَی کے قاضی ابوالعباس عہدۂ قضا سے معزول ہو کر بخارا آئے، اسحاق بن ابراہیم اپنے شاگرد ابوالمظفر کو ان کی خدمت میں لے گئے، قاضی سے فرمائش کی کہ اس بچہ کو کچھ احادیث پڑھا دیجیے، ابوالعباس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مشائخ سے سماعِ حدیث کا شرف نہیں حاصل، اسحاق کہنے لگے، یہ کیوں کر ممکن ہے؟ آپ تو فقیہ ہیں، قاضی ابوالعباس نے کہا، درحقیقت میں جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو حدیث کا شوق مجھے امام بخاری کے پاس لے آیا، ان کے سامنے میں نے اپنے ارادہ وشوق کا اظہار کیا تو امام بخاری فرمانے لگے، بیٹے! کسی بھی چیز میں داخل ہونے سے پہلے اس کے حدود و شرائط جان لیا کرو، میں نے کہا: میں جس چیز کا شوق لے کر آیا ہوں اس کے حدود وشرائط آپ ہی مجھے بتادیں، =

إلا أن يكتب أربعًا:

وہ چار چیزیں یہ ہیں، ایک ہے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی، کیوں کہ کتابیں چھپی ہوئی موجود ہیں، پہلے ایسا نہ تھا، ہاتھ سے لکھنا پڑتا تھا، کسی کے پاس ایک آدھ قلمی نسخہ حدیث کی کتاب کا ہوتا وہ اپنے تلامذہ کو اسی میں سے لکھوا دیتے، سارے اسی ایک نسخہ سے نقل کرتے، بارہویں صدی میں بھی شاہ اسحاق محدث دہلویؒ کے یہاں ابوداؤد کا ایک ہی نسخہ تھا اور تلامذہ کی تعداد

=جس پر امام بخاریؒ نے مذکورۂ بالا رباعیات ذکر فرمائی، ابوالعباس بیچارے رباعیات کے اس طویل سلسلے کا فلسفہ کیا جانتے! کہنے لگے اب مہربانی فرما کر ذرا اس کی تشریح بھی فرما دیجیے، جس پر امام بخاریؒ نے مذکورۂ بالا تشریح ذکر فرمائی، امام بخاریؒ یہ تفصیل سنا کر قاضی ابوالعباس سے فرمانے لگے ''بیٹے! اب تجھے علمِ حدیث کا مشغلہ اختیار کرنے میں اختیار ہے''۔ قاضی ابوالعباس نے حدیث میں مہارت کی ان تمام شرطوں کی تاب اپنے اندر نہ پا کر فقہ کی طرف توجہ دی کہ اس کے لیے بہر حال اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے، اور فقیہ بن کر قاضی ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کلام کی امام بخاریؒ کی طرف نسبت مشکوک قرار دی ہے، اور اس پر وضع کا شبہ ظاہر کیا ہے؛ مگر حضرت شیخ الحدیثؒ نے مقدمۂ اوجز المسالک میں مذکورہ کلام میں حافظ کے اس شبہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ۱۱۷ تا ۱۲۰) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے ہیں: قال الحافظ: تلوح أمارة الوضع على ذالک سيما قوله خير من ألف حديث كذب، ولذا لم يذكر آخرها بعض من ذكر الحكاية. (قال الشيخ) ولم أتحصل بعدُ لم اشتد إنكار مثل الحافظ على ذالک، لأن هذا القول ليس من البخاري بل من أبي إبراهيم، و تعلم الحديث لا يستلزم الأحاديث الصحيحة بل يشمل الضعاف و الموضوعات أيضا، و لا شک أن الحكاية أفيد من تعلم موضوعات الفتن و نحوها، و كذالک لا شک في أن الفقه ثمرة الحديث، ورب حامل حديث ليس بفقيه، و رب حامل الحديث إلى من هو أفقه منه، فتأمل! إلا أن الحافظ إمام الفن و إنكاره حجة. (أوجز المسالک: ۱ / ۲۴۱)

تقریباً تین سو تھی، وہ سب اسی ایک نسخہ سے نقل کرتے تھے، تو وہ چار چیزیں یہ ہیں:
أما الأولى: فأخبار رسول الله صلى الله عليه وسلم و شرائعه، و أخبار الصحابة و مقاديرهم، و التابعين و أحوالهم، و سائر العلماء و تواريخهم- (۱) احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲) آثارِ صحابہؓ (۳) اقوالِ تابعین اور (۴) اخبارِ علما۔

مع أربع:

وہ یہ ہیں: أسماء رجالهم، و كناهم، و أمكنتهم، و أزمنتهم- (۱) مروی عنہ کا نام (۲) اس کی کنیت (۳) اس کا مکان اور (۴) اس کا زمانہ۔ بعض دفعہ ایک راوی نام سے مشہور ہوتا ہے اور کنیت سے نہیں، جیسے ایک راوی ہے، اس کا نام عبدالقدوس شامی ہے، وہ نام سے مشہور تھا، اس لیے لوگوں نے اسے چھپانے کے لیے کنیت سے روایت کرنا شروع کر دیا؛ کیوں کہ اس کی روایت کو لوگ متہم گردانتے تھے(۱)، اس وجہ سے رواۃ کے اسما وکنیٰ کا جاننا ضروری ہے، تا کہ یہ معلوم ہو کہ راوی اور مروی عنہ ایک زمانہ میں ہیں، دونوں کی ملاقات ہوئی ہے یا نہیں؟ ان کے درمیان کوئی واسطہ ہے یا نہیں؟ تو "مع أربع" میں یہ چار چیزیں ہیں، اسما، کناۃ، امکنہ، ازمنہ۔

كأربع مع أربع:

وہ یہ ہیں: التحميد مع الخطب، والدعاء مع التوسل، والتسمية مع السورة، و التكبير مع الصلوات - (۱) حمد مع الخطب

---

(۱) مقدمۂ مسلم: ۱/ ۱۹، الرقم: ۶۰

(۲) تکبیر مع الصلوات (۳) تسمیہ مع السور اور (۴) دعا مع الوسیلۃ۔ جس طرح ان چار چیزوں میں تلازم ہے ویسے ہی اوپر کی چار چیزوں کو چار دوسری مذکورہ کے ساتھ تلازم کا تعلق ہے، یہ بطور تشبیہ کے ہے، یہ کل آٹھ چیزیں شرط میں مذکور ہوئیں۔

كأربع مع أربع:

المسندات، والمرسلات، والموقوفات، والمقطوعات۔ (۱) احادیث مسندہ (۲) مرسلہ (۳) موقوفہ (۴) مقطوعہ ان کو لکھے، احادیث کی ان اقسام کی تعریف آگے آئے گی۔ پھر آگے ہے:

في أربع:

"في صغره، في شبابه، في إدراكه، وفي كهولته"۔ (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) اڈھیر پن اور (۴) زمانۂ ادراک سب زمانوں میں حاصل کرنا چاہیے۔ **"اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد"** (۱)۔ علم کی تحصیل کے لیے کوئی وقت متعین نہیں، سب زمانوں میں اسے حاصل کرنا چاہیے۔ پھر ہے:

عند أربع:

"عند شغله، عند فراغه، عند فقره، وعند غناه" (۱) مشغولیت

---

(۱) يقول الشيخ عبدالفتاح أبو غدة رحمه الله: هذا الكلام: "أي طلب العلم من المهد إلى اللحد" ويحكى أيضا بصيغة "اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد" ليس بحديث نبوي، وإنما هو من كلام الناس، فلا يجوز إضافته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يتناقله بعضهم، و هذا الحديث موضوع، و من العجب أن الكتب المؤلفة في "الأحاديث المنتشرة" لم تذكره. (قيمة الزمن عند العلماء: ص ۲۹) از مولانا عبدالرب سعادتی!

کے زمانہ میں بھی (۲) فراغت کے زمانہ میں بھی (۳) فقر میں بھی اور (۴) غنا و مال داری کی حالت میں بھی اسے حاصل کرنا چاہیے، حاصل یہی ہے کہ تمام اوقات اس کی تحصیل میں مشغول رہنا چاہیے۔ آگے ہے:

بأربع:

"**بالبلدان، بالبراري، بالبحار، بالجبال**" - (۱) شہروں میں (۲) خشکیوں پر (۳) سَمُندروں میں اور (۴) پہاڑوں میں؛ غرض کہ سب جگہ اس کی تحصیل ہونی چاہیے، کہیں بھی جانا پڑے وہاں جا کر اُسے حاصل کرنا چاہیے۔ امام بخاریؒ کا یہی حال تھا کہ ہمیشہ سفر میں ہوتے اور تحصیل و تالیف سب کچھ سفر میں کیا، باب کا عنوان مکہ میں لگایا، پھر سفر درپیش ہوا تو مُعَنْوَنْ میں حدیث مدینہ میں پہنچ کر لکھی، بعض دفعہ عنوان ہی نہیں لگاتے اس خیال سے کہ لگا دیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے؛ گو شراح اس کا جواب یوں دے دیتے ہیں کہ یہ پڑھنے والوں کے اذہان کو تیز کرنے کے لیے ہے(۱)۔ پھر فرمایا:

علی أربع:

"**على الأحجار، على الأخزاف، على الأكتاف، على الجلود**" - کہ (۱) پتھروں پر (۲) ٹھیکروں پر (۳) گتوں پر اور (۴) چمڑوں پر۔ غرض کہ جو بھی اس کی کتابت و حفاظت کا سامان میسر آئے اس پر لکھ کر اسے محفوظ رکھنا۔ آگے ہے:

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۰۶

عن أربع:

چار سے حاصل کرے، ”**عمن هو فوقه، عمن هو دونه، عمن هو مثله، وعن كتابه**“، (۱) اپنے بڑے سے (۲) اپنے برابر سے (۳) اپنے سے چھوٹے سے اور (۴) اپنی کتاب سے، تمام سے حاصل کرے، کسی سے حصول میں عار نہ ہو۔

لأربع:

چار کے لیے حاصل کرے، ”**لوجه الله، للعمل به، للنشر بين طالبيه، ولإحياء ذكره بعد موته**“، (۱) خالص اللہ کے لیے حاصل کرے، کوئی اور نیت حصولِ مال وجاہ کی نہ ہو، ورنہ علم کی تحصیل عبث ہے اور ضروری نہیں کہ وہ دنیوی غرض بھی حاصل ہو، (۲) دوسرے اس پر عمل کرنے کے لیے اسے حاصل کرے کہ جو بھی معلوم ہوگا اس پر عمل کرے گا، ورنہ ”**علم بلا عمل كشجرة بلا ثمرة**“ ہے[۱]۔ مقصود عمل ہی ہے اور اس میں فائدہ یہ بھی ہے کہ ”**من عمل بما يعلم ورثه الله ما لم يعلم**“[۲]، علم پر عمل کرنے سے علم غیر معلوم اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور (۳) تیسرے یہ کہ اس کو اس کے طالبین کے درمیان پھیلانے کی غرض ہو اور (۴) چوتھے اس کے ذکر کو موت کے بعد بھی زندہ رکھنے کی غرض سے حاصل کرے۔

---

(۱) اقتضاء العلم العمل للخطيب البغدادي بتحقيق الشيخ محمد ناصر الدين الألبانيؒ: الرقم: ٢٠٦.

(۲) حلیۃ الاولیاء: ۱۰/۱۳، ط. ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں ایک بھی ایسی روایت ذکر نہیں کی جس پر کسی نہ کسی نے عمل نہ کیا ہو، سوائے دو روایتوں کے، صرف دو روایتیں ایسی ہیں کہ ان پر کسی نے عمل نہیں کیا، لیکن الحمدللہ احناف نے ان دو پر بھی عمل کیا ہے(۱)۔ یہ شرطیں ہیں، پھر ان تمام رباعیات کو حاصل کرنے کے لیے اور چار چیزوں کو حاصل کرنا ضروری ہے، اسی کو فرماتے ہیں کہ "**هذه الرباعيات لاتتم إلا بأربع: من كسب العبد وهو معرفة الكتابة واللغة و الصرف والنحو**"، یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں انسان کے کسب کا دخل ہے، وہ یہ ہیں: (۱) علم اللغۃ (۲) علم النحو (۳) علم الصرف اور (۴) کتابت۔ امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نحو نہ جانتا ہو اور وہ حدیث میں مشغول ہو تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ "**من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار**" (۲) کا مصداق نہ ہو جائے(۳)۔

---

(۱) شرح علل الترمذی لابن رجب: ۱۱۲، مشہور غیر مقلد محدث مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے، چناں چہ آپ فرماتے ہیں: قلت: قد تعقب الملا المعين في كتابه دراسات اللبيب على كلام الترمذي هذا، وقد أثبت أن هذين الحديثين كليهما معمول بهما، والحق مع الملا معين عندي. (مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۳۹۱) (۲) بخاری: ۱۲۹۱

(۳) قال الأصمعي: إن أخوف ما أخاف على طالب العلم إذا لم يعرف النحو أن يدخل في جملة قوله صلى الله عليه وسلم: من كذب علي فليتوأ مقعده من النار، لأنه لم يكن يلحن، فمهما رويت عنه و لحنت فيه كذبت عليه. (تدريب الراوى: ۲/۱۰۶، ط. دار الكتب الحديثه)، وقال ابن حجر (الهيثمي) في فتح الإله: يوخذ من الحديث أن من قرأ حديثه، و هو يعلم أنه يلحن فيه يدخل في الوعيد الشديد؛ لأنه بلحنه كاذب عليه.

(حاشية التدريب: ۲/۱۰۶)

پھر آگے ہے "مع أربع: من إعطاء الله تعالیٰ الصحة، والقدرة، والحرص، والحفظ"، چار چیزوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوں، وہ یہ ہیں: (۱) صحت (۲) قدرت (۳) حرص اور (۴) حفظ، تندرستی کے ساتھ اور قدرت بھی ہو کہ اسباب، کتب، اساتذہ وغیرہ مہیا ہوں، ساتھ ہی شوق بھی ہو اور قوتِ حافظہ بھی ہو، حفظ کی حدیث میں بہت ضرورت ہے۔

پھر آگے فرمایا: "فإذا تمت له كلها هان عليه أربع: الأهل، والولد، والمال، والوطن" جب یہ ساری چیزیں اسے حاصل ہو جائیں گی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے لیے چار چیزیں حاصل ہوں گی، چار چیزیں اس کے لیے آسان ہو جائیں گی: "(۱) ترک الأهل (۲) والمال (۳) والولد (۴) والوطن"، لیکن ساتھ ہی چار چیزوں میں وہ مبتلا ہوگا "وابتلي بأربع: (۱) بشماتة الأعداء (۲) وملامة الأصدقاء (۳) وطعن الجهال (۴) وحسد العلماء"۔

"فإذا صبر أكرمه الله تعالى بأربع في الدنيا"— اور اگر اس نے ان چاروں ابتلاؤں پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اسے چار چیزوں سے نوازتے ہیں، (۱) "بعز القناعة"، تھوڑی سی چیز پر قناعت حاصل ہوتی ہے، (۲) "بلذة العلم (۳) بهيبة النفس" اور (۴) "بحياة الأبد"، علم کی لذت بھی ملتی ہے، رعب و دبدبہ بھی حاصل ہوتا ہے اور ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

یہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے چار چیزوں سے نوازتے ہیں، "وأثابه في الآخرة بأربع: (۱) بالشفاعة لمن أراد من إخوانه"،

اپنے دوستوں میں سے جس کی چاہے شفاعت کا اسے حق ہوگا۔(۲)''**بظل العرش حيث لاظل إلا ظل عرشه**''، قیامت میں جب کوئی سایہ نہ ہوگا تو وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔(۳)**بشرب الكوثر**، جامِ کوثر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اسے ملے گا۔(۴)''**وبقرب الأنبياء، وبجوار النبي صلى الله عليه وسلم**''، انبیاء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے قرب وجوار حاصل ہوگا۔ یہ علم حدیث کے شرائط ہیں جو'' **الأشباه والنظائر**'' (۱) میں ابن نجیم مصریؒ نے ذکر کئے ہیں۔اس کے بعد آداب حدیث ہیں۔

آدابِ علم حدیث:

ادب ہر چیز کا ضروری ہوتا ہے اور اس کی شایانِ شان ہوتا ہے، ادب کے بغیر زندگی بے لطف ہے، اسی وجہ سے ایک فارسی شاعر اس کے حصول کی دعا کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر گوشہ کے آداب امت کو بتلائے ،زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ ہوگا جس کے آداب وطرق سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بتلائے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقط نبی اور رسول ہی کی حیثیت سے تبلیغ وتعلیم نہیں فرماتے ، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شفیق والد کی طرح تربیت فرماتے

(۱)الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصریؒ،الفن الثالث:ص ۴۱۷، ۴۱۸،المجلد الاول،المکتبۃ العصریۃ،صیدا،بیروت

تھے۔ادب کے باب میں بہت سی کتابیں علما نے لکھی ہیں، ''**تعلیم المتعلم، رحمة المتعلمین**'' وغیرہ۔فخر الاسلام زرنوجیؒ کی ''تعلیم المتعلّم'' ہے،اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ کی بھی ایک کتاب ہے۔ جب ساری ہی چیزوں کے آداب ہیں اور وہ ضروری بھی ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علم حدیث جیسے عظیم فن کے آداب نہ ہوں، فخر الاسلام زرنوجیؒ جو کہ صاحبِ ہدایہ کے تلمیذ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ آداب میں تہاون یہ سنن میں تہاون پیدا کرتا ہے اور سنن میں کوتاہی وسستی کرنے سے فرائض میں کوتاہی ہوتی ہے اور یہ ذریعہ بنتی ہے ارتکابِ معاصی کا (۱) اور معاصی کا حال یہ ہے کہ ''**المعاصي بريد الكفر**'' کہ وہ کفر کا ڈاکیہ ہیں (۲)،اکابر تو فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا وہ آداب ہی کے طفیل ہے۔

پھر آداب کی دو قسمیں ہیں: آدابِ ظاہرہ اور آدابِ باطنہ،اول کا تعلق اعضاء سے ہے اور ثانی کا قلب سے، دونوں قسم کے ادب کا اس علم میں ہونا ضروری ہے۔

آدابِ باطنہ:

(۱) آدابِ باطنہ میں سب سے اول ادب یہ ہے کہ نیت خالص ہو، یہ نہایت اہم وضروری ہے،تمام ہی حضرات نے اس کا اہتمام کیا ہے،اس کا حصول اور اس میں اشتغال خالص لوجہ اللہ ہو، کسی قسم کی دنیوی غرض نہ ہو، صاحبِ مرقاۃ المفاتیح فرماتے ہیں کہ اسی اخلاصِ نیت کی دعوت دینے کے لیے صاحبِ مشکاۃ المصابیح نے سب سے اول حدیث النیۃ بیان کی اور خود بھی تالیف میں نیت کی تصحیح کر کے ہمیں بھی

---

(۱) تعلیم المتعلم: ۶۵ (۲) شرح مسلم للنووی مع مسلم، مطبوعہ ہند: ۱/ ۵۷

اس کی تحصیل میں اخلاص کی دعوت دی ہے۔(۱) اور صرف انہوں نے ہی نہیں بل کہ صاحبِ مصابیح امام بغویؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ نے بھی اس روایت کو سب سے اول ذکر کیا، اسی وجہ سے حدیث النیۃ کا نام ہی ''حدیث طلیعۃ کتب الحدیث'' رکھا گیا ہے(۲)۔ ''طلیعۃ'' کے معنی اول وابتدا کے آتے ہیں۔

(۲) دوسرا ادب یہ ہے کہ اس کلام اور صاحب کلام کی عظمت دل میں ہو اور واقعتاً دونوں قابلِ محبت وعظمت ہیں کہ ان میں اسبابِ محبت موجود ہیں۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے تو اس میں اسبابِ محبت ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں کہ جمال وکمال بدرجۂ اتم موجود تھے، بل کہ سارے ہی اوصاف کے جامع تھے، کسی شاعر نے تو ایک ہی مصرع میں ختم کر دیا ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پھر آپ کے ساتھ محبت کیوں نہ ہو؟ اور جہاں تک آپ کے کلام کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ: ''إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ'' (۳) کہ وہ بھی وحی ہی ہے، اتنا ہے کہ وہ قرآن کی طرح متلو نہیں، باقی وہ بھی من جانب اللہ ہے۔ اور کلام بھی ویسا جو ''كلام الملوك ملوك الكلام'' کا مصداق ہے، پھر دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے محبت ہوگئی تو آپ کے کلام سے بھی ہونا ضروری ہے، کیوں کہ محبوبین کی ہر چیز محبوب ہوا کرتی ہے، جب

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۹۹، ط فیصل دیوبند (۲) مرقاۃ: ۱/۹۹، ط فیصل دیوبند

(۳) النجم: آیت ۴

دنیا کے محبوبِ مجازی کا کلام اوراس کی ہر چیز کو انسان محبت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے تو پھر سرکار کا کلام محبوب کیوں نہ ہو؟ اور محبت ہی سے عظمت پیدا ہوتی ہے کہ قاعدہ ہے کہ محبت خود آدابِ محبت سکھلا دیتی ہے۔ حاصل یہ کہ کلام وصاحبِ کلام دونوں کی عظمت ومحبت دل میں ہو، یہ بھی ضروری ہے۔

(۳) تیسرا ادب یہ ہے کہ علم پر عمل ہو۔ اور چوتھا ادب جو کہ ظاہری ہے؛ مگر اہمیت کی وجہ سے اسے بھی باطنی میں شمار کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی دورانِ درس آجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔ ''اللّٰهم وفقنا لهذا'' آمین!

صحیح ابن حبان کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوں گے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والے ہوں گے، ابن حبانؒ نے اس کا مصداق وہ لوگ بتلائے ہیں جو حدیث کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں۔(۱) یہ ان کے لیے فضیلت اور شرافت کی بات ہے۔ یہ آدابِ باطنہ ہیں ان کے ساتھ کچھ آدابِ ظاہرہ بھی ہیں۔

---

(۱)''إن أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاةً'' قال أبوحاتم رضي الله عنه: في هذا الخبر دليل على أن أولى الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم في القيامة يكون أصحاب الحديث، إذ ليس من هذه الأمة قومٌ أكثر صلاة عليه صلى الله عليه وسلم منهم اهـ.

(صحيح ابن حبان بتحقيق الشيخ شعيب الأرناؤوط: ۱۹۲/۳، الرقم: ۹۱۱)

آدابِ ظاہرہ:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیشہ درسِ حدیث میں باوضو رہے، اس کے بڑے برکات ہیں۔ اس سلسلے میں اکابر کے درسِ حدیث میں طہارت کے اہتمام کے واقعات مشہور ہیں۔ مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے والد صاحب (مولانا یحییٰ صاحب) کے پاس بخاری پڑھتے تھے، دو، دو تین، تین گھنٹے مسلسل سبق ہوتا، اس پورے وقت میں ہمیشہ باوضو رہتا، اگر کبھی درمیان میں وضو ٹوٹ جاتا تو میں اپنے ساتھی کو اشارہ کرتا، وہ بات چھیڑ دیتے کہ حضرت! ابن ہمامؒ تو یہاں یوں فرماتے ہیں، مولانا یحییٰ صاحب سمجھ جاتے اور قصہ شروع کر دیتے، اتنی دیر میں میں وضو کر کے آجاتا؛ مگر بے وضو کبھی نہ بیٹھتا، یہ وضو کا اہتمام ہے(۱)، غرض کہ یہ بہت ضروری ہے ورنہ حقیقی لطف و برکات حاصل نہیں ہوتے۔

(۲) دوسرا ادب یہ ہے کہ درس میں ہر وقت توجہ کامل رہے، بے توجہی محرومی کا باعث بنتی ہے، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ جن کا تذکرہ ابھی ہوا ان کی عادت یہ تھی کہ اگر درس میں کوئی ذرا بے توجہی کرتا اور غور سے نہ سنتا تو فوراً اٹھ کر چلے جاتے (۲)، کیوں کہ کلام سے بے توجہی سامنے والے کے کلام سے اعراض کی علامت ہے اور یہ تو کلامِ رسول ہے، پھر اس سے بے توجہی و اعراض محرومی کا باعث کیوں نہ ہو؟

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۵۹

(۲) قال أحمد بن سنان: كان لا يُتحدث في مجلس عبدالرحمن، و لا يبرى قلم، و لا يتبسم أحد، و لا يقوم أحد قائمًا، كأن على رء وسهم الطير، أو كأنهم في صلاة، فإذا رأى أحدًا منهم تبسم أو تحدث، لبس نعله و خرج. (سیر اعلام النبلاء: ۹/۲۰۱)

(۳) ایک ادب یہ بھی ہے کہ درسِ حدیث میں معطر ہو کر آئے، امام مالکؒ کی عادت یہ تھی کہ ان سے اگر کوئی فقہ کا مسئلہ پوچھتا تو وہیں بتلا دیتے اور اگر کوئی حدیث پوچھتا تو تشریف لے جاتے، غسل کرتے اور عطر لگا کر وقار کے ساتھ آتے، اور مسند حدیث پر بیٹھ کر پھر حدیث بتلاتے، یہ ادب عظمت ومحبت کی دلیل ہے(۱)۔ ان کی عظمتِ حدیث کا تو یہ حال تھا کہ ایک دفعہ حدیث کا درس دے رہے تھے، درمیان میں کئی دفعہ آپ کا چہرہ متغیر ہوتا رہا، رنگ بدلتا رہا، لیکن آپ نے کوئی حرکت نہ کی، درس ختم ہو جانے کے بعد تلامذہ نے پوچھا کہ حضرت کیا بات تھی؟ تو فرمایا کہ عمامہ میں بچھو گھس گیا تھا اس نے سولہ دفعہ ڈنک مارا، اس وجہ سے رنگ بدلتا رہا؛ مگر کوئی حرکت نہ کی، یہ عظمتِ حدیث کی بنیاد پر تھا(۲)۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع حدیث کی بھی عظمت ہو، جیسے اساتذہ، کتابیں، درسگاہیں وغیرہ کی بھی عظمت ہو۔

(۴) ایک ادب یہ بھی ہے کہ درسِ حدیث میں جب دیگر ائمہ کے مسالک کا رد ہو، ان کے اعتراض کا جواب ہو تو ذرہ برابر بھی ان کی تنقیص دل میں نہ ہو، بل کہ اس کا شائبہ بھی دل میں نہ گزرے، ائمۂ مجتہدین تمام ہیں، بہر حال وہ اپنی جگہ پر ایک مرتبہ رکھتے ہیں، ہر ایک کا مقام ہے، اس وجہ سے تنقیص نہ ہو۔ اس کے علاوہ دورانِ درس اگر ویسے کلمات آجائیں جو ذرا شائستگی سے دور ہوں، بعض مرتبہ صراحۃً ذکر کرنا پڑتا ہے، اس کے بغیر مطلب سمجھنا دشوار ہوتا ہے یا دوسری زبان میں اس مفہوم کو ادا

---

(۱) ترتیب المدارک وتقریب المسالک للقاضی عیاض: ۴۵

(۲) ترتیب المدارک وتقریب المسالک للقاضی عیاض: ۴۵

کرنے کے لیے عرف میں کوئی شائستہ تعبیر نہ ہو، تو اس پر استہزاء اور قہقہہ نہ ہو، یہ سوئے ادبی اور عظمتِ حدیث کے خلاف ہے۔

(۵) ایک ادب یہ بھی ہے کہ درس میں نیند نہ نکالے، مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی درس حدیث میں نیند نکالتا ہوتو محرومی اس کے حق میں یقینی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بھی کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض وعدمِ توجہی کی علامت ہے اور اس سے محرومی یقینی ہے۔ بے توجہی تو بالکل ناقابلِ برداشت ہے، امام مہدیؒ کا ذکر ابھی ہوا کہ وہ کسی کی بے توجہی دیکھتے تو فوراً اٹھ کر چلے جاتے، اور توجہ کے برکات وثمرات بھی ظاہر ہوتے ہیں، صحابۂ کرامؓ کی توجہ کا عالم دربار رسالت میں یہ تھا کہ وہ اس طرح بیٹھتے کہ اگر ان پر چادر ڈال دی جاتی تو جھول نہ پڑتا۔ یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ امام مالکؒ کی درس گاہ میں ایک مرتبہ درس ہو رہا تھا، دیگر تلامذہ کے ساتھ یہ بھی درس میں شریک تھے، اتفاق سے شور ہوا کہ ہاتھی آیا، ہاتھی آیا، عرب میں چوں کہ ہاتھی نہیں ہوتا، اس لیے یہ ان کے لیے بہت قابلِ تعجب جانور ہے، تلامذہ بھی درس گاہ چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے، صرف یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ بیٹھے رہے، امام مالکؒ نے پوچھا کہ تم کیوں نہیں گئے؟ جاؤ چلے جاؤ اور دیکھ کر آؤ، انہوں نے جواب دیا کہ میں اندلس سے یہاں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، امام مالکؒ نے فرمایا کہ تب تو تم بڑے عقل مند ہو(۱)، اسی توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ موطا امام مالک کے بہت سے نسخے ہیں؛ مگر ان میں یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ کا جو نسخہ مقبول ہوا وہ قبولیت کسی کو حاصل نہیں، آج کل ان ہی کا نسخہ داخل درس ہے۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۰/ ۵۲۱، ط مؤسسۃ الرسالۃ

(٦) آخر میں ایک ادب اور ذکر کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حاضری کی پابندی ہو، غیر حاضری کبھی نہ ہو، اکابر کی پابندیٔ اسباق کے واقعات اور اس کے ثمرات مشہور ہیں، ہمارے استاذ مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ پورے حدیث کے اسباق میں میری صرف دو غیر حاضری ہوئی (١)۔ یہ چند آداب ہیں جو ایک طالب حدیث کے لیے ضروری ہیں۔

مبادیاتِ عشرہ:

یہ امورِ مستحبہ کا بیان ہو رہا تھا اس کے بعد چند امورِ واجبہ ہیں جن کا جاننا بھی ضروری ہے، ان میں مبادیٔ عشرہ کے علاوہ دوسرے چند امور بھی داخل ہیں جیسے پہلے گزرا۔ گو ان امور پر کوئی "لَـوْلَاهُ لَا امْتَنَـعَ" کے درجہ کا توقف نہیں، تاہم ان سے مضامینِ مقصودہ کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے اور تا کہ فن کا حصول بغتۃً نہ ہو، اس وجہ سے بھی جاننا ضروری ہے، مبادیٔ عشرہ کو ابن الانباریؒ (٢) نے اپنے اشعار میں جمع کیا ہے ۔

إِنَّ مَبَادِيَ كُلِّ فَنٍّ عَشَـرَةٌ   الْحَـدُّ وَالْمَـوْضُوْعُ ثُمَّ الثَّمَـرَةُ

---

(١) خود ہمارے استاذ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب "متعنا الله بطول حياته" کی پابندیٔ اسباق کا یہ حال ہے کہ پوری طالب علمی کی زندگی میں ایک بھی غیر حاضری نہ ہوئی، اسی کا نتیجہ ظاہر ہے۔ از تلامذۂ حضرت صاحبِ افادات مدظلہٗ

(٢) یہ اشعار "نزهة الطرف شرح بناء الأفعال في علم الصرف" اور "اللآلي السنية في مبادي علوم الشرعيه" وغیرہ کتب میں شرح الاشمونی علی الفیہ ابن مالک کے محشی ابوالعرفان محمد بن علی الصبان متوفی ١٢٠٦ھ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

وَفَضْلُهُ وَ نِسْبَةٌ وَالْوَاضِعُ وَالْاسْمُ الاسْتِمْدَادُ حُكْمُ الشَّارِع
مَسَائِلٌ وَالْبَعْضُ بِالْبَعْضِ اكْتَفٰى وَمَنْ درى الْجَمِيعَ حَازَ الشَّرَفَا (۱،۲)

سب سے پہلے تعریف ہے، اس کا جاننا اس وجہ سے ضروری ہے کہ فن کا حصول بغتۃً نہ ہو۔ موضوع کا جاننا اس وجہ سے ضروری ہے کہ دوفنوں کے درمیان تمیز دی جاسکے۔ غرض کا علم اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ طلبِ عبث لازم نہ آئے، اس کے ساتھ فن کے اسامی اور وجوہ تسمیہ بھی جاننا ضروری ہے۔ پھر استمداد پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ”**استمداد في التدوين** اور **استمداد في التفهيم**“ اس کے بعد حکمِ شارع کا علم بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ ہم ہر کام میں شریعت کے مکلّف ہیں تو اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہے فضیلت اس کا علم اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس سے فن کے حصول میں ترغیب ہوتی ہے، پھر فضائل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں: عقلیہ ونقلیہ۔ اس طرح فضائل کبھی عامہ ہوتے ہیں اور کبھی خاصہ، عامہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلقاً جمیع علوم کے فضائل ہوں اور خاصہ کا مطلب یہ

---

(۱) فتح المتعال على القصيدة المسماة بلامية الأفعال: ص١٦، تكملة زبدة الحديث في فقه المواريث: ص٦

(۲) علامہ شامیؒ نے ابن ذکریٰ کی تحصیل المقاصد کے حوالے سے اِن اشعار کو بایں الفاظ بھی نقل کیا ہے:

فأول الأبواب في المبادي و تلك عشرة علي المراد
الحد والموضوع ثم الواضع والاسم و استمداد حكم الشارع
تصور المسائل الفضيلة و نسبة فائدة جليلة

(شامی: ۱/ ۱۱۷، ط: زکریا بکڈپو دیوبند)

ہے کہ خاص کر اس علم کے فضائل جس کی تحصیل پیشِ نظر ہے، اس کے بعد ہے نسبت، یعنی یہ معلوم کیا جائے کہ یہ فن کیسا ہے، علومِ عالیہ میں سے ہے یا آلیہ میں سے، مقصودہ میں سے ہے یا غیر مقصودہ میں سے، معقول ہے یا منقول، اس کا مرتبہ مقدم ہے یا مؤخر وغیرہ۔ اس کے بعد ہے واضع، پھر ایک ہے واضعِ فن اور ایک ہے واضعِ کتاب، اس کا ذکر ہوگا۔ کتاب میں متن وشرح دونوں ہوں تو ماتن وشارح کا تعارف وترجمہ، ساتھ ہی مصنف کا تعارف وغیرہ ہوگا، اور آخر میں مسائل مذکور ہوں گے کہ اس کتاب وفن میں کیا مسائل ہیں، یہ مبادئ عشرہ کا خلاصہ ہے، اب آئندہ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) تعریف علم حدیث:

اس کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، علامہ بدر الدین عینیؒ اور علامہ کرمانیؒ نے ایک تعریف کی ہے، بدرالدین عینی شارح بخاری ہیں، ان کی شرح کا نام عمدۃ القاری ہے، حدیث میں جب بھی عینی کا حوالہ ہو تو مراد ان کی عمدۃ القاری ہے، اسی سے مشہور ہے۔ ان کی اس کے علاوہ اور بھی دو کتابیں ہیں جو عینی سے مشہور ہیں، ایک ہدایہ کی شرح ہے اور دوسری ''کنز الدقائق'' کی شرح ہے، یہ حنفی المسلک ہیں، ''عمدۃ القاری'' بڑی مبسوط ومشہور ہے، یہ حافظ ابن حجرؒ کے ہم عصر ہیں اور دونوں ایک ہی درس گاہ کے طالب علم ہیں۔ علامہ کرمانیؒ نے بھی بخاری کی شرح لکھی ہے۔ تو ان حضرات نے اپنی ان شرحوں میں یہ تعریف علم الحدیث کی کی کہ ''**هو علم يعرف به أقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأفعاله، وأحواله**''

یہی تعریف حضرات محدثین نے کی ہے جو عینی و کرمانی کی طرف منسوب ہے۔(۱) اس تعریف پر علامہ سیوطیؒ نے اعتراض کیا ہے(۲) کہ یہ تعریف تو علم حدیث کی ہے اور علم حدیث تو ایک کلی ہے جو بہت سے علوم پر مشتمل ہے: روایت، درایت، شانِ ورود، اسناد، معرفۃ الناس، رموز حدیث وغیرہ کئی چیزوں سے اس میں بحث ہوتی ہے۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم میں ہے کہ علمِ حدیث ۵۲/علوم پر مشتمل ہے (۳)۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ۹۳/علوم کا نام علم حدیث ہے(۴)۔ سراج بن ملقنؒ تو لکھتے ہیں کہ دوسو چیزوں کا نام علم حدیث ہے(۵)، تو روایت حدیث تو ایک جزئی ہے تو تعریف صرف اسی کی کرنی چاہیے جب کہ یہ تعریف علم استنباط حدیث کو بھی شامل ہے، گویا مانعیت کا اعتراض ہے۔

---

(۱) کرمانی: ۱/۱۲، ط. دار احیاء التراث العربی، عمدۃ القاری: ۱/۱۱، ط. دار احیاء التراث العربی

(۲) قال السيوطي في التدريب: ۱ / ۴۱: هذا الحد مع شموله لعلم الاستنباط غير محرر. انتهى!

(۳) معرفۃ علوم الحدیث: ۳۴۰ (۴) تدریب الراوی: ۲/۳۹۹

(۵) امام ابوعمرو بن صلاحؒ اور ان کی اتباع میں امام نوویؒ نے پینسٹھ انواع بیان کی ہیں جن پر اضافہ کر کے علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ترانوے انواع بیان فرمائی ہیں۔ امام ابن ملقنؒ اَسّی سے زائد فرما رہے ہیں جس پر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ سو سے زائد ہیں، اس لیے ابن الملقنؒ کے حوالے سے مذکورہ بالا کلام درست نہیں، تذکرۂ ابن ملقن فی علوم الحدیث میں ہے: وأنواعه زائدة على الثمانين جس کی شرح التوضیح الابہر: ۳۵ پر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: بل على المائة. اھ۔ نیز مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ نے امداد الباری: ۱/۳۰ پر جو تحریر فرمایا ہے کہ امام ابوعبداللہ الحاکمؒ نے علوم الحدیث میں پچاس انواع بیان کی ہیں وہ درست نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے باوَن انواع ذکر فرمائی ہیں، الا یہ کہ انہوں نے کسر کا اعتبار نہ کیا ہو۔ (دیکھیے معرفۃ علوم الحدیث: ۳۴۰) اسماعیل عفا اللہ عنہ

(۲) دوسری تعریف علامہ ابن الاکفانیؒ نے اپنی کتاب ''إرشاد القاصد إلی أسنی المطالب'' میں کی ہے، انہوں نے علم حدیث کی دو قسمیں بیان کیں: علم حدیث روایۃً اور علم حدیث درایۃً، پھر انہوں نے دونوں کی تعریف کی۔ اس میں روایت حدیث کی تعریف یہ کی ''هو علم یشتمل علی أقوال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، وأفعاله، وروایتها، وضبطها، و تحریر ألفاظها'' (۱) اور درایت حدیث کی تعریف یوں کی کہ ''هو علم یعرف منه حقیقة الروایة، وشروطها، وأنواعها، وأحکامها، وحال الرواة وشروطهم، و أصناف المرویات و ما یتعلق بها'' ۔(۲) احکام کا مطلب یہ ہے کہ یہ مردود ہے یا مقبول وغیرہ۔ انواع سے مراد مرسل، مرفوع، موقوف، مقطوع وغیرہ۔ حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت جس مروی عنہ سے منقول ہے اس کی تحقیق کی جائے اور اس کی طرف اسے منسوب کیا جائے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور صحابی سے ہو تو صحابی کی طرف۔ درایت سے مراد اصول حدیث ہے، ابن الاکفانیؒ کی اس تقسیم سے علامہ سیوطیؒ کے اعتراض کی تائید ہوتی ہے۔

(۳) بعض حضرات نے ایک تیسری تعریف کی اور وہ یہ کہ ''هو علم یعرف به درجة الروایة'' یہ معلوم ہو کہ روایت کا درجہ کیا ہے، آیا حسن کا درجہ ہے یا صحیح کا یا یہ ضعیف ہے وغیرہ۔ اس تعریف پر یہ اشکال ہے کہ حدیث کا درجہ تو علل حدیث میں

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/ ۴۰، ط. دار الکتب الحدیثۃ (۲) تدریب الراوی: ۱/ ۴۰، ط. دار الکتب الحدیثۃ

(۳) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۲۴، مکتبۃ الشیخ کراچی

معلوم ہوتا ہے اور یہ تو روایت حدیث ہے؛ البتہ امام ترمذیؒ نے چوں کہ حدیث کا درجہ بیان کیا ہے کہ وہ علل حدیث میں ہے تو اس کی کوئی روایت مشکاۃ میں ہو تب تو ٹھیک ہے کہ درجہ بیان ہو کہ وہ خود ترمذی میں بھی ہے؛ مگر دوسری کتابوں کی روایت میں کیا ہوگا، غرض کہ یہ تعریف علل حدیث کو بھی شامل ہونے کی وجہ سے مانع نہیں۔

(۴) چوتھی تعریف جو ملا کاتب چلپیؒ نے کی ہے وہ یہ ہے ''هو علم يعرف به أقوال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأفعاله، وأحواله كذا في الفوائد الخاقانية، و هو ينقسم إلى العلم برواية الحديث، و هو علم يبحث فيه عن كيفية اتصال الأحاديث بالرسول عليه الصلاة والسلام، من حيث أحوال رواتها ضبطا و عدالة، و من حيث كيفية السند اتصالا وانقطاعا، و قد اشتهر بأصول الحديث''۔ انہوں نے پہلی تعریف پر حیثیت کی قید بڑھادی ہے،(۱) مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھی ''أوجز المسالک'' میں اس سے ملتی جلتی ہی تعریف کی ہے اور پھر فرمایا: هذا أوجه عندي ، یہ میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ ان کی تعریف یہ ہے کہ ''هو علم يبحث فيه عن أقوال النبي صلى الله عليه وسلم، و أفعاله، و أحواله من حيث كيفية السند اتصالا و انقطاعا وغير ذالک''(۲)۔

---

(۱) کشف الظنون: ۱/ ۶۳۵

(۲)(قلت ثم رجع الشيخ عن هذا و قال: ثم ظهر لي أن الأوجه في حده: علم يعرف به أحواله صلى الله عليه وسلم قولا، و فعلا، و تقريرا، و صفة. أوجز: ۱/ ۵۴، ۵۵

إسماعيل عفى عنه

(۵) پانچویں تعریف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کی ہے(۱)، یہ شخص شوافع کا زبردست وکیل ہے، ان کی شرح فتح الباری کی وجہ سے علمائے حدیث پر ان کا بڑا احسان ہے، ''فتح الباری'' لکھ کر انہوں نے بخاری کا حق ادا کر دیا ہے تو انہوں نے یہ تعریف کی ''**هو معرفة القواعد المعرفة بحال الراوي والمروي**''(۲) مروی سے مراد روایت ہے، راوی و روایت کے حالات جاننا، اس پر اشکال یہ ہے کہ ان کا پتہ تو درایتِ حدیث میں ہوتا ہے گویا اس پر بھی مانعیت کا نقض وارد ہے۔

(٦) یہ چھٹی تعریف فقہا کی طرف منسوب ہے(۳)، یہ پہلی تعریف سے ملتی ہے، صرف ایک لفظ کا فرق ہے، انہوں نے یوں تعریف کی ''**هو علم يعرف به أقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأفعاله، وتقريراته**'' انہوں نے احوال کی جگہ تقریر کا لفظ لگایا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محدثین کے پیش نظر تو صرف ہر اس چیز کو جمع کرنا ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نہ کوئی حال ثابت ہوتا ہو،

---

(۱) یہ تعریف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''النكت على كتاب ابن الصلاح : ۱/ ۲۲۵ '' میں کی ہے، ''نکت'' کے الفاظ ہیں: **معرفة القواعد التي يتوصل بها إلى معرفة حال الراوي والمروي**، یہ دراصل اصولِ حدیث کی تعریف ہے اور حافظ صاحب کا مقصود اصولِ حدیث ہی کی تعریف کرنا ہے، اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے ابن الصلاح کی کتاب ''علوم الحدیث'' میں موجود تعریف کے مقابلہ میں اپنی یہ تعریف ''**أولى التعاريف لعلم الحديث**'' کہہ کر ذکر فرمائی ہے اور حقیقت میں علما نے اس کو اصولِ حدیث کی سب سے بہتر تعریف قرار دیا ہے۔

(۲) علامہ سیوطیؒ نے ان الفاظ کو ذکر کیا ہے؛ مگر حافظ صاحبؒ نے ''النکت'' میں مذکورہ بالا الفاظ ذکر کیے ہیں۔ تدریب الراوی: ۱/ ۴۱، ط. دار الکتب الحدیثہ

(۳) درس ترمذی: ۱/ ۱۸، ط. دار الکتاب دیوبند

رفتار، گفتار، اٹھنا بیٹھنا وغیرہ کوئی بھی بات ثابت ہوتی ہو اسے وہ حدیث کہہ کر لے لیں گے، جب کہ فقہا کا کام مسائل کا استنباط ہے تو وہ ایسی احادیث لیتے ہیں جس سے کوئی مسئلہ ثابت ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے تقریر کہا اور محدثین نے احوال؛ کیوں کہ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی صحابی کوئی قول یا کوئی فعل کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نکیر نہ فرمائیں، یہ تقریر ہے، اس سے بھی مسئلہ ثابت ہوتا ہے، اس وجہ سے فقہا نے اسے اختیار کیا، تو محدثین کا کام صرف احادیث کو جمع کرنا ہے اور فقہا کا کام احادیث سے استنباط کرنا ہے (۱)۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ منکرینِ حدیث کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو بالکل حدیث کا انکار کرتے ہیں، مطلقاً الفاظ و معانی کے منکر ہیں، اور دوسرے وہ جو الفاظ کے تو قائل ہیں؛ مگر معانی کے منکر ہیں، انہیں کو اصحابِ ظواہر کہتے ہیں، یہ لوگ فقط ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اول قسم کے مقابلہ میں محدثین کی جماعت کھڑی ہوئی اور اس نے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لے لیا، اور ثانی کے مقابلہ میں فقہا کی جماعت کھڑی ہوئی جس نے الفاظ کے ساتھ معانی کی بھی حفاظت کی، اور مسائل کا استنباط کر کے اس کے صحیح معنی بیان کیے تو اس وجہ سے فقہا نے تقریر کا لفظ لگا دیا۔

(۷) بعض حضرات نے اس کی ایک اور تعریف کی **"هو علم يعرف به شرح أحاديث النبي صلى الله عليه وسلم"** (۲) لیکن اس تعریف پر دو اعتراض ہیں:

---

(۱) نوادر الحدیث: ۶۷

(۲) تقریر حضرت شیخ: ۱/۲۴، امداد الباری: ۱/۲۳

ایک تو یہ کہ احادیث کی جو کتابیں ہیں ان میں کہیں بھی حدیث کی شرح نہیں ہوتی؛ حالاں کہ وہ بھی حدیث کی کتابیں ہیں تو پھر یہ تعریف کہاں صحیح ہوئی، وہ کتابیں تو اس میں داخل نہیں ہوئیں، گویا جامعیت کا اعتراض ہے۔ اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بعض مرتبہ راوی کہیں کہیں شرح کرتا ہے، جیسے کتاب الصوم میں حدیث کے لفظ "الفراع" کی شرح "المكتل" سے کی۔(۱) بخاری شریف میں شروع ہی میں حدیث ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں غار میں جا کر عبادت کرتے تھے، تو حدیث میں لفظ ہے "يتحنث" کا(۲)، ابن شہابؒ نے اس کی شرح کی ہے "يتعبد" کے لفظ سے، تو یہ شرح جو ہوتی ہے وہ بھی حدیث ہے، یہ جواب اس وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی شرح تو بہت کم ہوتی ہے، واقعۃً یہ کوئی شرح نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شرح تو نہیں ہوتی؛ مگر کتاب میں عنوان ایسا لگایا جاتا ہے کہ اس سے شرح ہو جاتی ہے؛ مگر یہ جواب بھی تسلیم نہیں، کیوں کہ ابواب اگر شارحہ ہوتے تو پھر تمام کتب حدیث میں ابواب ہونے چاہیے، حالاں کہ مسلم شریف میں عنوان نہیں، فی الحال جو موجود ہیں وہ تو بعد میں امام نوویؒ وغیرہ کے لگائے ہوئے ہیں جب کہ وہ بھی حدیث کی کتاب ہے(۳)۔

---

(۱) بخاری شریف: الرقم: ۱۹۳۶ (۲) بخاری شریف: حدیث نمبر ۳

(۳) نیز ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ تعریف مانع نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تعریف تو علمِ درایتِ حدیث کی ہے، علمِ درایتِ حدیث کی ایک تعریف ابن الاکفانی کے حوالے سے پیچھے گزر چکی ہے، دوسری تعریف صاحبِ کشف الظنون نے بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے: هو علم باحث عن المعنى المفهوم من ألفاظ الحديث، وعن المراد منها مبنيا على قواعد العربية، و ضوابط الشريعة، و مطابقا لأحوال النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم۔ (کشف الظنون: ۱/ ۶۳۵)

(۸) اس کی ایک آٹھویں تعریف کی گئی ہے، یہ تعریف متعدد علما نے کی ہے۔ علامہ عزالدین ابن جماعۃؒ نے اپنی ''کتاب الاصول'' میں (۱)، علامہ ابوعبداللہ محمد زرقانیؒ نے شرح بیقونیہ میں اور علامہ سیوطیؒ نے ''الفیہ'' میں یہ تعریف کی ہے ''هو علم بقوانين يعرف بها أحوال السند والمتن من صحة وحسن'' یہ تعریف اول دو حضرات کی ہے (۲)، سیوطیؒ کی تعریف اس سے قریب ہے جو اشعار میں ہے (۳)، اشعار یہ ہیں ؎

عِلْمُ الْحَدِيْثِ: ذُوْ قَوَانِيْنَ تُحَدُّ

يُدْرٰى بِهَا أَحْوَالُ مَتْنٍ وَ سَنَدُ

فَذَانِكَ الْمَوْضُوْعُ ، وَ الْمَقْصُوْدُ

أَنْ يُعْرَفَ الْمَقْبُوْلُ وَ الْمَرْدُوْدُ

(الفیہ متقدمین میں بہت سوں کی کتابیں ہیں: الفیۂ عراقی، الفیہ ابن مالک، الفیۂ سیوطی، جو بھی کتاب ہزار اشعار پر مشتمل ہو وہ ''الفیہ'' کہلاتی ہے۔ الفیہ ابن مالک نحو میں ہے، سیوطی کی الفیہ اصول حدیث میں ہے، الفیۂ عراقی بھی اصولِ حدیث میں ہے) ان حضرات کی یہ تعریف بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیوں کہ الاصول،

---

(۱) علامہ عزالدین ابن جماعہ کے الفاظ یہ ہیں: علم بقوانين يعرف بها أحوال السند والمتن. (تدریب الراوی: ۱/۴۱)، مذکورۂ بالا الفاظ شرح بیقونیہ کے ہیں، دیکھئے اوجز المسالک: ۱/۵۳

(۲) تدریب الراوی: ۱/۴۱، اوجز: ۱/۵۳

(۳) الفیۃ السیوطی: ۲، ط. دار المعرفۃ بیروت

بیقونیہ اور الفیہ تینوں اصول حدیث میں ہے، تو یہ تعریف درایت حدیث کی ہوئی نہ کہ روایت حدیث کی۔

(۹) ایک تعریف علامہ اجہوریؒ نے شرح بیقونیہ میں کی ہے، وہ یہ ہے ”علم الحديث ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم، قيل: أو إلى صحابي، أو إلى من دونه قولاً، أو فعلاً، أو تقريرًا، أو صفةً“ (۱) مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ نے اس تعریف کے متعلق فرمایا: هذا أوضح عندي۔

(۱۰) ایک دسویں تعریف اور کی گئی ہے، وہ یہ ہے ”هو علم يعرف به أقوال النبي صلى الله عليه وسلم، وأفعاله، وأحواله، وكذا الصحابة، والتابعين“ (۲) اس میں افعال کا لفظ بھی ہے۔ اس تعریف کے مطابق نو چیزوں کا نام حدیث ہوا، یہ تعریف تمام تعریفات کو جامع ہے، اس پر یہ اشکال ہے کہ متعلقاتِ صحابہ وتابعین حدیث کا جز ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو پھر دوسری تعریفات میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ تعریفات جامع نہیں، اور اگر جز نہیں تو پھر احادیث کی کتب میں ان کا کثرت سے ذکر کیوں ہے؟ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق میں مرفوع احادیث سے زیادہ اقوال صحابہ وتابعین ہیں، یہ ایک مستقل بحث ہے کہ اقوال صحابہ وتابعین حدیث کا جز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حدیث کا جز ہے، امام ابوزرعہ رازیؒ کی تعریف میں وہ لکھتے ہیں کہ انہیں سات لاکھ احادیث یاد ہیں حالاں کہ اس وقت اتنی

(۱) اوجز: ۱/۵۴ (۲) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۲۴

احادیث نہ تھیں، اسی وجہ سے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ ان کو احادیث وآثار صحابہ وتابعین یاد تھے۔ (۱) معلوم ہوا کہ امام احمدؒ آثارِ صحابہ کو بھی حدیث کہتے ہیں، امام طحاویؒ کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' میں بھی آثارِ صحابہ ہیں، حالاں کہ وہ بھی حدیث کی کتاب ہے، اور ظاہر بھی ہے کہ حضراتِ صحابہؓ سے جھوٹ کا احتمال نہیں، اس لیے کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ: ''**الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ**''، اس وجہ سے اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے بغیر کوئی بات کہیں تو وہ معتبر ہے۔ احمد بن محمد بابلیؒ نے ''**التحريرات البابلية على الرسالة الدلجية**''

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۵۰ پر ابو عبداللہ بن وارہ سے منقول ہے: كنت عند إسحاق بن إبراهيم بنيسابور، فقال رجل من أهل العراق: سمعت أحمد بن حنبل يقول: صح من الحديث سبع مائة ألف و كسر، و هذا الفتى يعني أبا زرعة قد حفظ سبع مائة ألف. قال البيهقي أراد ما صح من الأحاديث، و أقوال الصحابة، والتابعين ۔ شیخ طاہر جزائریؒ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے؛ مگر کتاب المدخل إلى الإكليل للحاكم: ص ۳۵، تهذيب التهذيب: ۷/۳۰، تهذيب الكمال: ۱۹/۹۷، سير أعلام النبلاء: ۱۳/۶۹، مغاني الأخيار: ۳/۳۲۰، المقصد الأرشد: ۲/۷۰، صفة الصفوة: ۸/۸۸، طبقات الحنابلة: ۱/۱۹۸، الأنساب للسمعاني: ۳/۲۴، تاريخ بغداد: ۱۰/۳۳۳، تلقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزي: ۲۶۲ وغیرہ کے مصنفین نے ابو عبداللہ محمد بن مسلم بن وارہ سے ''قد حفظ ست مائة ألف حديث'' ہی نقل کیا ہے، معلوم ہوا کہ تدریب الراوی میں یا تو تصحیف واقع ہوئی ہے یا یہ ان کا تسامح ہے۔ اسی طرح شیخ جزائری کا بھی یہ تسامح ہے کیوں کہ انہوں نے بغیر تحقیق اسے نقل کر دیا؛ البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ''كان أبو زرعة يحفظ سبع مائة ألف حديث'' جو محمد بن عمر رازی سے منقول ہے وہ تدریب اور توجیہ النظر کے علاوہ اور بھی کتابوں میں موجود ہے، یہاں تحقیق امام احمد بن حنبلؒ کے مقولے کے باب میں ہو رہی ہے۔ اسماعیل عفی عنہ

میں اور بعض علمائے متاخرین نے لکھا ہے کہ آثارِ صحابہ حدیث کا جز نہیں (۱)، ان کے مسلک پر یہ اعتراض ہوگا کہ پھر ''مصنف عبدالرزاق'' وغیرہ کا کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کیوں کہ اصالۃً حدیث مذکور ہے اور ضمناً آثار، تو اصالۃً مذکور ہونے کی وجہ سے انہیں حدیث کی کتاب کہتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ آثارِ صحابہ حدیث کا جز ہے، کیوں کہ مرفوع کی دو قسمیں ہیں: مرفوعِ صریحی و مرفوعِ ضمنی، وہ حدیث جس میں صراحۃً صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قول نقل کرے وہ حدیث مرفوعِ صریحی و حقیقی ہے، اور وہ حدیث جو صحابی سے منقول ہو اور مدرک بالقیاس نہ ہو وہ بھی ملحق بالحدیث ہے، اسے مرفوعِ ضمنی و حکمی کہتے ہیں (۲)۔ یہ اس کی تعریفات کا ذکر ہوا، میرے نزدیک ان میں سے آخری دسویں تعریف زیادہ واضح و راجح ہے، اس کے بعد علم حدیث کا موضوع ہے۔ (۳)

---

(۱) وقال أحمد بن محمد البابلي في التحريرات البابلية على الرسالة الدلجية: وبعضهم أدخل في الحد ما ورد عن صحابي، أو تابعي، و ليس بصحيح. انتهى! (الحطة في ذكر الصحاح الستة: ص ۴۰)

(۲) مقدمۂ شیخ عبدالحق مع مشکاۃ: ۱۵، ط. المکتبۃ الیوسفیہ دیوبند

(۳) علامہ سخاویؒ نے ایک اور تعریف فرمائی ہے، وہ یہ ہے: الحديث لغة ضد القديم، واصطلاحا ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم قولا له، أو فعلا، أو تقريرا، أو صفة، حتى الحركات والسكنات، في اليقظة والمنام. (فتح المغيث: ۱/ ۲۱)

(۲) علمِ حدیث کا موضوع:

تعریف کی طرح اس میں بھی مختلف اقوال ہیں:

(۱) ایک موضوع علامہ کرمانیؒ نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے: "ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث إنه رسول الله" (۱)، موضوع ہمیشہ کسی نہ کسی قید وحیثیت سے مقید ومحیث ہوتا ہے، یہاں بھی نبوت ورسالت کی حیثیت ملحوظ ہے۔ اس موضوع کے بیان کرنے پر شیخ محی الدین کافی جیؒ نے اعتراض کیا ہے (۲)- کافی جی انہیں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہر وقت کافیہ میں مشغول رہتے تھے- وہ اعتراض یہ ہے کہ یہ موضوع تو علمِ طب کا ہے، کیوں کہ طب کا موضوع بھی بدن انسانی ہے اور اس علم کا موضوع بھی انہوں نے ذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتلایا، تو ایک ہی چیز دو فنوں کا موضوع کیسے بنی؟ یہ کافی جی علامہ سیوطیؒ کے استاذ ہیں، یہ اپنی کتاب میں اپنے استاذ کا یہ اشکال اور تعجب نقل کرتے ہیں؛ مگر انہوں نے اس تعجب کا کوئی جواب نہیں دیا، صرف اشکال نقل کر کے چلے گئے۔ مجھے علامہ سیوطیؒ کے اس طرز پر تعجب بالائے تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اول ہی یہ بات کہہ دی گئی کہ موضوع کسی حیثیت کے ساتھ مقید ہوتا ہے، اس میں بھی حیثیت کا فرق ہے، طب کا موضوع تو ہے "من حيث الصحة والسقم" جب کہ حدیث کا موضوع "من حيث الرسالة" ہے، غرض کہ دونوں جگہ الگ الگ حیثیت ملحوظ ہے۔ (۳) علامہ عدویؒ نے "لقط الدرر" میں اس پر

---

(۱) کرمانی: ۱/۱۲، عمدۃ القاری: ۱/۱۱ (۲) تدریب الراوی: ۱/۴۱، ط. دار الکتب الحدیثہ (۳) اوجز: ۱/۵۵

یہ اعتراض کیا کہ یہ موضوع تو مطلق حدیث کا ہے جو کہ ایک کلی ہے، اور یہاں تو گفتگو روایت حدیث سے ہو رہی ہے تو اس کا موضوع ہونا چاہیے: ''ذات النبي صلی اللّٰه علیه وسلم من حیث أقواله، و أفعاله، و تقریراته، و أوصافه''۔(۱)

(۲) دوسرا موضوع یہ بیان کیا گیا ہے: ''روایة حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم'' یہ کچھ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا موضوع یہ بیان کیا گیا ہے: ''أقوال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وأفعاله، وأحواله''۔(۲)

(۴) حافظ ابن حجرؒ نے ''هدي الساري'' میں ایک اور موضوع لکھا ہے اور وہ ہے ''المرویات و الروایات من حیث الاتصال و الانقطاع''مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اس کے متعلق ''الأوجه عندي'' فرمایا ہے، یہ ''أوجز المسالک'' میں ہے(۳)۔ یہ موضوع اصول حدیث کا تو ہوسکتا ہے روایت حدیث کا نہیں، کیوں کہ موضوع خود بھی روایت ہے تو موضوع اور موضوع لہ دونوں ایک ہوگئے، اس صورت میں تو اس کا موضوع الشیٔ بنفسہ ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

(۵) ذات النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، والصحابة، والتابعین. روایات النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، والصحابة، والتابعین(۴)، یہ

---

(۱)اوجز:۱/۵۵

(۲)ارشاد القاری از مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ:۱/۱۲، البتہ انہوں نے ''واُحوالہ'' کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

(۳)اوجز:۱/۵۵ (۴)تقریر بخاری حضرت شیخ:۱/۲۵

موضوع تعریف پر مبنی ہے، جس نے جو تعریف کی ویسا ہی اس نے موضوع بیان کیا، یہ موضوع کا بیان تھا، اب اس کے بعد غرض وغایت کا نمبر ہے۔

(۳) علمِ حدیث کی غرض وغایت:

غرض کہتے ہیں محرک الفعل کو اور غایت ثمرۃ الفعل کو، غرض کے پائے جانے سے غایت کا پایا جانا ضروری نہیں اور اس کا عکس ہے، دونوں میں اس اعتبار سے عموم مطلق کی نسبت ہے۔ غرض میں بھی متعدد اقوال ہیں:

(۱) **"معرفة كيفية اقتداء النبي صلي الله عليه وسلم"** یہ غرض متقدمین کی کتابوں میں نہیں ملتی؛ البتہ متاخرین کے یہاں ہے اور یہی مشکاۃ کے زیادہ مناسب ہے، چناں چہ مشکاۃ شریف کے دیباچے میں مذکور ہے: **أما بعد فإن التمسک بهديه لا يستتب إلا بالاقتفاء لما صدر من مشكاته** — یہ غرض استاذ الاساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ سے منقول ہے۔

(۲) دوسری غرض بیان کی گئی ہے **"معرفة أحوال النبي صلى الله عليه وسلم"**۔

(۳) مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے "تقریرِ بخاری" (۱) میں یہ غرض ذکر کی ہے۔ **"تحصيل الفضائل والدعاء"** جو فضائل اور دعائیں حدیث کی تعلیم وتعلم اور اس کے اشتغال کے باب میں وارد ہیں ان کو حاصل کرنا (۲)، جیسے حدیث میں ہے **"نضر الله امرأً سمع مقالتي"... الخ** (۳)، اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ اور سرسبز وشاداب رکھے جس نے میری بات سنی... الخ، یہ اور اس کے علاوہ فضائل میں

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۲۵ (۲) قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون: ۵۸ (۳) ترمذی شریف: ۲۶۵۸

کئی احادیث وارد ہیں تو ان کو حاصل کرنا یہ علم حدیث کی تحصیل کی غرض ہے۔ مذکورہ حدیث پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بہت سے مشغولین فی الحدیث ایسے ہیں کہ بظاہر ان میں کوئی نضارت نہیں تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نضارت سے مراد نضارتِ قلبی ہے اور جو لوگ واقعۃً حقیقی معنی میں علمِ حدیث میں مشغول ہیں انہیں وہ ضرور حاصل بھی ہے، طمانینتِ قلبی اور سکونِ اندروں انہیں حاصل ہے اور یہی نضارت ہے، گو دولت وثروت حاصل نہ ہو جو کہ ظاہری تعیش کا سامان ہے۔(۱)

(۴) چوتھا مقصد اور غرض یہ ہے **"التبیین والتشریح للقرآن العظیم"** علم حدیث کی تحصیل کی غرض یہ ہے کہ قرآن مجید کی وضاحت وشرح کی جائے، خود قرآن میں ہے **"لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"**(۲) دوسری جگہ ہے **"ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ"** (۳) تو احادیث خود ہی قرآن کا بیان اور اس کی شرح ہے، کیوں کہ قرآن کی کوئی مستقل شرح نازل نہیں ہوئی۔(۴)

(۵) ایک اور غرض مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے "تقریرِ بخاری" میں بیان کی ہے، اور وہ یہ ہے **"الاستلذاذ بکلام النبي صلی اللہ علیہ وسلم"** کلامِ نبوی ﷺ سے استلذاذ کی غرض سے اسے حاصل کرنا چاہیے، جب دنیا کے محبوبِ مجازی کے کلام میں استلذاذ ہوتا ہے تو محبوب رب العالمین کے کلام میں کیوں نہ ہوگا؟ لیکن محبت شرط ہے **"وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، اللّٰھم اجعلنا منھم"** آمین!(۵)

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۲۶ (۲) سورۃ النحل: آیت ۴۴ (۳) سورۃ القیامۃ: آیت ۱۹
(۴) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۲۶ (۵) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۲۷

(٦) ایک اور غرض شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے ''عجالۂ نافعہ'' میں بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ علمِ حدیث کو اس وجہ سے حاصل کیا جائے کہ اپنے میں شانِ صحابیت پیدا ہو، اصلاً بالکلیہ نہ سہی، نقلاً ہی سہی، وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں، کسی شاعر عربی نے کہا ہے ؎

أهل الحديث همو أهل النبي و إن

لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا (١)

(۷) بعضوں نے اس کی ساتویں غرض بیان کی اور وہ یہ ہے ''معرفة علم الفقه'' کہ احادیث کا علم اس وجہ سے حاصل کیا جائے تا کہ فقہ کی معرفت حاصل ہو، فقہ چوں کہ قرآن وحدیث کا خلاصہ ہے اس لیے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر لوگوں نے یہ غرض بیان کی۔

(۸) بعض لوگوں نے ایک اور غرض بیان کی اور وہ ہے ''الفوز بسعادة الدارين'' دارین کی کامیابی حاصل کر کے اس کی شقاوت سے بچنا، (۲) یہ ویسے تمام علوم کی غرض ہے، درحقیقت یہ غرض نہیں بل کہ غایت ہے، نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر ہے، غرض اور غایت کا فرق اوپر گزر چکا، حاصل یہ کہ اسے غرض نہیں بل کہ غایت کہیے؛ کیوں کہ حدیث کی تحصیل سے کوئی بھی غرض ہو، نتیجہ تو یہی رہے گا اور ثمرہ تو اس کا یہی ظاہر ہوگا کہ اسے دارین کی سعادت اس کی وجہ سے نصیب ہوگی۔

---

(۱) عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ: ص۲

(۲) شرح کرمانی: ۱۲، کشاف اصطلاحات الفنون: ۲۷، عمدۃ القاری: ۱/۱۱

(۹) بعض حضرات نے اس کی ایک اور غرض بیان کی "**معرفة أقسام السند، وأحكام الرواية**" اقسامِ سنت واحکامِ روایت کی معرفت حاصل کرنا، یہ غرض درایتِ حدیث کی تو ہوسکتی ہے؛ مگر روایتِ حدیث کی نہیں، کیوں کہ روایت میں اقسام واحکام سے بحث نہیں ہوتی (۱)۔

اب تک تین بحثیں ہوچکیں، تعریف، موضوع اور غرض۔ تعریف ایسی ہے کہ تقاضا کرتی ہے کہ اس فن میں غور وفکر اور تدبر سے کام لیا جائے، اس میں تدبر وتفکر کی ضرورت ہے، پھر اس کا موضوع خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اس سے موضوع اشرف ہو جاتا ہے اور شرافتِ موضوع فن کی شرافت پر دال ہے، اس سے فن میں شرافت پیدا ہوتی ہے، اور اس سے اس فن کی عظمت بڑھتی ہے اور پھر غرض بھی ایسی ہے کہ کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استلذاذ ہو تو اتنی ساری چیزیں ہوں کہ انسان فکر وتدبر سے کام لے، اور پھر فن کی شرافت کی وجہ سے قلب میں اس کی عظمت بھی ہو، اور استلذاذ بھی ہو اور واقعتاً اسے یہ چیزیں حاصل ہوں اور پھر اس فن کو حاصل کرے تو سعادت دارین کی غایت وثمرہ کیوں نہ مرتب ہوگا؟ ضرور اسے اللہ تعالیٰ فلاحِ دارین سے سرفراز فرمائیں گے (۲)۔

---

(۱) صاحب کشف الظنون نے "التحلي بالآداب النبوية، والتخلي عما يكرهه و ينهاه" غرض بیان کی ہے۔ (کشف الظنون: ۱/ ۶۳۵)

(۲) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے ہیں: علمِ حدیث کی تعریف کا خلاصہ تدبر ہے، اور موضوع کا خلاصہ عظمت، اور غرض وغایت کا خلاصہ لذت ہے، تو جب تم حدیث کو تدبر، عظمت اور محبت کے ساتھ پڑھو گے تو انشاء اللہ غایت مرتب ہوگی؛ ورنہ جیسی نیت ویسی برکت۔ (امداد الباری: ۱/ ۳۰ تقریر بخاری حضرت شیخ بتغییر یسیر: ۱/ ۲۸)

(۴) الاسم:

چوتھے نمبر پر فن کا نام ہے کہ اس فن کے اسامی کیا ہیں، اور ان کی وجوہِ تسمیہ کیا ہیں؟ اس فن کے کتبِ احادیث میں چار نام ملتے ہیں:

(۱) حدیث (۲) خبر (۳) سنت (۴) اثر

اسماء کا متعدد ہونا فن کی شرافت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ ”**کثرة الأسامي تدل على شرف المسمّى**“ یعنی تعدد اسامی دال ہے شرافت مسمّٰی پر،

(۱) تو سب سے اول نام اس کا حدیث ہے، اور حدیث اسے اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ قدیم کی ضد ہے(۱)، ایک تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، اس میں اللہ کا کلام قدیم ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے تمام لوگوں کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حادث ہے تو یہ چوں کہ اللہ کے کلامِ قدیم کے مقابلہ میں ہے اور قدیم کا مقابل حادث ہے، اس وجہ سے اس کا نام حدیث رکھا، گویا تقابل کی وجہ سے ہے (۲)۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام حدیث حداثت کی وجہ سے رکھا گیا ہے،

---

(۱) وأما الحديث فأصله ضد القديم، و قد استعمل في قليل الخبر و كثيره، لأنه يحدث شيئا فشيئا. تدريب الراوي: ۱/ ۴۲، المراد بالحديث في عرف الشرع ما يضاف إلى النبي صلى الله عليه وسلم، و كأنه أريد به مقابلة القرآن الكريم لأنه قديم.

(فتح الباری: ۱/ ۲۳۵، ط. دار الحدیث القاہرہ)

(۲) قال الشيخ فضيلة المفتى محمد تقى العثمانى حفظه الله: هذا بعيد.

(درسِ ترمذی: ۱/ ۱۹، ط. دار الکتاب)

یعنی اس کے حادث ہونے کی وجہ سے، خود اس کے فنا ہو جانے کی وجہ سے قطع نظر اس کے کہ تقابل کی وجہ سے اس کا نام حدیث رکھا۔(۱)

(۳) بعض نے ایک تیسری وجہ بیان کی کہ حدیث کے معنی آتے ہیں بات کے، گفتگو کے؛ چوں کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بات ہے، اس وجہ سے اس کا نام علم الحدیث رکھا(۲)۔

اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حدیث میں تو اقوال کے ساتھ افعال و احوال بھی داخل ہیں اور بات تو صرف قول ہے، پھر تمام کا نام حدیث کیوں رکھا فقط اقوال کا رکھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی نام رکھنے میں صرف ایک ہی جز کی رعایت کسی وجہ سے کر کے پورے کا نام رکھ دیتے ہیں، اس میں بھی اقوال کثرت سے ہیں اس وجہ سے تمام کا نام ہی اس کی رعایت کر کے حدیث رکھ دیا، یہ وجہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب نے بیان فرمائی ہے(۳)۔

(۴) ایک اور وجہ ہے اس کا حدیث نام رکھنے کی جسے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے "فتح الملهم شرح مسلم" میں بیان کی ہے۔(۴) وہ لکھتے ہیں "وَالَّذِيْ

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۲۸ (۲) نوادر الحدیث: ۶۳

(۳) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۲۸، الحديث بمعنى القول فهو من قبيل تسمية الشيء باسم جزئه الأعظم ۔(ارشاد القاری: ص ۱۳)، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے لیے اس نام کو خاص کر لینا "استعارة العام للخاص" کی قبیل سے ہے، اور اس استعارہ کا ماخذ "حدث عني و لا حرج" وغیرہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (درس ترمذی: ۱/ ۱۹)

(۴) فتح الملہم: ۱/ ۱۷، ط. دار القلم دمشق

یَـظْهَرُ لِلْعَبْدِ الضَّعِيفِ“ کہ یہ وجہ مجھ پر ہی ظاہر ہوئی، اور واقعتاً ہے بھی ایسا ہی کہ یہ وجہ متقدمین کی کتابوں میں نہیں ملتی، یہ وجہ قرآن کی اس آیت سے مقتبس ہے ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ“ یہ سورۂ ضحیٰ کی آخری آیت ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کردہ تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے ”اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَآوٰی“ میں ”الإِیْوَاءُ بَعْدَ الْیُتْم“ ”وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی“ میں ”الْهِدَایَةُ بَعْدَ الضَّلَالَةِ“ اور ”وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَأَغْنٰی“ میں ”الإِغْنَاءُ بَعْدَ الْعِیَالَةِ“ کو بیان فرمایا ہے۔ ان تین نعمتوں کو ذکر فرمانے کے بعد ان پر تفریع کرتے ہوئے شکراً للنعم تین کاموں کا حکم دیا: ”فأما الیتیم فلاتقهر، وأما السائل فلاتنهر، وأما بنعمة ربک فحدث“. آپ یتیم تھے تو ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا سو اس کے بدلے میں آپ بھی یتیموں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرو، اور اس پر غصہ وغضب نہ کرو، اس طرح سائل کو جھڑکنے کی نفی ہدایت بعد الضلالت پر متفرع ہے، اور تحدیث بالنعمۃ کا امر اغناء بعد الحاجۃ پر متفرع ہے کہ اس نعمت کو بیان کرو، یہ لف ونشر مرتب ہے؛ مگر اس صورت میں پچھلی دو آیتوں میں مناسبت نہیں ہو رہی ہے، اس وجہ سے مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ لف ونشر غیر مرتب ہی ٹھیک ہے، اور اس صورت میں ”فأما الیتیم الخ یہ ألم یجدک یتیمًا الخ“ پر متفرع ہے، اور ”ووجدک ضالا فهدی“ پر ”وأما بنعمة ربک“ کی تفریع ہے، اور ”ووجدک عائلا“ پر ”وأما السائل“ متفرع ہے۔ غرض کہ ہدایت کی نعمت کی تحدیث کا امر ہے، اور وہ ہدایت اسلامی تعلیمات ہیں کہ ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو ساری تفاصیل کا علم نہ تھا عبادات وغیرہ، تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس کی تفصیل بھی بتلادی، اسی کو اس سورت میں ہدایت سے تعبیر کیا، تو مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہی ہیں اور ان کی تحدیث کا امر ہے۔اور تحدیث میں خود حدیث کا مادہ موجود ہے، گویا قرآن نے خود اقوال کو حدیث کہا، یہ صراحۃً نہیں فقط اشارہ ہے، اس وجہ سے اس کا نام حدیث رکھا تو یہ آیت سے مقتبس ہے۔ یہ حدیث نام رکھنے کی وجوہات ہیں (۱)۔

اس کا دوسرا نام خبر ہے، خبر لغت میں کہتے ہیں "مَا یُنقَلُ" کو "یُقَالُ لَه الُخبر لِنَقْلِه" حدیث کو بھی نقل کیا جاتا ہے اس لیے اسے خبر کہتے ہیں۔اس میں اختلاف ہے کہ حدیث وخبر میں کوئی فرق ہے یا نہیں، (۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ کہتے ہیں کہ دونوں میں تساوی کی نسبت ہے (۲)۔ (۲) اس کے برخلاف بعض حضرات نے دونوں میں تباین کی نسبت بتلائی ہے، یہ قول شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مقدمۂ مشکاۃ میں نقل کیا ہے (۳)۔ وہ لکھتے ہیں کہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو حدیث ہے اور اخبارِ ملوک کو خبر کہتے ہیں، حدیث بیان کرنے والے کو محدث اور اخبار بیان کرنے والے کو اخباری کہتے ہیں، اس فرق کے مطابق خبر پر حدیث کا اطلاق نہ ہوگا؛ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ (۳) بعض حضرات نے عموم

---

(۱) حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ گرچہ لطیف ہے؛ لیکن نکتہ بعد الوقوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ (درسِ ترمذی: ۱/ ۱۹) (۲) توجیہ النظر: ۱/ ۴۰، تقریر بخاری حضرت شیخؒ: ۱/ ۲۹، نخبۃ الفکر مع شرحہ لملا علی قاری: ۱۵۳، مقدمۂ شیخ عبدالحق دہلویؒ: ۱۵

(۳) مقدمۂ شیخ عبدالحق: ۱۵، توجیہ النظر: ۴۰، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۱۵۴

خصوص مطلق کی نسبت بیان کی ہے، اس میں حدیث خاص اور خبر عام ہے، حدیث کا اطلاق صرف اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے جب کہ خبر کا اطلاق اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اخبارِ ملوک پر بھی ہوتا ہے(۱)۔ (۴) بعض نے دوسرے اعتبار سے اس میں عموم مطلق کی نسبت بیان کی ہے، وہ حدیث کے اقسام کے اعتبار سے ہے، اور وہ یہ کہ حدیث خاص ہے مرفوع کے ساتھ اور خبر کا اطلاق مرفوع، موقوف ومقطوع تینوں پر ہوتا ہے(۲)۔

تیسرا نام اس کا اثر ہے، لغت میں اثر کہتے ہیں ''بقية الشيء'' کو، یہ بھی چوں کہ کلام اللہ کے مقابلہ میں بقیہ ہے، اس لیے اس کا نام اثر رکھ دیا، یا اثر کے معنی نقل کے ہیں، کیوں کہ حدیث کو بھی نقل کیا جاتا ہے اس وجہ سے حدیث کا نام اثر رکھ دیا، یہ اس کی وجہ تسمیہ ہے(۳)۔ رہ جاتا ہے یہ سوال کہ حدیث واثر میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) صحیح قول کے مطابق دونوں میں تساوی کی نسبت ہے، اور اس کی تائید بھی ہوتی ہے اس بات سے کہ وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کی وجہ سے وہ مرفوع کا درجہ رکھتی ہیں تو ان دعاؤں کو ''الأدعية المأثورة'' ہی کہتے ہیں، معلوم ہوا حدیث ہی کا نام اثر ہے۔ امام طحاویؒ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مرفوع احادیث بھی ہیں تو اس کا نام انہوں نے ''شرح معاني الآثار'' رکھا ہے جب کہ احادیث مرفوع ہیں، طحاویؒ کی ہی ایک اور کتاب ہے ''مشكل الآثار'' اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۲۹، القول المبتکر: ۶۸، قرۃ العیون: ۵۶

(۲) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۲۹، شرح نخبہ: ۱۵۴ (۳) النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۵۱۳

"تھذیب الآثار" وغیرہ، ان کا بھی یہی حال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق ہوتا ہے(۱)۔ (۲) بعض نے دونوں میں تباین کی نسبت بیان کی کہ حدیث کا اطلاق صرف مرفوع پر اور موقوف ومقطوع پر اثر کا اطلاق ہوتا ہے، اس اعتبار سے تباین ہے(۲)۔ (۳) بعضوں نے دونوں میں عموم وخصوص مطلق کا فرق بیان کیا، وہ یوں کہ حدیث کا اطلاق صرف مرفوع پر اور اثر کا مرفوع، موقوف ومقطوع تینوں پر ہوتا ہے(۳)۔

پھر اثر وخبر میں بھی فرق ہے: (۱) بعض نے ان میں عموم مطلق کی نسبت کہی ہے کہ اثر خاص ہے حدیث کے ساتھ اور خبر حدیث کے علاوہ اخبارِ ملوک کو بھی عام ہے۔ (۲) بعض دونوں میں تباین کی نسبت کہتے ہیں کہ آثارِ صحابہ تو اثر ہیں اور اخبارِ ملوک خبر ہیں، تو دونوں علاحدہ ہیں۔ (۳) بعض نے دوسری طرح دونوں میں تباین بیان کیا، وہ یہ کہ حدیثِ مرفوع کو خبر اور حدیثِ موقوف کو اثر کہتے ہیں، یہ اصطلاح علمائے خراسیین کی ہے۔(۴)

چوتھا نام اس کا سنت ہے۔ اصولیین کے یہاں تو حدیث ہی کو سنت کہتے ہیں، ادلۂ اربعہ شمار کرواتے ہوئے کہتے ہیں "وسنة رسول الله صلي الله عليه وسلم" لغت میں سنت کہتے ہیں طریقہ اور راستہ کو، اور اصطلاح میں

(۱) النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۵۱۳، مقدمۂ شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ: ۱۵، قرۃ العیون: ۵۶

(۲) توجیہ النظر: ۱/۴۰ (۳) قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون: ۵۶، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۱۵۳

(۴) قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون: ۵۶، توجیہ النظر: ۱/۴۰، وقيل: الأثر مرادف للخبر۔

(توجیہ النظر: ۱/۴۰)

''سنت'' کہتے ہیں ''الطریقة المسلوکة في الدین'' (۱) وہ راستہ جس پر دین میں چلا جائے، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے مطابق بھی چل کر زندگی گزاری جاتی ہے، اس وجہ سے اسے سنت کہتے ہیں۔ حدیث اور سنت میں بھی فرق ہے: (۱) اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کہتے ہیں اور افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کہتے ہیں (۲)۔ (۲) بعض حضرات نے دونوں میں تساوی کی نسبت بیان کی ہے کہ اقوال وافعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ سنت ہے (۳)۔ (۳) بعض حضرات دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت بیان کرتے ہیں، حدیث خاص ہے کہ اقوال ہی پر بولی جاتی ہے اور سنت عام ہے کہ اس کا اطلاق اقوال وافعال دونوں پر ہوتا ہے (۴)، (۴) بعضوں نے اس کا بالکل برعکس کرکے عموم مطلق بیان کیا ہے کہ حدیث عام اور سنت خاص ہے۔ (۵) ان سب میں صحیح قول تساوی کا ہے؛ کیوں کہ آگے ایک بحث آئے گی سنت کے بارے میں کہ حدیث کی کتاب کا نام سنن رکھتے ہیں، حدیث کی وہ کتاب جو فقہ کی ترتیب پر ہو وہ سنن کہلاتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں مرادف ہیں۔

---

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۱۰۴۷، ط. سہیل اکیڈمی لاہور

(۲) توجیہ النظر: ۱/۴۰

(۳) فتح المغیث: ۱/۲۱، ط. دار الکتب العلمیہ بیروت، توجیہ النظر: ۱/۴۰

(۴) توجیہ النظر: ۱/۴۰

(۵) فتح المغیث: ۱/۲۱، ط. دار الکتب العلمیہ بیروت

بحث من السنة كذا:

یہ ایک مستقل بحث ہے، یہ اصطلاح ”من السنة كذا“ کی حدیث کی کتابوں میں بار بار آتی رہتی ہے، سوال یہ ہے کہ سنت سے کیا مراد ہے؟ کس کی سنت مراد ہے؟ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یا صحابہؓ کی؟ مولانا عثمانیؒ نے ”فتح الملهم شرح مسلم“ میں ص:۱۰۷/۱ پر یہ بحث کی ہے، اس میں تفصیل ہے کہ کیا مراد ہے؟ امام ابوعبداللہ الحاکم نے اپنی کتاب ”المستدرک“ کی کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ علما کا اس پر اجماع ہے کہ جب اس طرح سنت بولا جائے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے یعنی حدیثِ مرفوع مراد ہوتی ہے، چاہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام صراحۃً نہ ہو(۱)، اس کے علاوہ مرفوعاً یا ”رُفع“ یا ”رفع فلان“ وغیرہ الفاظ ہوں جب بھی یہی حدیث مرفوع مراد ہوگی، اسی طرح کا اجماع حافظ ابن عبدالبرؒ نے ”التقصي بأحاديث المؤطا“(۲) نامی کتاب میں بھی نقل کیا ہے، ان کی کتاب کا یہ نام صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے، مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اس کا نام ”التقصی“ رکھا ہے، جب کہ مصری

---

(۱) قال الحاكم في المستدرك: ۱/۰۱۵، برقم:۱۳۲۳: و قد أجمعوا على أن قول الصحابي سنة حديث مسند. اهـ، كتاب الجنائز۔

(۲) سیر اعلام النبلاء:۱۵۹/۱۸ میں ”التقصی فی اختصار الموطا“ مذکور ہے، اور ترتیب المدارک للقاضی عیاض:۲/۴/۷ میں ”كتاب التقصی لحديث الموطا“ اور الاعلام للزرکلی:۲۴۰/۸ میں ”التقصی لحديث الموطا أو تجريد التمهيد“ مذکور ہے۔

نسخہ میں اس کا نام "التجرید و التمهید" رکھا ہے، گویا ایک ہی کتاب کے تین نام ہیں؛ مگر درحقیقت یہ اجماع صحیح نہیں، کیوں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسے حافظ ابوالقاسم رافعی قزوینیؒ نے شوافع کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں (۱)، قول قدیم تو ان کا وہی ہے کہ اس سے حدیثِ مرفوع مراد ہے؛ مگر ان کا قول جدید جو ابوالقاسم رافعیؒ سے منقول ہے، یہ ہے کہ "السنة كذا" سے حدیث مرفوع مراد ہونا ضروری نہیں، معلوم ہوا اختلاف ہے اجماع نہیں۔ امام الحرمین شافعیؒ (۲) -شوافع کے یہاں اس سے مراد عبد الملک جوینی ہوتے ہیں- فرماتے ہیں کہ "من السنة كذا" سے حدیث مرفوع مراد ہونا ضروری نہیں، احناف میں بھی قاضی دبوسیؒ، علامہ بزدویؒ اور امام طحاویؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ حدیثِ مرفوع مراد ہونا ضروری نہیں (۳)، غرض کہ اجماع کہہ دینا صحیح نہیں (۴)، اب

---

(۱) قال ابن حجر: فعن الشافعي في أصل المسئلة قولان: وقال في موضع آخر: وحينئذ فله في الجديد قولان: و به جزم الرافعي. (النكت: ۲/ ۵۲۵)، ففي القديم أن ذالک مرفوع إذا صدر من الصحابي أو التابعي، ثم رجع عنه و قال في الجديد: ليس بمرفوع. (شرح شرح نخبۃ الفکر: ۵۶۳)

(۲) (قال ابن الصلاح: من السنة كذا فالأصح أنه مرفوع، قال الحافظ: ومقابل الأصح خلاف الصيرفي، والكرخي، والرازي من الحنفية، وابن حزم الظاهري؛ بل حكاه إمام الحرمين في البرهان عن المحققين. (النكت على كتاب ابن الصلاح: ۲/ ۵۲۵)

(۳) قال الكافي في شرح المنار: إذا قال الراوي من السنة كذا فعند عامة أصحابنا المتقدمين، و أصحاب الشافعي، و جمهور أصحاب الحديث يحمل على سنة الرسول. وعند الكرخي، و القاضي أبي زيد، و فخر الإسلام، و شمس الأئمة، و من تابعهم من =

قولِ فیصل کی ضرورت ہے، تو بعض ائمہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو حدیثِ مرفوع ہی اس سے مراد ہوگی؛ مگر جب کوئی قید لگائی جائے تو پھر جس کی قید ہوگی اس کی سنت مراد ہوگی، یہ فیصلہ خود ابن عبدالبرؒ نے بھی "**الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار و علماء الأقطار**" (۱) میں لکھا ہے، امام طحاویؒ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث مرفوع مراد ہونا ضروری نہیں، کیوں کہ صحابہ کے قول وفعل پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے۔"**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين**" اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یہ گفتگو تو مطلق سنت کے بارے میں ہو رہی ہے اور انہوں نے مثال مقید کی دی، حاصل وہی ہے جو اوپر فیصلہ میں مذکور ہوا کہ

= المتأخرين لا يجب حمله على سنة الرسول إلا بدليل، و كذا الخلاف في قول الصحابي أمرنا: بكذا أو نهينا عن كذا. (تبیین الحقائق:۲/۸۱، ط.مکتبہ عباس احمد الباز)

(۴) و من الصيغ المحتملة قول الصحابي: من السنة كذا، فالأكثر أن ذالک مرفوع، ونقل ابن عبد البر فيه الاتفاق، قال: و إذا قالها غير الصحابي فكذالک، ما لم يضفها إلى صاحبها، كسنة العمرين، ففي نقل الاتفاق نظر، فعن الشافعي في أصل المسئلة قولان، وذهب إلى أنه غير مرفوع أبو بكر الصيرفي من الشافعية، و أبوبكر الرازي من الحنفية، وابن حزم من أهل الظاهر، و احتجوا بأن السنة تتردد بين النبي صلى الله عليه وسلم و بين غيره، وأجيب بأن احتمال إرادة غير النبي صلى الله عليه وسلم بعيد. اهـ، نزهة النظر: ۱۴۱، و قال النووي في شرحه على مسلم: فإذا قال الصحابي: السنة كذا، أو من السنة كذا، فهو في الحكم كقوله: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا، هو مذهبنا، و مذهب المحدثين، و جماهير السلف والخلف، و جعله بعضهم موقوفا وليس بشيء.

(شرح نووی مع مسلم:۱/۲/۴۷، تشریح حدیث نمبر:۲۶۵۵)

(۱) ۱/۴۲۵، تشریح حدیث نمبر:۱۷۴

مطلق ہونے کی صورت میں حدیث مرفوع اور مقید کی صورت میں جس کی قید ہوگی اس کی سنت مراد ہوگی۔ یہ ایک بحث بیچ میں آگئی تھی جو ذکر کردی گئی، دراصل مبادیٔ عشرہ کی گفتگو ہورہی تھی، اسم تک کافی کلام ہوچکا، اب استمداد کی بحث آگے ہے۔

(۵) الاستمداد:

"مصدر من الاستفعال، طلب المدد" علامہ شامیؒ فرماتے ہیں (۱): "استمداد العلم أي ماخذه" یعنی اس کا ماخذ بیان کیا جائے، استمداد کی دو قسمیں ہیں: "استمداد في التدوين" اور "استمداد في التفهيم" اور مقدمۃ العلم میں اس کا بیان ہوتو مراد اول یعنی "استمداد في التدوين" ہے کہ اس فن کو مدون کرنے میں، اس کو جمع کرنے میں کن چیزوں سے مدد لی گئی ہے یہ بیان کیا جائے۔ اور اگر کتاب کے متعلقات میں اس کو ذکر کیا جائے تو مراد دوم یعنی "استمداد في التفهيم" ہے یعنی اس کتاب کو سمجھنے اور سمجھانے میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اسے بیان کیا جائے، جہاں تک اول کا تعلق ہے تو علم حدیث میں اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے افعال اور اسی طرح صحابہؓ کے اقوال وافعال وغیرہ سے مدد لی گئی ہے، یہ اس کا ماخذ ہے۔

اور جہاں تک "استمداد في التفهيم" کا تعلق ہے تو اس میں علوم آلیہ سارے داخل ہیں نحو، صرف، فصاحت، بلاغت، ادب، منطق وغیرہ تمام علوم کی اس

---

(۱) شامی: ۱/ ۱۱۷

میں ضرورت ہوتی ہے ورنہ اس کی فہم وتفہیم دشوار ہے۔ امام اصمعیؒ جو لغت کے امام ہیں وہ تو فرماتے ہیں کہ جو ادب ولغت کے علم سے واقف نہیں، اگر وہ حدیث کے علم میں مشغول ہوا تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ ''من كذب علي متعمدًا'' کا مصداق نہ ہو جائے (۱)۔ ایک محدث تھے وہ ہمیشہ جمعہ کے بعد حلق کرواتے تھے، سر منڈواتے تھے، ان سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ حدیث میں ہے اور وہ حدیث سنائی جس میں یہ ہے کہ جمعہ کے روز حلقہ بنا کر نہ بیٹھو، وہ بے چارے تحلیق کے معنی سر منڈوانے کے سمجھے اور ویسا کرتے رہے۔ ایسے اور بھی واقعات ہیں کہ حدیث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے عرصہ تک غلطی میں مبتلا رہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے ''تلبيس الإبليس'' نامی کتاب میں ایسے واقعات جمع کئے ہیں، اور یہ بتلایا ہے کہ کس کس طرح شیطان محدثین کو بھی دھوکہ دے جاتا ہے (۲)۔ اسی طرح علمِ اشتقاق کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ ماخذِ اشتقاق معلوم ہو، بعض مرتبہ دو لفظ یکساں ہوتے ہیں؛ مگر ان کے مشتق منہ کی وجہ سے ان میں فرق ہو جاتا ہے، مثلاً مسیح یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی لقب ہے اور دجال کا بھی لقب ہے؛ مگر پہلا مسح الید سے مشتق ہے اسم فاعل کے معنی میں، یعنی ''ماسح اليد'' کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیر کر مادر زاد کوڑھیوں کو اور اندھوں کو اچھا کر دیتے تھے، اس وجہ سے ان کو مسیح کہتے ہیں۔ اور دوسرا مسیح اسم مفعول کے معنی میں ہے بمعنی ممسوح یعنی پھیر دیا ہوا، پاٹ دیا ہوا؛ کیوں کہ

---

(۱) تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۶، ط. دار الکتب الحدیثہ

(۲) تلبیس ابلیس مترجم: ص ۱۵۰، ط. مکتبہ تھانوی دیوبند

اس کی ایک آنکھ پاٹ دی گئی ہے، کانا ہے، اس وجہ سے اسے مسیح کہتے ہیں، تو اگر یہ مشتق منہ کا علم نہ ہو تو کیسے فرق کرسکتا ہے(۱)؟ غرض کہ یہ علوم ''ممد في التفهيم'' ہیں، تو استمداد کی یہ دو قسمیں ہیں۔ ہمارے استاذ مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم مجھے متقدمین کی کسی کتاب میں نہیں ملی، میں نے سب سے اول اپنے استاذ مولانا امیر احمد کاندھلویؒ صاحب سے سنی، وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ ان کی خود کی سفوفِ خانہ زاد ہو۔

(٦)حكم الشارع:

شریعت کے پابند ہونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی جاننا ضروری ہے، علامہ علاؤالدین حصکفیؒ نے ''الدر المختار'' میں اس کی تفصیل کی ہے کہ کس علم کا سیکھنا فرض عین ہے، کون فرض کفایہ ہے، کون مستحب ہے، کون حرام یا مکروہ ہے وغیرہ۔

---

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری:۲/ ۳٦٨ پر ان کے علاوہ اور بھی اقوال نقل فرمائے ہیں جن کو یہاں نقل کیا جارہا ہے، آپ فرماتے ہیں: واختلف في تلقيب الدجال بذالک، فقيل: لأنه ممسوح العين، و قيل: لأن أحد شقي وجهه خلق ممسوحا، لا عين فيه و لا حاجب، و قيل: لأنه يمسح الأرض إذا خرج، و أما عيسى، فقيل: سمي بذالک لأنه خرج من بطن أمه ممسوحا بالدهن، و قيل: لأن زكريا مسحه، و قيل: لأنه كان لا يمسح ذاعاهة إلا برئ، وقيل: لأنه كان يمسح الأرض بسياحته، و قيل: لأن رجله كانت لا أخمص لها، وقيل: للبسه الممسوح، وقيل: هو بالعبرانية ما شيخا فعرب المسيح، وقيل: المسيح الصديق. فتح الباری: ۲/ ۳٦٨، وقال الفيروزآبادي في القاموس: ذكرت في اشتقاقه خمسين قولا في شرحي لمشارق الأنوار وغيره. (القاموس: ۱۵۳۰، ط. دار الحدیث القاہرة)

علما نے لکھا ہے کہ وہ علوم جن کی روزمرہ ضرورت نہیں پڑتی ان کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، اسی کو واجب کفایہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور وہ علم جس کی ضرورت کسی شخص کو ہر وقت رہتی ہے اس کے لیے اس کا سیکھنا فرض عین ہے، مثلاً: کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو نماز کے متعلق اتنا علم کہ وہ نماز صحیح ادا کر سکے اور فساد سے بچ سکے، اسی طرح جو بھی کام کرے، مثلاً بیع وشرا، تجارت کرے تو اس کے مسائل کا علم، غرض کہ جس میں وہ مبتلا ہو اس کا علم اس کے لیے فرض ہے۔ یہ تو عام تمام علومِ دینیہ کا حکم ہے، ہمارے پیشِ نظر علمِ حدیث ہے، یہ بھی قسمِ اول سے ہے یعنی اس کا حکم وجوبِ کفایہ کا ہے، یعنی بعض حاصل کرلیں تو کافی ہے، سب سے ذمہ اتر جاتا ہے(۱)۔ فرضِ عین و کفایہ میں یہی فرق ہے کہ اول سب کے لیے ضروری ہوتا ہے اور ثانی بعض پر علی الاطلاق، اور اس سے تمام کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے، بالفاظِ دیگر فرضِ عین میں فعل و فاعل دونوں مطلوب ہوتے ہیں، مثلاً نماز، روزہ کہ ان میں فعل و فاعل دونوں مطلوب ہیں، کسی کے نماز پڑھ لینے سے دوسرے سے ساقط نہیں ہوتی، اور فرضِ کفایہ میں صرف فعل مطلوب ہوتا ہے فاعل نہیں، مثلاً نمازِ جنازہ اس وجہ سے بعض کے ادا کرنے سے چوں کہ فعل کا وجود ہو گیا تو تمام فاعلین کی ضرورت نہیں، ان کا ذمہ بھی اتر گیا۔ یہ چھٹی بحث حکمِ شارع کی تھی، اب اس کے بعد ساتویں بحث علمِ حدیث کی فضیلت میں ہے۔

---

(۱) الدر المختار: ۱/ ۱۲۶، ط. زکریا بکڈپو دیوبند، کشف الظنون: ۱/ ۶۳۶، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ص ۴۱

(۷) فضیلتِ علم حدیث:

فضیلت کے جاننے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس سے اس فن کے حصول میں رغبت ہوتی ہے، پھر فضائل کی دو قسمیں ہیں: فضائلِ عمومیہ، فضائلِ خصوصیہ۔

عمومیہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلق تمام علوم کی کیا فضیلت ہے؟ اس میں علمِ حدیث بھی اس کا ایک فرد ہو جائے گا، اور خصوصیہ میں اس علم کے فضائل ہوتے ہیں جس کا حاصل کرنا پیش نظر ہوتا ہے، جیسے یہاں علمِ حدیث۔ پھر فضائل دو طرح کے ہوتے ہیں: فضائل عقلیہ اور فضائل نقلیہ۔ قرآن مجید میں ہے "هَل يستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون" (۱) استفہامِ انکاری ہے، حاصل یہ ہے کہ اہلِ علم اور غیر اہلِ علم دونوں برابر نہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دوسری جگہ ہے "رَب زدني علما" (۲) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتی علم کی دعا کا امر فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنا علم کس کے پاس ہوگا؟ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "أوتيتُ علم الأولين والآخرين" (۳) اس کے باوجود زیادتی علم کا امر ہے، اس سے بھی علم کی اہمیت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "العلماء ورثة الأنبياء" (۴) دوسری حدیث

---

(۱) سورۃ الزمر: آیت ۹

(۲) سورۃ طہٰ: آیت ۱۱۴

(۳) قال شيخنا محمد يونس الجونفوري حفظه الله ورعاه: لم أجد هذه الرواية بهذا اللفظ. نوادر الحديث: ص ۳۳۶

(۴) ابوداؤد، الرقم: ۳۶۴۳

میں ہے "**فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم**"(۱) ان تمام نصوصِ قرآنیہ واحادیث سے مطلق علمِ دین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، یہ فضائلِ عمومیہ نقلیہ ہیں، اسی طرح علمِ حدیث کے بھی فضائلِ نقلیہ ہیں، ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها وحفظها وبلغها الخ**"(۲) اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات اور اپنے کلام کو سن کر یاد کرنے والے اور اسے دوسرے تک پہنچانے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔ یہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ، دونوں احتمال ہیں، کچھ بھی ہو؛ مگر مقصود اہلِ علم اور مشغولین فی الحدیث کے لیے یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے نضارت کی دعا فرمائیں کہ اللہ ان کو تر وتازہ رکھے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دعا فرمائی: "**اللهم ارحم خلفاءنا**" صحابہؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کے خلفا کون ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری حدیث کو سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھلاتے ہیں (۳)، اس کا مصداق بھی طالبینِ حدیث اور مشغولین فی الحدیث ہیں، ان کے لیے رحمت کی دعا فرمائی، یہ بھی علمِ حدیث کی فضیلت اور اس کی اہمیت وعظمت کی دلیل ہے۔ اور بھلا اس کلام کی عظمت واہمیت کیوں نہ ہو کہ محبوبِ رب العالمین کا کلام ہے جو

---

(۱) ترمذی، الرقم: ۲۶۸۵

(۲) ترمذی الرقم: ۲۶۵۸

(۳) اس حدیث کی تخریج صفحہ نمبر ۲۶۵ / پر ملاحظہ فرمائیں۔

"کلام الملوک ملوک الکلام" کا مصداق ہے،جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وما ینطق عن الھوی، إن ھو إلا وحي یوحٰی" (۱) کسی کلام کی عظمت ووقعت دو وجہ سے ہوا کرتی ہے، ایک تو خود اس کلام کے عظیم ہونے کی وجہ سے کہ کلام بڑا اونچا اور فصیح وبلیغ ہو اور دوسرا یہ کہ کلام اتنا اونچا نہ ہو؛ مگر متکلم کوئی عظیم شخصیت ہو، اس کی وجہ سے بھی اس کا کلام پر وقعت، قابلِ عظمت اور مسموع ہوتا ہے، علمِ حدیث میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ جہاں تک کلام کا تعلق ہے تو جیسے ارشادِ ربانی ہے: "إن ھو إلا وحي یوحٰی" (۲) اور بھلا اللہ کی طرف سے جو کلام ہو وہ عظیم کیوں نہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "أعطیت جوامع الکلم" (۳) اس سے بھی کلام کا جامع وفصیح وبلیغ ہونا ظاہر ہے اور جہاں تک متکلم کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی عظمت واضح ہے، محتاجِ بیان نہیں، تو دونوں طرح سے کلام کی فضیلت ثابت ہے۔ بعض مرتبہ کسی چیز میں عظمت وشرافت موضوع یا غرض کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا کبھی شدتِ احتیاج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، دیکھا جائے تو یہ تینوں چیزیں بھی علمِ حدیث میں پائی جاتی ہیں، موضوع دیکھو تو وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے افعال واقوال ہیں، غرض دیکھو تو سعادتِ دارین ہے اور حاجت وضرورت کے اعتبار سے بھی دوسرے بہت سے علوم کی بہ نسبت اس کی ضرورت زیادہ ہے؛ کیوں کہ علمِ فقہ جو زندگی کی از حد ضروری چیز

---

(۱) سورۃ النجم: آیت ۴ (۲) سورۃ النجم: آیت ۴

(۳) مسلم شریف: ۱/ ۱۹۹، الرقم: ۱۱۹۵

ہے وہ بھی قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، پھر قرآن فہمی کے لیے بھی علمِ حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اس سے اس کی شدت حاجت واضح ہوگئی، غرض یہ کہ یہ چند چیزیں بھی اس میں فضیلت کی موجود ہیں، ان تمام سے اس کی فضیلت معلوم ہوئی، اس کے بعد نسبت کا نمبر ہے کہ اسے کیا نسبت حاصل ہے؟

(۸) نسبت علم حدیث:

علوم کی دو قسمیں ہیں: مدونہ اور غیر مدونہ۔

وہ علوم جن کے اصول وضوابط کی اور مسائل کی باقاعدہ تدوین کی گئی ہو وہ علومِ مدونہ ہیں، اور اگر باقاعدہ جمع نہ کیا گیا ہو تو ''غیر مدونہ'' ہیں۔ علومِ مدونہ کی پھر دو قسمیں ہیں: شرعیہ اور غیر شرعیہ، جن علوم میں شریعت اور شارع کا دخل ہو تو اسے شرعیہ کہتے ہیں ورنہ غیر شرعیہ ہے۔ علوم کی پھر چار قسمیں ہیں: اصلیہ، فرعیہ، عقلیہ، نقلیہ۔ اسی طرح شرعیہ کی بھی چار قسمیں ہیں: تفسیر، حدیث، عقائد اور فقہ۔ اس طرح ہر ایک کی متعدد قسمیں ہیں: علمِ حدیث علومِ مدونہ میں سے ہے اور علومِ شرعیہ میں سے ہے (۱)، اور شرعیہ میں بھی اجلِ علوم ہے؛ کیوں کہ قرآن بمنزلۂ متن کے ہے اور احادیث اس کی شرح ہے، پھر یہ فقہ کا ماخذ ہے تو ہر اعتبار سے یہ افضل ہے، تو اسے فقہ وتفسیر کے ساتھ گویا تساوی کی نسبت حاصل ہے، پھر یہ علومِ عالیہ، اصلیہ نقلیہ میں سے ہے، یہ نسبت اسے دوسرے علوم کے مقابلہ میں حاصل ہے، اس کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔

---

(۱) شامی: ۱/۱۱٦

(۹) مرتبۂ علمِ حدیث:

مرتبہ دو قسم کا ہوتا ہے: باعتبار فضیلت اور باعتبار تعلیم، فضیلت کے اعتبار سے علم حدیث مقدم ہے اور تعلیم کے اعتبار سے مؤخر ہے؛ کیوں کہ دیگر علومِ آلیہ اس کے لیے موقوف علیہ کا درجہ رکھتے ہیں اس وجہ سے انہیں مقدم پڑھاتے ہیں اور علمِ حدیث کو مؤخر کر دیتے ہیں۔ پھر حدیث میں ''مشکاۃ المصابیح'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ درس نظامی کا یہ طریقہ ہے کہ ششم کے سال میں صرف ایک ہی کتاب حدیث کی یہی مشکاۃ شریف پڑھائی جاتی ہے جب کہ دورۂ حدیث ہفتم کے سال میں دس کتابیں ہیں؛ مگر ششم کے سال میں حدیث درایۃً ہوتی ہے اور دوسرے سال روایۃً ہوتی ہے۔ درایتِ حدیث کے سال میں یہ کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ الفاظ کے معانی و مطالب بیان کئے جائیں اور دوسرے سال تو صرف تبرکاً ان کا دورہ ہوتا ہے اور تا کہ وسائط کا علم ہو جائے کہ ہم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک میں کون کون ناقل و راوی ہیں، کن وسائط سے یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے یہ مقصود ہوتا ہے، اسی وجہ سے پہلے دورہ ایک ہی استاذ کے پاس ہوتا تھا۔ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس دورے میں ساری کتابیں ہوتی تھیں، وہ تنہا دورہ پڑھاتے تھے، یہ سلسلہ ایک لمبی مدت رہا(۱)۔ غرض کہ مشکاۃ میں درایت پر کلام ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ سال بہت اہم ہے اور دورہ کا موقوف علیہ ہے۔ حاصل یہ کہ علمِ حدیث رتبۃً مقدم ہے؛ مگر تعلیم کے اعتبار سے مؤخر ہے، یہ اس کا مرتبہ ہے، اس کے بعد واضع کی بحث ہے۔

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲

(۱۰) واضع علم حدیث:

واضع کی دو قسمیں ہیں: واضع فن اور واضع کتاب، اس میں واضع کتاب کا ذکر تو متعلقات کتاب کے بیان میں آئے گا، یہاں واضع فن کا ذکر ہے، واضع کے معنی آتے ہیں وجود میں لانے والا، وضع کرنے والا، بنانے اور تیار کرنے والا، یہاں اس کے معنی جامع کے ہی ہوں گے؛ کیوں کہ یہاں وضع کرنا تو ہے ہی نہیں، فرامینِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث رسول کا ذخیرہ موجود ہے اس کو جمع کرنا ہے تو اصل واضع تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ مگر یہاں یہ ذکر کرنا ہے کہ ان احادیثِ منتشرہ کو سب سے اول کس نے جمع کیا؟ اس سے پہلے کہ واضع حدیث کی تعیین ہو یہ معلوم کریں کہ منکرینِ حدیث نے اس وضع حدیث پر اعتراض کیا ہے، وہ اعتراض کیا ہے؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟

سوال: منکرینِ حدیث کی طرف سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس فنِ حدیث کی تدوین قریب ایک صدی تک تو ہوئی نہیں، اس کے بعد شروع ہوئی تو کیا ضروری ہے کہ وہاں تک احادیثِ صحیحہ باقی رہی ہوں، معاذ اللہ یہ تو جھوٹ کا پوٹ ہے، پھر اس کی ضرورت بھی نہیں؛ کیوں کہ اگر ضرورت ہوتی تو صحابہؓ نے اسے کیوں جمع نہ کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بعد میں بھی ایک صدی تک کسی نے اس کو لکھا نہیں اور نہ جمع کیا، تو پھر بعد میں کیا ضرورت ہوئی؟

جواب (۱): اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سوال ہے تو وہ اسلام کی ابتدائی زندگی تھی، مکہ میں تو بیچارے مسلمان پریشان تھے،

کفارِ مکہ کے ظلم وستم کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، بعد میں جب مدنی زندگی آئی تو وہاں غزوات نے مہلت نہ دی، کبھی بدر، کبھی اُحُد، کبھی خندق وغیرہ، اس کے علاوہ بیچارے ترک وطن کر کے آئے تھے تو کسبِ معاش کی بھی شدید ضرورت تھی، اس کے علاوہ اصولِ دین کی تحصیل میں وہ مشغول تھے، یہ اور اس کے علاوہ دوسرے ایسے مشاغل تھے کہ انہیں ایسی جزئی باتوں کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا اور ایسے کام کے لیے تو یکسوئی اور اطمینان ضروری ہے(۱)، جیسے امام بخاریؒ نے کتاب بڑی ابتلاؤں اور پریشانیوں میں لکھی، وہ اکثر تو سفر میں رہتے اس وجہ سے کوئی حدیث مکہ میں تو کوئی مدینہ میں، کوئی راستہ میں، اس طرح لکھی، اس کے برخلاف امام مسلمؒ کہ انہوں نے بڑے اطمینان سے کتاب لکھی، یہی وجہ ہے کہ مسلم شریف کو ترتیب میں افضلیت حاصل ہے بخاری پر؛ کیوں کہ ان کی ترتیب بخاری کی ترتیب سے عمدہ ہے، غرض یہ کہ اطمینان درکار ہے اور وہ صحابہؓ کو حاصل نہ تھا، اس وجہ سے بھی وہ جمع نہ کر سکے اس کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بھی جنگیں ہوتی رہیں، اشاعتِ اسلام میں صحابہؓ لگے رہے اس وجہ سے وہ جمع نہ کر سکے۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث گو کتابت کی صورت میں محفوظ اور جمع نہ تھی؛ مگر دوسری صورت سے محفوظ تھی، کیوں کہ حفاظت کی دو صورتیں ہیں: ایک کتابی اور دوسری صدری، کتاب میں جمع ہو اور دوسرے یہ کہ سینہ اور حافظہ میں محفوظ ہو، تو گو کتابی شکل میں محفوظ نہ ہو؛ مگر لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھی، اور ان لوگوں کو

---

(۱) تقریر بخاری حضرت شیخؒ: ۱/۳۰

اس کو لکھنے کی ضرورت بھی نہ تھی ؛ کیوں کہ ان کے حافظے اتنے قوی تھے کہ سب کچھ اس میں ''کالنقش في الحجر'' ہوجاتا(۱)، تابعین اور تبعِ تابعین ہی نہیں ان کے بعد کے لوگوں کے حافظے بھی اتنے مضبوط اور قوی تھے جس کی نظیر ملنا مشکل تھی۔ امام بخاریؒ کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں (۲)، امام مسلمؒ کو تین لاکھ حفظ تھیں (۳)، امام ترمذیؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ مکہ جاتے ہوئے راستہ میں ایک جگہ اپنا سر جھکا لیا، یہ نابینا ہوجانے کے بعد کا واقعہ ہے، لوگوں نے پوچھا کہ سر کیوں جھکایا؟ تو کہا کہ کیا یہاں کوئی درخت نہیں جو سوار کے سر سے ٹکراتا ہو، اگر نہیں تو میں آج سے حدیث کہنا چھوڑ دوں گا؛ کیوں کہ میرے حافظہ نے خطا کی، اب مجھے حق نہیں، لوگوں نے قریب میں کسی گاؤں والوں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ بہت سال پہلے ایک درخت تھا اور اس کی ٹہنی سواروں سے ٹکراتی تھی، اس وجہ سے وہ کاٹ دیا گیا، جب ان کو اطمینان ہوا، برسوں پہلے یہاں سے گزر ہوا تھا، اتنے طویل راستہ میں ایسا درخت کس جگہ آتا ہے یہ قریب چودہ برس کے بعد بھی یاد رہنا کمالِ حافظہ کی دلیل ہے (۴)۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں ایسے بے نظیر حافظہ کے حامل پیدا ہوتے رہے، خود ہمارے قریبی زمانہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا حافظہ مشہور ہے کہ چالیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب اتنے سال

---

(۱) مقدمۃ الفتح: ص ۹

(۲) تقييد المهمل و تمييز المشكل للغساني: ۱/ ۱۴، ط. دار عالم الفوائد

(۳) تقييد المهمل وتمييز المشكل للغساني: ۱/ ۵۴

(۴) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/ ۳۱، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور ہے، اور متعدد مشایخ سے سنا ہے، لیکن اب تک نظر سے نہیں گزرا۔ درس ترمذی: ۱/ ۱۳۲

بعد بھی ویسی ہی یاد ہوتی جیسی ابھی تازہ دیکھ کر فارغ ہوئے ہوں (۱)، لوگ انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے، جب اس دور میں ایسے حافظہ والے ہیں تو پھر صحابہؓ کے دور میں ایسے بل کہ اس سے بھی قوی حافظے ہوں تو کون سی مستبعد اور تعجب کی بات ہے، حاصل یہ کہ جمع صدری تھا گو کتابی نہ ہو یہ دونوں جواب تسلیمی تھے۔

جواب (۳): ایک تیسرا جواب ہے جو منعی ہے کہ یہ تسلیم ہی نہیں کہ احادیث کتابتاً جمع نہ تھیں، بہت سی ایسی مثالیں اور واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ لکھتے تھے اور جمع کرتے تھے، گو کتابت حدیث کا مسئلہ صحابہؓ میں مختلف فیہ رہا ہے، بعض کتابتِ حدیث کے جواز کے اور بعض عدم جواز کے قائل تھے، اور وجہ اس کی یہ حدیث تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "**لَا تَكْتُبُوا عَنِّيْ شَيْئًا سِوَى الْقُرْآنِ**" (۲) کہ مجھ سے قرآن کے سوا اور کچھ نہ لکھو، بعض صحابہؓ نے اسے مطلق سمجھا اور اطلاق ہی پر محمول کیا؛ حالاں کہ یہ حدیث خاص ہے، کسی خاص وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔

اور وہ وجہ یہ ہے کہ چوں کہ قرآن مجید بھی لکھا جاتا تھا، اب اگر حدیث کو بھی لکھا جاتا تو قرآن وحدیث میں التباس ہو جاتا، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی، پھر بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حکم فرمایا (۳)۔ بعض نے کہا کہ ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اگر لکھنے کا حکم ہوتا تو لوگ صرف لکھ لیتے اور اسی پر اعتماد کر لیتے، کوئی یاد نہ کرتا اس وجہ سے ممانعت تھی؛ مگر دوسری روایات سے اس کی

(۱) نقش دوام: ص ۱۳۱ (۲) مسند احمد: ۳/۱۲، الرقم: ۱۱۱۰۰ (۳) توجیہ النظر: ۱/۴۵، فتح الباری: ۱/۲۵۳

اباحت معلوم ہوتی ہے، اور جب دونوں میں تعارض ہو تو ممانعت کی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، اس وجہ سے ایک جماعت عدمِ جواز کی قائل ہوئی (۱)۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ چوں کہ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ صرف کتابت پر اعتماد نہ کرلیا جائے، اس وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کتابت کی اجازت تو ہے؛ مگر یاد کر کے پھر اسے مٹا دینا چاہیے (۲)۔ اور تیسری جماعت جس میں سارے فقہا ہیں اور اسی پر اجماع ہے، وہ کہتے ہیں کہ کتابت حدیث جائز ہے، ان کے پیش نظر ساری اباحت کی روایات ہیں۔ حجۃ الوداع کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا، بڑا اچھا خطبہ تھا، ابوشاہ یمنیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین صحابہؓ کو حکم دیا، اور انہوں نے خطبہ لکھ کر دے دیا، اس سے ثابت ہوا کہ کتابت مباح ہے (۳)۔ اور یہ روایت پہلی روایت سے بہت بعد کی ہے، تو اس کے حق میں ناسخ ہوگی اور وہ منسوخ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ذخیرۂ احادیث میں ۵۳۷۴/روایات ہیں (۴)، یہ ان کے کثرت اشتغال فی الحدیث کی وجہ سے ہے؛ ورنہ انہوں نے دوسرے صحابہؓ کی نسبت بہت کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن

---

(۱) فتح الباری: ۱/۲۵۳، امداد الباری: ۱/۳۴

(۲) فتح الباری: ۱/۲۵۳، تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۲۱

(۳) بخاری شریف الرقم: ۲۴۳۴

(۴) (وأكثرهم حديثا أبو هريرة: روى خمسة آلاف، و ثلاث مائة، و أربعة و سبعين حديثا۔ (تدریب الراوی: ۲/۲۱۶)

عاصؓ احادیث لکھتے تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ تم ہر بات لکھتے ہو؛ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات ہوتے ہیں، کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہر وقت نہ لکھا کرو۔ انہوں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم کوئی بھی حالت ہو اس منہ سے حق کے سوا نہیں نکلتا، اس وجہ سے لکھا کرو، ابوداؤد میں یہ روایت موجود ہے (۱)، تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کتابت کا حکم فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے پاس صحیفہ تھا جس میں دیت کے احکام تھے، حضرت سمرہ بن جندبؓ کے پاس صحیفہ تھا جس میں احادیث لکھی ہوئی تھیں، یہ صحیفہ آگے چل کر امام ابو داؤدؒ کے ہاتھ آیا، انہوں نے اس میں سے چھ روایات لی ہیں، جنہیں وہ امابعد کہہ کر بیان کرتے ہیں (۲)۔ امام ابوداؤدؒ نے تو صرف چھ ہی روایات لی ہیں جب کہ محدث بزار نے تو اس میں سے سو روایات لی ہیں (۳)۔ حضرت ہمام بن منبہؒ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے صحیفہ سے روایت نقل کرتے ہیں (۴)، یہ سب اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہؓ کے زمانے میں بھی حدیث لکھی ہوئی تھی

---

(۱) سنن ابوداؤد، الرقم: ۳۶۴۶، باب فی کتابۃ العلم

(۲) دیکھئے ابوداؤد حدیث نمبر ۴۵۶، ۹۷۵، ۱۵۶۲، ۲۵۶۰، ۲۷۱۶، ۲۷۸۷

(۳) اسی طرح مفتی اعظم گجرات حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے بھی مبادیات حدیث: ص ۲۳ پر ذکر فرمایا ہے؛ مگر یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ امام بزارؒ نے آپ سے ۱۶۸/روایات لی ہیں، چناں چہ آپ نے حدیث نمبر ۴۵۱۳ سے ۴۶۸۱ تک کی تمام روایات حضرت سمرہ بن جندبؓ کی کتاب سے نقل فرمائی ہیں، دیکھئے مسند البزار: ۱۰، ۳۸۱ تا ۴۷۷، ط. مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ۔

(۴) السنن الصغری للنسائی: ۷/ ۴۳۶، الرقم: ۳۵۰۸، ط. مکتبۃ الرشد ریاض

اور کتابی شکل میں محفوظ تھی؛ چناں چہ یہ کہنا کہ ایک صدی تک اس کی تدوین ہوئی ہی نہیں یہ دعویٰ غلط ہے۔ہم ایسی مثالیں دے آئے جن سے اس کا غلط ہونا واضح ہے، اس وجہ سے ان کا دعویٰ قابلِ تسلیم اور مسموع نہیں، اتنی بات ہے کہ بعد میں جو باقاعدہ ابواب اور فصول کی ترتیب کے ساتھ جمع ہوئی وہ نہ تھی؛ مگر فی نفسہٖ اس کا وجود تھا۔

بعد میں جب سب صحابہؓ ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فکر ہوئی کہ کہیں اس طرح پورا ذخیرۂ احادیث ضائع نہ ہو جائے، اس وجہ سے کسی نے اس زمانہ کے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے یہ بات کہی، یہ پہلی صدی کا اختتام اور دوسری صدی کی ابتدا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی (۱)، سولہ سال کی عمر میں یہ ایک علاقہ کے گورنر ہوئے، سلیمان بن عبد الملک کے انتقال کے بعد ۹۹ھ میں پورے حجاز کے علاقہ کے گورنر ہو گئے، نہایت عادل، منصف مزاج اور نیک سیرت شخص تھے، ان کے دورِ حکومت میں بکری اور بھیڑیا ایک گھاٹ پر پانی پیا کرتے تھے، ۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے، انہوں نے ہر طرف خطوط لکھے اور جمع حدیث کا حکم دیا، اسی وجہ سے بعض حضرات نے ان کو مدونِ اول کہا ہے، تو یہ آمر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ انہوں نے جنہیں حکم دیا ان میں سے ایک تو ابن شہاب زہریؒ تھے، انہوں نے احادیث کو جمع کیا؛ چناں چہ امام بخاریؒ اور

---

(۱) التعدیل والتجریح: ۳/ ۹۴۱، الثقات: ۵/ ۱۵۱، اور سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۱۵ میں آپ کی ولادت ۶۱ھ میں مذکور ہے، اور تہذیب الکمال: ۲۱/ ۴۳۶، سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۵، اور الطبقات الکبری لابن سعد: ۵/ ۳۳۰ میں ۶۳ھ مذکور ہے۔

دوسرے بہت سے محدثین اس کے قائل ہیں کہ مدون اول ابن شہاب زہری ہیں (۱)؛ مگر حافظ ابن تیمیہؒ، شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اور دوسرے بعض حضرات کا رجحان اس طرف ہے کہ مدون اول ابوبکر محمد بن عمرو بن حزمؒ ہیں (۲)، دونوں قول میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ دونوں نے اپنے اپنے علاقہ میں الگ الگ جمع کی ہوگی، ہر علاقہ والے کوان کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو مدون اول کہہ دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں کہ مدون اول یہ ہیں، ان میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، معمر بن راشدؒ، ابن جریجؒ، ہشیمؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام شعبیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نام بھی مدونِ اول میں لیے گئے ہیں۔ ان میں تین طریقہ سے تطبیق ہوسکتی ہے، اول یہ کہ اس زمانہ میں اسباب و ذرائع کی قلت تھی تو ایک علاقہ کی اطلاع دوسرے علاقہ والوں کو نہ ہوتی تھی، تو جس کو جس کی اطلاع پہلے ہوئی اس نے اسی کی طرف نسبت کردی اور اسے مدون اول کہہ دیا۔ (۳) حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ یہ اختلاف بلاد کے اختلاف پر مبنی ہے، ہر ملک میں جس کسی نے جمع کیا، اس جگہ والوں نے اسی کو مدون اول قرار دیا کہ یہ اس جگہ کے مدون اول ہیں، جیسے: **معمر بن راشد أول من جمع باليمن، وابن جريج أول من جمع بمكة** وغیرہ (۴)۔ ایک تیسری تطبیق جو علامہ جلال

---

(۱) الرسالۃ المستطرفہ: ص۹

(۲) الرسالۃ المستطرفہ: ۹، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱/۱۵۰،۱۵۴، توجیہ النظر: ۱/۴۸

(۳) تقریر بخاری حضرت شیخ: ۱/۳۲

(۴) توجیہ النظر: ۱/۴۹

الدین سیوطیؒ نے دی ہے وہ یہ کہ یہ اختلاف حیثیت کے اعتبار سے ہے، کوئی مطلقاً جمع حدیث میں اولیت رکھتا ہے، کوئی ابواب کی ترتیب کے ساتھ جمع کرنے میں اول ہے، کوئی مراتب کے اعتبار سے جمع کرنے میں اول ہے وغیرہ، اس وجہ سے اختلاف ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے یہ تطبیق اپنی کتاب ''الفیہ'' میں دی ہے، (۱) یہ کتاب چوں کہ اصولِ حدیث میں اشعار کے قالب میں ہے اس وجہ سے وہ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں ۔

أَوَّلُ جَامِعِ الْحَدِيْثِ وَ الْأَثَرْ ابْنُ شِهَابٍ آمِرًا لَهُ عُمَرُ

وَ أَوَّلُ الْجَامِعِ لِلْأَبْوَابِ جَمَاعَةٌ فِيْ الْعَصْرِ ذُوْ اقْتِرَابٍ

كَابْنِ جُرَيْجٍ وَ هُشَيْمٍ مَالِكِ وَ مَعْمَرٍ وَ وَلَدِ الْمُبَارَكِ

وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِاقْتِصَارِ عَلَى الصَحِيْحِ فَقَط الْبُخَارِيْ

وَ مُسْلِمٌ مِنْ بَعْدِهِ ، وَ الْأَوَّلُ عَلَى الصَّوَابِ فِيْ الصَحِيْحِ أَفْضَلُ

کہ صحیح قول کے مطابق بخاری ہی مسلم سے افضل ہے، یہ وہ اشعار ہیں جن میں انہوں نے تطبیق دی ہے، تو حیثیت کے اعتبار سے ہر ایک کو اولیت حاصل ہے، غرض یہ کہ اولیت محضہ ابن شہاب اور عمرو بن حزم کو حاصل ہے اور بقیہ کو حیثیت کے اعتبار سے اولیت حاصل ہے، یہ واضع کی بحث تھی جو ختم ہو چکی، اب اس کے بعد مسائل کی بحث ہے، یہ مبادئ عشرہ کی آخری بحث ہے، مرتبۂ علمِ حدیث کے ساتھ اب تک دس بحثیں ہو چکیں اب گیارہویں بحث ہے۔

---

(۱) الفیۃ السیوطی: ۱۰، ط. دار المعرفہ بیروت

(۱۱) مسائل:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مسائل کیا ہیں، کیا چیزیں اس فن میں بیان ہوتی ہیں، اسلام کا خلاصہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

عبادات، معاملات، عقوبات، عقائد، آداب

شریعت کا کوئی بھی مسئلہ ہوگا وہ ان پانچ میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوگا، ان سے باہر نہیں، ان پانچوں ابواب کی ذمہ داری مختلف جماعتوں نے لی ہے، عقائد کا ذمہ متکلمین نے لیا، وہ اسے بیان کرتے ہیں، وہ ایک مستقل فن ہوگیا۔ آداب کی ذمہ داری حضرات صوفیائے کرام نے لے لی، وہ خانقاہوں میں اس کی تعلیم کرتے ہیں۔ اب رہ گئے تھے تین تو ان کی ذمہ داری فقہا نے لے لی؛ چناں چہ وہ ان تینوں کو بیان کرتے ہیں، پھر ان تینوں کی پانچ پانچ قسمیں ہیں، عبادات کی پانچ قسمیں یہ ہیں: صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج، اور جہاد۔

اسی طرح معاملات وعقوبات کی بھی پانچ پانچ قسمیں ہیں (۱)، اس طرح کل پندرہ قسمیں ہوتی ہیں، جن کے بیان کی ذمہ داری فقہا نے لی ہے۔ جس طرح اسلام کا خلاصہ ان پانچ ابواب میں ہے، اسی طرح احادیث کا خلاصہ آٹھ ابواب میں ہے، وہ آٹھ یہ ہیں: احکام، عقائد، سیر، مناقب، فتن، رقاق، تفسیر، آداب۔

کوئی بھی حدیث ہوگی وہ ان میں سے کسی ایک باب میں ہوگی، ان آٹھ ابواب کو محدثین بیان کرتے ہیں۔

---

(۱) رد المحتار: ۱/۳۷

احکام کا مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث جن سے فقہانے مسائل مستنبط کئے ہیں، ان کی مستقل کتابیں بھی ہیں، جن میں فقط احکام کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

عقائد سے مراد وہ احادیث ہیں جن سے کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ سیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث جن میں غزوات کے حالات اور دیگر واقعات کا تذکرہ ہو۔ مناقب سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی فضیلت اور منقبت بیان فرمائی ہو۔ فتن سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں قربِ قیامت کے حالات اور اشراط الساعۃ یعنی قیامت کی علامات کا ذکر ہو۔ رقاق کا مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث جن میں رقت قلبی پیدا کرنے والی احادیث مذکور ہوں، اس کو زہد وغیرہ کا عنوان بھی دیتے ہیں۔ تفسیر سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت کی تفسیر کی ہو، قرآن کی کسی آیت کا مطلب اور اس کا مصداق بتلایا ہو۔ اور آداب کا مطلب یہ ہے کہ ایسی روایات جن میں ہر چیز کے آداب ہوں، کھانے کے، پینے کے، اٹھنے، بیٹھنے کے وغیرہ تمام آداب ہوں وہ احادیث آداب کہلاتی ہیں۔ ان میں سے ہر باب پر مستقل کتابیں بھی ہیں، جیسے مناقب میں "**القول الصواب في مناقب عمر بن الخطاب**"، امام ابوعبد الرحمٰن نسائیؒ کی "**القول الجلي في مناقب علي**"، اس کے علاوہ "**الحلية في مناقب أهل بيت**" وغیرہ کتابیں ہیں، آداب میں جیسے امام بخاریؒ کی "**الأدب المفرد**" اور اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں، غرض یہ کہ علمانے ہر باب کی حدیثوں کو مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے اور اس پر کتابیں لکھیں۔ اسی طرح ایسی کتابیں بھی

ہیں جن میں آٹھ کے آٹھ ابواب کی احادیث جمع ہیں۔ جو کتاب ان آٹھوں ابواب کی احادیث پر مشتمل ہو اسے جامع کہتے ہیں، جیسے جامع بخاری امام بخاریؒ کی، امام مسلمؒ کی مسلم کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس کو جامع نہیں کہیں گے؛ کیوں کہ اس میں تفسیر کی احادیث بہت کم ہیں، مجد الدین شیرازی صاحبِ قاموس اور حاجی خلیفہ صاحبِ کشف الظنون نے اس کو جامع کہا ہے کہ چاہے احادیثِ تفسیر کم ہوں؛ مگر ہیں تو سہی، اور نفسِ وجود اس کا کافی ہے(۱)۔ ہماری یہ کتاب ''مشکاۃ المصابیح'' میں بھی کتاب التفسیر نہیں ہے، اس وجہ سے عند البعض اس پر جامع کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جامع کہا جائے گا، اس لیے کہ اگر چہ مستقلاً اس میں کتاب التفسیر نہیں ہے؛ مگر چوں کہ صاحبِ کتاب نے جا بجا تفسیری روایات کو جمع کیا ہے، اگر چہ وہ کم ہی ہیں اور باقی

---

(۱) عجالۂ نافعہ مع فوائدِ جامعہ: ۱۵، العرف الشذی مع جامع الترمذی: ص۲، قال شيخ الإسلام العلامة شبير أحمد العثمانيؒ: قلت: قد أطلق عليه اسم الجامع الشيخ مجد الدين الشيرازيؒ صاحب القاموس حيث قال: ختمت بحمد الله جامع مسلم، فكأنه لم يلتفت إلى قلة التفسير فيه، و لعل سبب هذه القلة قلة الأحاديث الصحيحة الواردة فيه، المستجمعة لشروط مسلم رحمه الله، و أكثر ما يورده البخاري وغيره في أبواب التفسير إما أحاديث قد ذكرت مرارًا في سائر أبواب الكتاب لشدة مناسبتها بتراجمها، ثم كررت في كتاب التفسير، و إما آثار موقوفة، و أقوال تفسيرية غير مرفوعة، و ما دون ذالک قليل. و مسلم رحمه الله متجانب عن التكرار، ومتباعد عن نقل الأقوال و الآثار التي ليست بمسندة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فلهذا قلت مادة التفسير في بابه.
(فتح الملہم: ۱/ ۲۲۰، کشف الظنون: ۱/ ۵۵۵)

اس میں سات ابوابِ حدیثیہ موجود ہیں، اس لیے ''للأکثر حکم الکل'' کے تحت اس پر بھی جامع کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، بہر حال ''للأکثر حکم الکل'' کے قاعدہ کے اعتبار سے اگر کہہ دیا جائے تو ہو سکتا ہے؛ ورنہ حقیقت میں وہی جامع ہے جس میں یہ آٹھوں ابواب ہوں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اُسے ذکر کیا ہے(۱)، اُنہیں ایک شاعر نے شعر میں اس طرح جمع کر دیا ہے ؎

سیر ، آداب و تفسیر و عقائد
رقاق و احکام و اشراط و مناقب

بعض لوگوں نے شعر اس طرح بھی بیان کیا ہے ؎

سیر آداب و تفسیر و عقائد
فتن ، احکام و اشراط و مناقب(۲)

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ ابواب ''مشکاۃ المصابیح'' میں کہاں ہیں؟ تو کتاب الآداب مکمل جلد ثانی میں ہے، اس کے علاوہ ابواب الفتن، احادیثِ مناقب، کتاب السیر، کتاب الرقاق، یہ پانچ ابواب تو مکمل جلد ثانی میں ہیں۔ اب رہ گئے صرف دو احکام و عقائد، کیوں کہ تفسیر تو اس میں ہے نہیں، احکام میں بھی نکاح وغیرہ کچھ

---

(۱) عجالۂ نافعہ: ۱۵

(۲) امداد الباری: ۱/۴۸۲ پر یہ شعر اسی طرح مذکور ہے؛ اسی کے قریب قریب العرف الشذی، کشف الباری اور درس ترمذی میں مذکور ہے؛ مگر فتن اور اشراط سے مراد ایک ہی چیز ہے جس کی وجہ سے رقاق خارج ہو جاتے ہیں اس لیے اوپر والا شعر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسماعیل عفا اللہ عنہ

معاملات کا بیان ثانی میں ہے، بقیہ عبادات وعقائد مکمل یہ صرف جلد اول میں ہیں، تو ثانی اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں ابواب زیادہ ہیں، اس وجہ سے وہ اول کی بنسبت طویل ہے؛ مگر پھر بھی جلد اول کو اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ اس میں عقائد و عبادات جیسے اہم ابواب ہیں۔ یہ اہمیت تعلیم کے اعتبار سے ہے، ورنہ فی نفسہٖ من حیث الحدیث تمام اہم ہیں۔ مبادیٔ عشرہ مکمل ہو چکے، تو دس بحثیں اس کی اور اس کے علاوہ ابتدا میں تین بحثیں: حدیثِ مسلسل بالاولیۃ، شرائطِ حدیث اور آدابِ حدیث اور ایک بحث مبادیات میں مرتبۂ علمِ حدیث کی بیان ہوئی۔ اس طرح یہ کل چودہ بحثیں اب تک مکمل ہو چکیں، اب آگے پندرہویں بحث ہے اور وہ ہے طبقاتِ کتبِ حدیث کی بحث، یہ بحث بھی ایک مستقل اور اہم بحث ہے۔

طبقاتِ کتبِ حدیث

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے دو کتابیں لکھیں: ایک ''عجالۂ نافعہ'' اور دوسری ہے ''ما یجب حفظه للناظر'' اول فارسی میں ہے اور دوسری عربی میں ہے، دونوں کتابیں مختصر ہیں زیادہ طویل نہیں؛ مگر نہایت جامع ہیں۔ ''عجالۂ نافعہ'' میں آپ نے چار طبقات کتبِ حدیث کے ذکر کیے ہیں، اور ''ما یجب حفظه للناظر'' میں پانچ طبقات بیان کیے ہیں (۱)، دونوں میں کوئی تعارض نہیں تطبیق ممکن ہے، ''عجالۂ نافعہ'' میں جو انہوں نے چار طبقات بتلائے ہیں وہ ان کے والد ماجد

---

(۱) عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ: ۳۰

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا قول ہے (۱)، اور دوسری کتاب میں جو پانچ طبقات ذکر کیے ہیں وہ ان کی اپنی رائے ہے، شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بھی ان طبقات کا ذکر کیا ہے (۲،۳)۔ تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ اول قول میں انہوں نے شہرت وصحت دونوں کی رعایت کی ہے یعنی وہ کتابیں جن کی روایتیں شہرت کے درجہ کی ہیں اور صحیح بھی ہیں، اور دوسرے قول میں صرف شہرت کی رعایت ہے (۴)۔ صحت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصنف یہ التزام کرلے کہ وہ اپنی کتاب میں صحیح روایت ہی کو بیان کرے گا، پھر اگر وہ کوئی روایت ضعیف بھی نقل کرے تو اس کی تصریح کردے، تو ان کی کتاب کو صحیح کہا جائے گا، یہ پہلا طبقہ ہے، اس طبقہ میں تین کتابیں داخل ہیں، ''أم الصحیحین'' یعنی موطا امام مالک اور صحیحین بخاری شریف اور مسلم شریف، قاضی عیاض مالکی نے ''مشارق الانوار'' میں ان تینوں کتابوں کی روایات کو جمع کردیا ہے۔ دوسرے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جن کو اول کی طرح شہرت وصحت حاصل نہیں (یہ یاد رہے کہ اس سے کسی مصنف یا امام کا مرتبہ کم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ تذکرہ اور درجہ کا فرق مؤلفات میں ہے، مصنّفین میں نہیں) اس دوسرے طبقہ میں بھی تین کتابیں

---

(۱) شاہ صاحب کا یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے لامع الدراری میں نقل کردیا ہے۔ دیکھیے الکنز المتواری: ۱/۲۱۲ (۲) حجۃ اللہ البالغہ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲/۵۰۴

(۳) مگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرف اس کی مشکل ہے، اس لیے کہ اگر حضرت کی یہ رائے ہوتی تو حجۃ اللہ البالغۃ میں چار ہی طبقات ذکر فرماتے، حال آں کہ آپؒ نے پانچ ذکر کیے ہیں۔ اسماعیل کوثر غفرلہ

(۴) امداد الباری: ۱/ ۴۹۸

داخل ہیں: سننِ ترمذی، سننِ ابی داؤد اور سننِ ابن ماجہ (۱) شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ مسندِ امام احمد بن حنبل کو بھی اس طبقہ میں داخل کرنا چاہیے، اپنے اس خیال کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے، اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اس کے شرائط ابوداؤد کے شرائط کے بالکل مشابہ ہیں (۲)۔ (ہر مصنف اپنی کتاب کی روایت جمع کرنے میں کچھ شرائط لگاتا ہے جیسے امام بخاریؒ نے یہ التزام کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی راوی کی روایت نہ لیں گے جب تک کہ وہ یہ نہ کہے کہ میں نے خود مروی عنہ سے سنا ہے تو سماعت ان کے نزدیک شرط ہے؛ مگر یہ سماع ایک مرتبہ کافی ہے، یعنی وہ راوی کسی ایک روایت میں یہ کہہ دے کہ میں نے مروی عنہ سے سنا ہے تو پھر دوبارہ اس کی روایت آئے تو اس کی تصریح کی ضرورت نہیں، ایک مرتبہ صراحت کافی ہے۔ امام مسلمؒ نے سماع کو شرط قرار نہیں دیا، ان کی شرط یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو، بس دونوں کا ہم عصر ہونا ثابت ہو جائے یہ کافی ہے اس کی روایت وہ لے لیں گے، وہ حسنِ ظن کی وجہ سے سماع کو شرط قرار نہیں دیتے۔ (۳) ہر ایک کا اپنا مزاج ہے، حاصل یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ مسندِ احمد اس طبقہ میں داخل کی جائے؛ مگر دوسرے بعض حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے ابن ماجہ کی جگہ نسائی کو شمار کیا ہے؛ البتہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ کو بھی اس طبقے میں شمار کیا جا سکتا ہے؛ مگر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو تیسرے طبقے ہی میں شمار کیا ہے۔ (عجالۂ نافعہ: ۵)، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسندِ احمد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔ (عجالۂ نافعہ: ۳۱)

(۲) الکنز المتواری: ۱/۲۱۳ (۳) مقدمۂ مسلم: ۱/۲۱

ہے کہ علامہ عراقیؒ نے اس کی نو روایات کو موضوع قرار دیا ہے، موضوع اور ضعیف میں فرق ہے، ضعیف کا مطلب یہ ہے کہ فی نفسہٖ حدیث تو ٹھیک ہے' صحیح ہے؛ مگر رواۃ میں کلام ہے، اور موضوع میں چاہے راوی صحیح ہوں؛ مگر نفسِ حدیث ہی غلط ہوتی ہے اور مضمون اس کا من گھڑت ہوتا ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے بھی روایات کو جمع کرتے ہوئے بعض روایات کو موضوع قرار دیا ہے؛ مگر حافظ ابن حجرؒ نے "**القول المسدد في الذب عن مسند الإمام أحمد**" میں علامہ عراقیؒ اور ابن الجوزیؒ کی ان روایات پر کلام کیا ہے جن کو انہوں نے "مسندِ احمد" میں موضوع بتلایا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی "**القول الحسن في الذب عن السنن** اور **النکت البدیعات علی الموضوعات**" نامی کتاب میں اس کا رد کیا ہے، غرض یہ کہ ان لوگوں نے یہ کوشش کی کہ وہ روایات مسند احمد کی جن کو علامہ عراقیؒ اور ابن جوزیؒ موضوع کہہ رہے ہیں وہ درحقیقت موضوع نہیں (۱)۔ غرض یہ کہ یہ بھی دوسرے طبقہ میں داخل ہے۔ (۲)

---

(۱) سنن اربعہ کی جن روایات پر کلام کیا گیا ہے ان پر تحقیقی کلام کے لیے ملاحظہ فرمائیں حضرت الاستاذ، محدثِ جلیل، ناقدِ حدیث حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم کی بے مثال کتاب الیواقیت الغالیۃ، جلد چہارم: فإن فیه غنما کبیرا للطالبین و المعلمین.

(۲) الکنز المتواری: ۱/۲۶۸

تیسرا طبقہ:

اس میں ان مصنّفین کی کتابیں داخل ہیں جنہوں نے صحت کا التزام نہ کیا ہو، ویسے ہی تمام روایات کو جمع کرلیا ہو، اس طبقہ میں مسندِ امام شافعی، مسندِ دارمی، مسندِ ابن ابی شیبہ، مستدرکِ حاکم، صحیح ابن حبان اور امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار وغیرہ داخل ہیں۔

چوتھا طبقہ:

اس طبقہ میں وہ کتابیں داخل ہیں جن میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جو قرونِ اولیٰ میں نہ تھیں، یعنی احادیثِ موضوعہ کو جمع کیا جائے، اور منشاء اس کا یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ احادیث موضوع ہیں؛ تا کہ صحیح سے تمیز ہو جائے اس طبقہ میں مسندِ فردوس للدیلمی، مسندِ شاہین، ابن حبان کی ”**كتاب الضعفاء**“ وغیرہ داخل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے دوسری کتاب (**ما يجب حفظه للناظر**) میں جو پانچ طبقات ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں:

پہلا طبقہ:

وہ مؤلفین جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا، صحیح اور دوسری احادیث میں فرق کر دیا ہو، ایسے حضرات کی کتابیں طبقۂ اولیٰ میں داخل ہیں، اس میں ”صحیح ابن حبان، صحیحین، **أم الصحيحين** (موطا)، صحیح ابن خزیمہ، مستدرکِ حاکم، مستدرکِ ابی عوانہ“ وغیرہ داخل ہیں، بعضوں نے امام طحاویؒ کی ”شرح معانی الآثار“ کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

دوسرا طبقہ:

اس میں وہ کتابیں ہیں جو بالکل صحیح پہلے درجہ کی نہ ہوں؛ بل کہ ان کی احادیث قابلِ عمل ہوں، گویا حسان کے درجہ کی روایات ہوں، صحاح کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح کے معیار پر ہو، کوئی راوی اس کا ضعیف نہ ہو، اور حسان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں راوی کمزور ہوں؛ مگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اس سے اس ضعف کا انجبار اور تلافی ہو جاتی ہو، یہ عام محدثین کی اصطلاح میں ہے، ورنہ ایک اصطلاح خاص بھی ہے جو صاحبِ مشکاۃ کی ہے کہ وہ جہاں صحاح بولتے ہیں وہاں مراد فصلِ اول کی روایات ہوتی ہیں، اور جب حسان بولتے ہیں تو فصلِ ثانی کی روایات مراد لیتے ہیں، یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ تیسری فصل تو خود صاحبِ مشکاۃ کی ہے، اس میں انہوں نے ساری روایاتِ مشترکہ جمع کی ہیں۔ اس طبقہ میں سننِ ثلاثہ داخل ہیں یعنی سننِ ترمذی، سننِ نسائی اور سننِ ابوداؤد۔

تیسرا طبقہ:

اس میں وہ روایات ہیں جو قابل تأمل ہوں، ان کی نہ تصحیح کی جاتی ہو اور نہ تغلیط، اس طبقہ میں مسندِ ابی داؤد طیالسی، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق وغیرہ داخل ہیں، یہ تیسرا طبقہ ہے۔

چوتھا طبقہ:

اس میں وہ روایات ہیں جن پر بلا سوچے عدم صحت اور ضعف کا حکم لگا دیا جائے، تأمل کی ضرورت نہ ہو، اس طبقہ میں حکیم ترمذی کی نوادر الاصول، ابن عدی کی کامل اور مسندِ فردوس للدیلمی وغیرہ داخل ہیں۔

پانچواں طبقہ:

اس میں وہی موضوع روایات کو جمع کیا جائے اور منشاء اس کا اس پر دوسروں کو اطلاع کرنا ہو؛ تاکہ احتیاط ہو سکے، اس میں علامہ شوکانیؒ کی کتاب ''الفوائد المجموعة'' ملا علی قاریؒ کی ''موضوعاتِ صغریٰ'' اور ''موضوعاتِ کبریٰ'' اس کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، محدث علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ موضوعات ابن جوزی بھی بہت مشہور ہے؛ مگر وہ بڑے سخت تھے، حتی کہ انہوں نے بخاری کی بھی ایک روایت کو موضوع کہا ہے، اور ترمذی کی بیس روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ پانچواں طبقہ ہے، طبقاتِ کتبِ حدیث کی یہ بحث بھی پوری ہو چکی (۱)۔

اقسامِ حدیث

اس بحث میں حدیث کے اقسام بیان ہوں گے، اور اس کی ضرورت یہ ہے کہ آئندہ حدیث میں کہیں تو مصنف کہیں گے: ''هذا حديث صحيح'' کہیں کہیں گے، ''هٰذا حديث حسن غريب'' وغیرہ تو اب ضرورت ہے اس بات کی کہ صحیح وحسن وغیرہ کو بھی معلوم کیا جائے، اس وجہ سے یہ بحث یہاں بیان کی جارہی ہے ورنہ درحقیقت اس کا تعلق درایتِ حدیث اور اصولِ حدیث سے ہے، اس بحث میں اقسام حدیث کو ذکر کیا جائے گا، حدیث کا لفظ قرآن میں واحد اور جمع دونوں طرح

---

(۱) امداد الباری: ۱/ ۴۹۹، ما يجب حفظه للناظر ضمن الكنز المتواري: ۱/ ۲۱۲

مستعمل ہوا ہے۔ جیسے ”ومن أصدق من اللّٰہ حدیثا، فبأي حدیث بعدہ یؤمنون، ھل أتک حدیث ضیف إبراھیم“ یہ تو مفرد ہے اور جیسے ”من تأویل الأحادیث“ وغیرہ اس میں جمع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحابہ رضی اللہ عنہم کو براہِ راست پہنچیں تو جس طرح قرآن قطعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے، اس طرح حدیث بھی قطعی اور اس کا منکر بھی کافر ہوگا؛ مگر ہم تک ان احادیث کے پہنچنے میں ظنّیت پیدا ہوگئی، اور یہ رواۃ کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہوا؛ لہٰذا اب وہ حکم نہ رہا۔ غرض حدیث کی دو حیثیتیں ہیں: ایک ہمارے اعتبار سے اور دوسری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے وہ قطعی ہے، اس میں ظن کا کوئی سوال نہیں؛ کیوں کہ جس طرح قرآن من اللہ ہے اس طرح حدیث بھی من اللہ ہی ہے ”إن ھو إلا وحي یوحٰی“ (۱) دونوں اللہ کی طرف منسوب ہیں، فرق اتنا ہے کہ قرآن متلو ہے اور حدیث غیر متلو، پھر حدیث میں بھی ایک حدیث قدسی ہوتی ہے، اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف واسطہ ہوتا ہے، کلام اللہ کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ خود ہی براہِ راست خطاب فرماتے ہوں جیسے قرآن میں ہوتا ہے، اسے حدیث قدسی کہتے ہیں، اور جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود خطاب کرتے ہوں اسے حدیثِ نبوی کہتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں مطلوب ہیں جب کہ حدیث کے صرف معانی مطلوب ہیں، الفاظ نہیں، یہ حدیث کی حیثیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے ہے۔ دوسری حیثیت جو ہمارے اعتبار سے ہے، اس میں

---

(۱) النجم: آیت ۴

چوں کہ قطعیت تمام میں نہ رہنے کی وجہ سے حدیث کے درجے کرنے پڑے، پھر یہ حدیث کے اقسام ہمارے اعتبار سے متعین کرنے پڑے ہیں، قرآن کے یہ اقسام نہیں، حدیثِ قدسی اور قرآن میں متعدد فرق ہیں گو دونوں میں خطاب بندوں کو اللہ تعالیٰ براہ راست کرتے ہیں، وہ فرق یہ ہیں:

پہلا فرق : قرآن کے الفاظ و معانی دونوں مقصود ہیں جب کہ حدیثِ قدسی کے صرف معانی مقصود ہوتے ہیں، الفاظ نہیں، یہ پہلا فرق ہے۔

دوسرا فرق : قرآن میں فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور حدیثِ قدسی میں واسطہ نہیں ہوتا۔

تیسرا فرق : قرآن کا نماز میں پڑھنا جائز ہے، حدیثِ قدسی کا جائز نہیں۔

چوتھا فرق : قرآن کو بے وضو نہیں چھو سکتے اور حدیثِ قدسی کو چھو سکتے ہیں۔

پانچواں فرق : قرآن کا منکر کافر ہوتا ہے اور حدیثِ قدسی کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

چھٹا فرق : قرآن متلو ہے یعنی اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور حدیثِ قدسی کی تلاوت نہیں ہوتی۔

ساتواں فرق : قرآن معجزہ ہے اور حدیثِ قدسی معجزہ نہیں۔

حدیث قدسی کا دوسرا نام ”علم اسرارِ وحی“ بھی ہے۔(۱)

غرض یہ کہ یہ حدیث کے اقسام ہیں، اوّلاً حدیث کی دو قسمیں ہیں:

خبرِ متواتر اور خبرِ واحد

---

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۲۸۰، ۲۸۱

خبرِ متواتر:

وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اتنی تعداد میں ہوں کہ ان کا توافق علی الکذب محال ہو(۱)۔ اصطلاحِ محدثین میں اسے ''خبر متواتر'' کہتے ہیں، مثلاً ہمیں یہ معلوم ہے کہ ''کلکتہ'' ایک شہر ہے، ہمیں صرف علم ہے، ہم نے صرف سنا ہے، اسے دیکھا نہیں؛ مگر اتنے لوگوں سے یہ خبر سنی ہے کہ ان تمام کا جھوٹ پر اتفاق محال ہے، یہ خبر متواتر ہے، اس وجہ سے ہم نے اسے مان لیا۔ متواتر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) تواتر لفظاً: حدیث کے الفاظ تواتر سے پہنچے ہوں، جیسے ''**من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**''۔(۲)

(۲) تواتر معناً: حدیث باعتبار معنیٰ تواتر کے ساتھ پہنچے، جیسے ''**إنما الأعمال بالنيات**'' معناً متواتر ہے۔(۳)

(۳) قدرِ مشترک: جزئیات متواتر نہ ہوں، لیکن تمام کا مجموعہ متواتر بن جائے۔(۴)

(۴) طبقہ: ہر زمانے میں ایک طبقہ اور جماعت نقل کر رہی ہو(۵،۶)۔

---

(۱) نزہۃ النظر: ۳۴، ۳۶ (۲) توجیہ النظر: ۱۳۳

(۳) ایضاً: ۱۳۳ (۴) مقدمۂ فتح الملہم: ۱/ ۲۶، ۲۷

(۵) فتح الملہم میں چار اقسام اس طرح مذکور ہیں: (۱) تواتر الاسناد (۲) تواتر طبقہ (۳) تواتر عمل و توارث (۴) تواتر قدرِ مشترک۔ اوپر جو تواتر کی تعریف کی گئی ہے وہی تعریف تواتر اسناد کی ہے، اور تواتر توارث یہ ہے کہ ہر دور میں ایک جمِّ غفیر کا اس پر عمل ہو، جس کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو، باقی دو کی تعریفات اوپر گزر چکیں۔

(۶) مقدمۂ فتح الملہم: ۱/ ۲۶، ۲۷

خبرِ واحد:

یہ متواتر کی ضد ہے، دونوں آپس میں قسیم کا تعلق رکھتے ہیں، وہ حدیث جس کے راویوں کی اتنی تعداد نہ ہو وہ ''خبرِ واحد'' ہے، آیندہ آنے والے اقسام خبرِ واحد ہی کے ہیں۔

خبرِ واحد کی سات تقسیمات ہیں، اجمال ان کا یہ ہے:

(۱) باعتبار انتہائے سند کے

(۲) باعتبار تعدادِ رواۃ کے

(۳) باعتبار تحققِ روایت کے

(۴) باعتبار صیغ ادا کے

(۵) باعتبار قلتِ وسائط وعدم قلت وسائط کے

(۶) باعتبار رواۃ کے

(۷) باعتبار طریقۂ روایت کے

تقسیمِ اول:

جو باعتبار انتہائے سند کے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سند کی انتہا ہو۔ ایک ہے سند، ایک ہے متن اور ایک ہے اِسناد، روایت کو نقل کرنے سے پہلے جو راوی سے مروی عنہ تک کا سلسلہ ذکر کیا جائے، رواۃ و وسائط کو بیان کیا جائے اُسے ''سند'' کہتے ہیں، اور سند ختم ہونے کے بعد جو روایت شروع ہوتی ہے اسے ''متن''

کہتے ہیں، اور روایت کو اس طرح سند کے ساتھ ذکر کرنا یہ ''اِسناد'' کہلاتا ہے(۱)، اس تقسیم کے تحت تین اقسام ہیں: مرفوع، موقوف، مقطوع، مرفوع وہ ہے کہ ''ما انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم''، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اسے مرفوع کہتے ہیں (۲)، اور ''موقوف'' کہتے ہیں، ''ما انتهى إلى الصحابي رضي اللّٰه عنه''، صحابی تک جو پہنچے اسے ''موقوف'' کہتے ہیں (۳)، اور مقطوع کہتے ہیں: ''ما انتهى إلى التابعي رحمه اللّٰه تعالىٰ'' تابعی تک جو پہنچے وہ ''مقطوع'' ہے(۴)۔

تقسیمِ ثانی:

اس میں یہ ذکر ہوتا ہے کہ راویوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس کے تحت بھی چار اقسام ہیں: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔ متواتر کی تعریف تو پہلے گزر چکی، بقیہ کی تعریف یہ ہے۔

مشہور: اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راوی ہر زمانہ میں تین سے کم نہ ہوں، کم از کم تین ہوں۔(۵)

---

(۱)في توجيه النظر: ۱/ ۸۹، أما السند فهو في اللغة مااستندت إليه من جدار و غيره، وهو في العرف طريق متن الحديث، و سمي سندا لاعتماد الحفاظ في صحة الحديث و ضعفه عليه. والمتن في أصل اللغة الظهر، و ما صلب من الأرض وارتفع، ثم استعمل في العرف فيما ينتهي إليه السند. والإسناد مصدر من قولك: استندت الحديث إلى قائله، إذا رفعته إليه بذكر ناقله.

(۲)نزہۃ النظر: ۱۳۶ (۳)نزہۃ النظر: ۱۴۴ (۴)نزہۃ النظر: ۱۴۹ (۵)نزہۃ النظر: ۴۴

عزیز: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ہر زمانہ میں دو سے کم نہ ہوں، کم از کم دو ہوں۔(۱)

غریب: وہ حدیث ہے جس کے راوی کہیں بھی ایک ہو جائے، دوسرے زمانہ میں چاہے کتنے ہوں، یہ غریب فی السند ہے، اور غریب فی المتن جیسے "یتحنث"۔(۲)

مشہور کا دوسرا نام مستفیض ہے، اس اعتبار سے دونوں میں تساوی ہے (۳)، بعض دونوں میں عموم مطلق کی نسبت بتلاتے ہیں۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں ایک طریقہ پر ہو، مثلاً ہر زمانہ میں اس کے راوی چار ہوں، یا پانچ ہوں وغیرہ۔ مشہور میں ایک طریقہ کی قید نہیں اور مستفیض میں یہ ضروری ہے، حاصل یہ نکلا "**کل مستفیض مشهور ولا عکس**"۔(۴)

تقسیمِ ثالث:

یہ تقسیم باعتبار تحققِ روایت کے ہے، اس کی اولاً دو قسمیں ہیں: مقبول اور مردود، مطلب اس کا یہ ہے کہ روایت کی تحقیق ہوگی، اگر اس کے رواۃ اعلیٰ درجہ کے ہوں گے تو وہ مقبول ہوگی ورنہ مردود ہوگی، ان میں سے ہر ایک کی پھر تین تقسیمات ہیں:

---

(۱) نزہۃ النظر: ۴۶ (۲) نزہۃ النظر: ۵۱

(۳) نزہۃ النظر: ۴۴ (۴) نزہۃ النظر: ۴۵

مقبول کی تقسیمات:

(۱) تقسیمِ اول: اس کی چار قسمیں ہیں، یہ تقسیم باعتبار صحت وحسن کے ہے۔

چار قسمیں یہ ہیں:

صحیح لعینہٖ، صحیح لغیرہٖ، حسن لعینہٖ اور حسن لغیرہٖ، اب چاروں کی تعریف جانئے کہ کسے کہتے ہیں؟

صحیح لعینہٖ: وہ حدیث جس کے کل راوی عادل اور کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو اور شذوذ وعلت سے پاک ہو۔(۱)

صحیح لغیرہٖ: اس حدیث حسن لذاتہٖ کو کہتے ہیں، جس کی سندیں متعدد ہوں۔(۲)

حسن لعینہٖ: وہ حدیث جس کے راوی میں صرف ضبط ناقص ہو، باقی سب شرائط صحیح لذاتہٖ کے اس میں ہوں۔(۳)

حسن لغیرہٖ: اس حدیثِ ضعیف کو کہتے ہیں جس کی سندیں متعدد ہوں۔(۴)

(۲) مقبول کی تقسیم ثانی باعتبار تعارض کے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دو ایسی روایتیں مروی ہوں جن میں بظاہر تعارض ہو، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا، اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کھڑے ہو کر پیشاب کیا، اس طرح کئی روایتیں بظاہر متعارض آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، تو اب ان میں تطبیق کی

---

(۱) نزہۃ النظر: ۶۲ (۲) نزہۃ النظر: ۶۲

(۳) نزہۃ النظر: ۶۳ (۴) نزہۃ النظر: ۱۳۵

ضرورت ہے، تو اس تعارض کے اعتبار سے یہ تقسیم ہے، اس اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں: محکم، مختلف اور ناسخ ومنسوخ۔

محکم: وہ روایت کہ جس کے مقابلہ میں اس کے معارض کوئی دوسری روایت نہ ہو، اسے محکم کہتے ہیں۔(۱)

مختلف: وہ روایت کہ جس کے معارض کوئی روایت تو ہو؛ مگر ان میں تطبیق دی جاسکتی ہو۔(۲)

ناسخ ومنسوخ: متعارض روایتیں ہوں اور ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، پھر اگر تاریخ سے ان کے تقدم وتاخر کا پتہ چل جائے تو موخر کو ناسخ اور مقدم کو منسوخ مانیں گے۔(۳)

(۳) مقبول کی تقسیمِ ثالث:

یہ تقسیم باعتبار مخالفت کے ہے، مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کی مخالفت دوسرا راوی کرتا ہو، اس کی چار قسمیں ہیں: محفوظ، شاذ، معروف، منکر۔

محفوظ: اوثق راوی نے کوئی روایت نقل کی اور ثقہ نے اس کی مخالفت کی تو اوثق کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔(۴)

شاذ: اوثق کے مقابل ثقہ راوی کی روایت کو شاذ کہتے ہیں۔(۵)

---

(۱) نزہۃ النظر: ۹۳

(۲) نزہۃ النظر: ۹۳

(۳) نزہۃ النظر: ۹۵

(۴) نزہۃ النظر: ۸۷، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۳۳۱

(۵) نزہۃ النظر: ۸۷، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۳۳۶

معروف: اگر مخالفت کرنے والا راوی ضعیف ہے اور وہ ثقہ کی مخالفت کرتا ہے تو ثقہ کی روایت معروف ہے۔(۱)

منکر: اور اس کے مقابل اس ضعیف کی روایت کو منکر کہتے ہیں۔(۲) یہ مقبول کی تین تقسیمات تھیں اب مردود کی تین تقسیمات کا بیان ہے:

مردود کی تقسیمات

تقسیمِ اول:

باعتبار سقوط وعدمِ سقوط کے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی راوی روایت سے کسی واسطہ کو ساقط کر دیتا ہے، حذف کر دیتا ہے، تو اگر حذف نہ ہو تو اسے عدمِ سقوط اور حذف ہو تو اسے "سقوط" کہتے ہیں۔عدمِ سقوط کے اعتبار سے روایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) مسند۔

متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی مذکور ہوں، اسے متصل کہتے ہیں۔(۳)

مسند: وہ حدیث جس کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو، اسے مسند کہتے ہیں۔(۴)

---

(۱) نزہۃ النظر: ۸۸، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۳۳۷

(۲) نزہۃ النظر: ۸۸

(۳) نزہۃ النظر: ۱۵۱

(۴) نزہۃ النظر: ۱۵۱

سقوط کی دو قسمیں ہیں:

واضح اور غیر واضح، واضح کا مطلب یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں راوی ساقط ہے، مثلاً راوی اور مروی عنہ دونوں معاصر نہ ہوں اور وہ ان سے سننے کا دعویٰ کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے درمیان کا واسطہ ساقط کر دیا ہے۔ اور غیر واضح کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سقوط کا پتہ نہ چلتا ہو، اب اس میں دونوں احتمال ہے کہ واسطہ ہی نہ ہو یا ہے مگر ساقط کر دیا ہو، تو علم نہ ہونے کی وجہ سے اسے غیر واضح کہتے ہیں (۱)، سقوط غیر واضح کی ایک قسم ہے: مدلس۔

مدلس: وہ حدیث جس کے راوی کی عادت یہ ہے کہ اپنے استاذ یا شیخ کا نام چھپالیتا ہو۔

تدلیس کہتے ہیں: "**إخفاء العیب في المبیع**" کو، یہاں بھی وہ نام کو چھپاتا ہے اس وجہ سے اسے تدلیس کہتے ہیں۔ (۲)

سقوطِ واضح کی چار قسمیں ہیں:

(۱) معلق (۲) مرسل (۳) معضل (۴) منقطع۔

معلق: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے شروع میں ایک یا کئی راوی ساقط ہوئے ہوں۔ (۳)

مرسل: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے آخر سے کوئی راوی ساقط ہوا ہو، جیسے صحابی کا ذکر نہ ہو۔ (۴)

---

(۱) نزہۃ النظر: ۱۰۴ (۲) نزہۃ النظر: ۱۰۶ (۳) نزہۃ النظر: ۹۹ (۴) نزہۃ النظر: ۱۰۱

معضل: وہ حدیث ہے جس کے درمیان سے ایک سے زائد راوی پے در پے ساقط ہوں۔(۱)

منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو، کہیں نہ کہیں کوئی راوی ساقط ہو۔(۲)

تقسیمِ ثانی:

یہ مردود کی دوسری تقسیم ہے، یہ باعتبار طعن فی العدالۃ کے ہے، اس کے اسباب اس کے عیوب کے اعتبار سے ہوں گے۔ طعن فی العدالت کے پانچ اسباب ہیں:

(۱) کذب (۲) اتہامِ کذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت (۳)

تقسیمِ ثالث:

یہ تقسیم باعتبار طعن فی الحافظہ کے ہے، اس میں بھی حافظہ پر طعن ہوتا ہے، اس کے اسباب بھی اسی کے اعتبار سے ہوں گے، طعن فی الحفظ کے بھی پانچ اسباب ہیں:

(۱) سوئے حفظ (۲) غفلت (۳) کثرتِ غفلت (۴) وہم (۵) مخالفت

یہ مردود کی تین تقسیمات ہیں۔(۴)

تقسیمِ رابع:

یہ تقسیم باعتبار صیغِ ادا کے ہے، یہ خبرِ واحد کی چوتھی تقسیم ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ روایت کرتے وقت کسی خاص صیغہ کی رعایت کی جائے، جیسے لفظ عَنْ، یا اس کے علاوہ کوئی اور لفظ کہ پوری روایت میں اس کی رعایت کی جائے، اس اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مسلسل (۲) اور معنعن۔(۵)

---

(۱) نزہۃ النظر: ۱۰۳ (۲) نزہۃ النظر: ۱۰۴ (۳) نزہۃ النظر: ۱۰۹، ۱۱۰ (۴) نزہۃ النظر: ۱۱۰ (۵) نزہۃ النظر: ۱۶۴

مسلسل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں صیغِ ادا یا راویوں کی صفات و حالات ایک طرح ہوں۔(۱)

معنعن: وہ حدیث ہے جس کی سند میں لفظ عَنْ ہو، اور اس طرح روایت کرنے کو ''عنعنہ'' کہتے ہیں۔(۲)

تقسیمِ خامس:

یہ تقسیم باعتبار قلتِ وسائط کے ہے، یعنی کسی میں کم ہوں اور کسی میں زیادہ ہوں، مثلاً ہمارے حضرت الاستاذ کی سند کہ ان کی ایک سند حضرت شاہ ولی اللہؒ تک آٹھ واسطوں سے پہنچ پاتی ہے جب کہ دوسری سند صرف تین واسطوں سے پہنچ جاتی ہے۔ زیادہ واسطوں والی سند کو نازل اور سافل کہتے ہیں (۳)، اور کم واسطوں والی کو سند عالی کہتے ہیں (۴)، پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور نسبی، یعنی نزولِ مطلق، نزولِ نسبی، اس طرح علوِ مطلق اور علوِ نسبی، عامۃً سند کے دو حصے کئے جاتے ہیں، ایک استاذ سے مصنف تک اور دوسرا وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک، ہمارے یہاں تین حصے ہوتے ہیں، ایک استاذ سے حضرت شاہ ولی اللہؒ تک، دوسرا شاہ صاحب سے مصنف کتاب تک، اور تیسرا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک؛ ورنہ عامۃً دو ہی حصے ہوتے ہیں، اول مصنف تک کے سلسلہ کو نسبی اور دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سلسلہ کو مطلق کہتے ہیں، دونوں میں علو و نزول دونوں داخل ہیں۔ (۵)

---

(۱) نزہۃ النظر:۱۶۴ (۲) نزہۃ النظر:۱۶۷ (۳) نزہۃ النظر:۱۵۶ (۴) نزہۃ النظر:۱۵۱ (۵) نزہۃ النظر:۱۵۲

تقسیم سادس:

یہ تقسیم باعتبار رواۃ کے ہے، اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) روایت القرین (۲) روایتِ مدبج

(۳) روایت الاصاغر عن الاکابر (۴) روایت الاکابر عن الاصاغر۔

روایت القرین: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی و مروی عنہ دونوں ہم عصر ہوں۔(۱)

روایتِ مدبج: راوی مروی عنہ سے روایت کرے، اور وہ مروی عنہ پھر اس راوی سے روایت کرے۔(۲)

روایت الاصاغر عن الاکابر:

چھوٹا بڑے سے روایت کرے جیسے آج کل ہوتا ہے۔(۳)

روایت الاکابر عن الاصاغر:

بڑا چھوٹے سے روایت کرے، جیسے ایک صحابیؓ وہ علم وفضل میں بڑے مرتبہ کے ہوں؛ مگر عمر میں کمسن ہوں تو دوسرے بڑے صحابیؓ ان سے روایت حاصل کرتے ہیں اور اس میں کوئی استحیاء نہیں کرتے۔(۴)

تقسیمِ سابع:

یہ تقسیم باعتبار طریقۂ روایت کے ہے، اس کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) اجازت (۲) کتابت (۳) مناولہ (۴) وجادہ (۵) مشافہہ۔

---

(۱) نزہۃ النظر: ۱۵۷ (۲) نزہۃ النظر: ۱۵۸ (۳) نزہۃ النظر: ۱۵۸ (۴) نزہۃ النظر: ۱۵۹

راوی کے مروی عنہ سے روایت کرنے کے یہ پانچ طریقے ہیں۔

اجازت: کوئی کسی بڑے سے دو تین حدیث پڑھ کر اجازت طلب کرے، اسے 'اجازت' کہتے ہیں۔

کتابت: اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ شیخ اپنی سند لکھ کر اس پر دستخط کر دے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تمام احادیث لکھوادیں، پہلے یہی طریقہ تھا۔(۱)

مناولہ: اس کو کہتے ہیں کہ استاذ کی کوئی کتاب تھی اسے نقل کر کے اجازت لے لے۔(۲)

وجادہ: اس کو کہتے ہیں کہ کسی کی کتاب میں روایت پائے اور اس کو نقل کر کے پڑھے اور کوئی واسطہ نہ ہو، جیسے آج کل ہوتا ہے۔(۳)

مشافہہ: روبرو پڑھنے کو کہتے ہیں۔(۴)

اب تک سولہ ابحاث ہو چکی ہیں، اب آگے ایک اور بحث ہے اور وہ ہے اصطلاحاتِ علم حدیث کی بحث، یہ سترہویں بحث ہے۔

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۶۷۷

(۲) نزہۃ النظر: ۱۶۸

(۳) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۶۸۴

(۴) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۶۷۷

مصطلحاتِ علم الحدیث

۱۔حدیث:

"ماجاء عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کوحدیث کہتے ہیں۔(۱)

۲۔خبر:

"ماجاء عن الملوک والسلاطین" کومحدثین "خبر" کہتے ہیں۔(۲)

۳۔سنت:

"الطریقة المسلوکة في الدین من الرسول، والصحابة" کو "سنت" کہتے ہیں۔(۳)

۴۔اثر:

"ماجاء عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، والصحابة والتابعین" کو "اثر" کہتے ہیں۔

۵۔حدیثِ قدسی:

وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قول کی نسبت اللہ کی طرف فرمائیں، اللہ تعالیٰ اس میں براہِ راست خطاب کرتے ہوں۔(۴)

---

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/ ۲۸۱، نزہۃ النظر: ۲۸ (۲) نزہۃ النظر: ۲۸

(۳) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/ ۷۰۴ (۴) کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/ ۲۸۰

۶۔ صحیحین:

اس سے مراد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی کتابیں "صحیح بخاری وصحیح مسلم" ہیں۔

۷۔ شیخین:

محدثین کے یہاں اس سے مراد امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ ہیں، صحابہؓ میں اس سے مراد حضرت صدیقِ اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہوتے ہیں، فقہ حنفی میں اس سے امام ابو حنیفہؒ اور امام یوسفؒ مراد ہوتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی دوسرے فنون میں اس سے اس فن کے لوگ مراد ہوتے ہیں، جیسے منطق میں اس سے فارابی اور ابو علی سینا مراد ہوتے ہیں، وغیرہ۔(۱)

۸۔ سننِ اربعہ:

اس سے سننِ ترمذی، سننِ ابو داؤد، سننِ نسائی اور سننِ ابن ماجہ یہ کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

۹۔ صحاحِ ستہ:

اس میں صحیحین اور سننِ اربعہ داخل ہیں؛ مگر چھٹی کتاب میں اختلاف ہے، مشارقہ کے یہاں ابن ماجہ چھٹی کتاب ہے اور مغاربہ کے یہاں موطا امام مالک چھٹی ہے، بعض کہتے ہیں کہ سننِ دارمی سادسِ ستہ ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ سند کا عالی ہونا محدثین کے یہاں بہت بڑی بات سمجھی جاتی ہے، وہ سند جس میں کم سے کم واسطے ہوں

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۸۳

وہ عالی سند کہلاتی ہے، بخاری کی سب سے عالی سند ثلاثی ہے، صحاح ستہ میں کسی کی سند ثلاثی سے کم نہیں اور ثلاثی بھی فقط بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ بخاری میں بائیس، ترمذی میں ایک اور ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی ہیں جب کہ ''سننِ دارمی'' میں تیس کے قریب روایات ثلاثی ہیں، اس وجہ سے بعض نے اس کو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔(۱)

۱۰۔ اِسناد:

سند کو ذکر کرنے کا نام اِسناد ہے، سند بھی کبھی اِسناد کے معنی میں آتا ہے۔(۲)

۱۱۔ متن:

جہاں جا کر سند کی انتہا ہو اور روایت شروع ہو وہ متن ہے۔(۳)

۱۲۔ راوی:

حدیث کو روایت کرنے والا راوی کہلاتا ہے۔(۴)

۱۳۔ مروی عنہ:

جس سے حدیث کو روایت کیا جائے اسے مروی عنہ کہتے ہیں۔

۱۴۔ متفق علیہ:

وہ حدیث جس کو امام بخاریؒ و امام مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہو، اس کی اس کے علاوہ اور بھی تعریفیں ہیں۔(۵) بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس

---

(۱) مقدمۃ الشیخ عبدالحق: ۲۳، الکنز المتواری: ۱/۲۲۲ (۲) توجیہ النظر: ۱/۸۹ (۳) توجیہ النظر: ۱/۸۹
(۴) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۱۲۲ (۵) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۱۰۳، ط فیصل پبلی کیشنز دیوبند)

حدیث میں بخاری و مسلم دونوں صرف معناً متفق ہوں، لفظاً چاہے اختلاف ہو، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس کا ایک اور مطلب بیان کیا ہے جو مقدمہ میں مذکور ہے، وہ "قال الشیخ" کہہ کر اسے نقل کر رہے ہیں، شیخ کا مصداق حافظ ابن حجرؒ ہے، وہ مطلب یہ ہے کہ صحابہؓ میں بھی اتحاد ہو، دونوں کی روایت ایک ہی صحابی کی ہو، یہ مطلب پہلے دو کی بہ نسبت زیادہ خاص ہے(۱)۔ متفق علیہ کی یہ اصطلاح عام محدثین کے یہاں ہے، صاحبِ مشکاۃ جب متفق علیہ کہیں تو اس سے فصلِ اول کی بات مراد ہوتی ہے، کیوں کہ صاحبِ مصابیح نے یہ التزام کیا ہے کہ فصلِ اول میں صحیحین کی روایات ذکر کی ہیں اور فصلِ ثانی میں ان کے علاوہ دوسری کتابوں کی، اس وجہ سے فصلِ ثانی پر تو متفق علیہ کا اطلاق ہوگا نہیں، البتہ فصلِ ثالث جو صاحبِ مشکاۃ کا اضافہ ہے اس میں سب روایتیں جمع کی ہیں، تو اس پر متفق علیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے جہاں صحیحین کی روایت ہو؛ مگر متفق علیہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ روایت صرف صحیحین میں ہو اور دوسری کسی کتاب میں نہ ہو، یہ تو قوی حوالہ ہے اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کر دیتے ہیں، ذکرِ شئ ماعدا کی نفی نہیں کرتا۔ (۲)

۱۵۔ سننِ ثلاثہ:

ابن ماجہ کے علاوہ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی مراد ہیں۔

---

(۱) مقدمۃ الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مع مشکاۃ المصابیح: ۱/۲۲، ط. المکتبۃ الیوسفیہ دیوبند

(۲) مشکاۃ: ۱/۲۸

۱۶۔محدث:

”من يشتغل بالحديث“ جوعلمِ حدیث کے درس وتدریس میں مشغول ہو وہ محدث ہے۔(۱)

۱۷۔اخباری:

جواخبارِ سلاطین اورتاریخ میں مشغول ہو اسے اخباری کہتے ہیں۔(۲)

۱۸۔شیخ الحدیث:

ہمارے عرف میں جو بخاری کا مدرس ہو اُسے ”شیخ الحدیث“ کہتے ہیں، بعض مطلقاً مشغول فی الحدیث کو کہتے ہیں۔

۱۹۔سند:

وہ سلسلۂ رجال جو حدیث کے روایت کرنے میں ہوتا ہے اسے سند کہتے ہیں۔(۳)

۲۰۔مجتہد:

وہ شخص جس میں اجتہاد کے شرائط ہوں، روایت، درایت، اتقاء، اتقان وغیرہ۔

۲۱۔حافظ:

اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ایک لاکھ احادیث یاد ہوں (۳،۴)۔

---

(۱) کشاف:۲۸۱، شرح شرح نخبۃ الفکر:۱۵۴ (۲) نزہۃ النظر:۲۹

(۳) مقدمۃ الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مع مشکاۃ المصابیح:۱/۱۵، ط.المکتبۃ الیوسفیہ دیوبند

(۳) شرح شرح نخبۃ الفکر:۱۲۱ (۴) علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: الحافظ: من روى ما يصل إليه، و وعى ما يُحتاج لديه. (شرح شرح نخبۃ الفکر:۱۲۲)

۲۲۔ حجۃ:

وہ شخص جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں۔

۲۳۔ فقیہ:

وہ شخص جس کی نظر مسائل فرعیہ اور احکام جزئیہ پر ہو۔

۲۴۔ حاکم:

وہ جس کو تمام روایات متناً، سنداً اور روایتاً یاد ہوں، ''**كما في حاشية نخبة الفكر**''(۱،۲)۔

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۱۲۱ (۲) یہ ملا علی قاریؒ کی تعریفات ہیں جو آپ نے شرح شرح نخبۃ الفکر میں تحریر فرمائی ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ تعریفات محققین کے نزدیک معتبر نہیں ہیں اور متقدمین کے کلام میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے، علامہ تقی الدین سبکی نے نقل کیا ہے کہ حافظ جمال الدین مزیؒ سے پوچھا گیا کہ وہ کیا مقدار ہے جس پر حافظ کا لقب بولا جائے گا، جس پر موصوف نے فرمایا کہ اس کا مدار عرف پر ہے۔ تدریب الراوی: ۱/ ۴۸، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ قواعد فی علوم الحدیث میں رقم طراز ہیں: **وهذا هو الصواب أن مدار ذالک في كل زمان على عرف أهله، فالمحدث في زماننا: من كان كثير الاشتغال بمطالعة كتب الحديث، ودرسه، و تدريسه، والحافظ: إذا سمع الحديث عرف أنه في الصحاح أم في غيرها، والحجة: من كان قوله: ''إن في الحديث كذا'' حجة بين أقرانه لا ينكرون عليه،** اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد زاہد الکوثریؒ سے پوچھا کہ ان اصطلاحات کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ متاخرین کی اصطلاح ہے، سلف میں اس کا وجود نہ تھا، اس لیے کہ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جن محدثین کا تذکرہ فرمایا ہے انہوں نے اس تعداد کا دسواں حصہ بھی روایت نہیں کیا ہے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے اپنے رسالہ ''**أمراء المؤمنين في الحديث**'' میں بھی اس پر مفصل کلام کیا ہے جس میں آپ نے کئی حفاظ کا تذکرہ کیا ہے، جن کو حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر فرمایا ہے؛ حالاں کہ ان سے ہزار سے بھی کم روایات مروی ہیں۔ اسماعیل عفی عنہ

۲۵۔ مسند:

"من يروي الحديث بالسند المتصل" جو سند متصل کے ساتھ روایت کرے وہ "مُسْنِد" ہے۔

۲۶۔ مقری:

وہ جو روایت کو استاذ کے سامنے پڑھتا ہو، حدیث کی عبارت پڑھنے والا۔

۲۷۔ مستملی:

بعض مرتبہ طلبا زیادہ ہونے کی وجہ سے تمام کو استاذ کی آواز نہیں پہنچتی، تو جو استاذ کی آواز دوسروں کو پہنچائے اسے "مستملی" کہتے ہیں۔

۲۸۔ تحدیث:

"قراءة الأستاذ على التلميذ" استاذ پڑھے اور طلبا سنیں۔(۱)

۲۹۔ اخبار:

"قراءة التلميذ على الأستاذ" شاگرد پڑھے اور استاذ سنے، متقدمین میں پہلے تحدیث کا طریقہ رائج تھا، ہمارے یہاں آج کل اِخبار پر عمل ہے، احتیاط اول میں ہے۔(۲)

۳۰۔ صحاح وحسان:

یہ ایک مخصوص اصطلاح ہے جو عام محدثین کے یہاں نہیں، صاحبِ مصابیح

---

(۱) العرف الشذی مع الترمذی: ۳

(۲) العرف الشذی مع الترمذی: ۳

علامہ بغویؒ صحاح سے فصلِ اول کی روایات اور حسان سے فصلِ ثانی کی روایات مراد لیتے ہیں، یہ دونوں امام بغویؒ کی اصطلاح ہے، عام نہیں (۱)۔

پر مشکاۃ شریف میں تو چوں کہ سند مذکور نہیں اس وجہ سے اختصار ہے، صرف صحابی کا نام مذکور ہے، جب کہ صحاح ستہ میں مصنف اپنی سند بھی ذکر کرتے ہیں تو طوالت ہو جاتی ہے، اس وجہ سے وہ "**حدثنا**" کو صرف "**نَا**" سے اور "**حدثني**" کو "**نِي**" سے، اسی طرح "**اَخبرَنَا**" کو "**اَنَا**" سے اور "**اَخبرَنِي**" کو "**اَنِي**" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۱۔ اخراج و تخریج:

"**إيراد المحدث الحديث بسنده**" کسی محدث کا کسی روایت کو اپنی کتاب میں لے آنا اور یہ کہنا کہ یہ فلاں نے بیان کی ہے، اسے "**إخراج و تخريج**" کہتے ہیں (۲)۔

۳۲۔ مخرج:

صحابی کی تعین کرنا، بعض کہتے ہیں کہ کتاب کی تعین کرنا۔

۳۳۔ صحابی:

وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ اس کی تعریف میں اختلاف ہے، جامع تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات

---

(۱) مشکاۃ شریف: ۱/ ۲۸

(۲) تخريج الحديث نشأته و منهجيته: ۹، ۱۰

حالتِ ایمان میں کی ہو، اور خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، اور درمیان میں ردت کا خلل نہ ہو(۱، ۲)، یہ تعریف جامع اور مانع ہے، یہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھی شامل ہے، ورنہ بعض نے رؤیت کی قید لگائی اس میں یہ داخل نہیں ہوں گے اور عبد اللہ بن جحش جیسے کو مانع بھی ہے کہ اس نے ارتداد اختیار کیا تو ردت کا خلل آ گیا، بعض نے طولِ صحبت کی قید لگائی، اس صورت میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ جیسوں کو یہ تعریف شامل نہ ہوگی، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو چار یا پانچ سال اور حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ کو تو صرف چودہ روز صحبت کا موقع ملا۔ بعض نے روایت کی شرط لگائی کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو وہ صحابی ہے؛ مگر اس کے مطابق ہزاروں صحابہؓ نکل جائیں گے، فتحِ مکہ کے وقت جو اسلام لائے اور اس کے بعد بھی وفود کے وفود ایمان میں داخل ہوئے، تو سب نے کہاں روایت کی، اس وجہ سے یہ قید بھی صحیح نہیں، غرض کہ یہ صحابی کی تعریف ہے۔(۳)

۳۴۔ تابعی:

جس نے صحابی کی اسلام کی حالت میں زیارت کی ہو اور خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، چاہے درمیان میں ردت کا خلل ہوا ہو۔(۴)

---

(۱) نزہۃ النظر: ۱۴۴

(۲) یہ تعریف شوافع کے مسلک کے مطابق ہے، احناف کے نزدیک ردت کا تخلل مانع صحبت نہیں۔
(مولانا عبد الرب سعادتی)

(۳) نزہۃ النظر: ۱۴۶

(۴) نزہۃ النظر: ۱۴۸

۳۵۔ تبع تابعی:

اسے کہتے ہیں جس نے تابعی کو دیکھا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تابعی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، بعض کہتے ہیں کہ آپ نے چودہ صحابہ کو دیکھا، ایک قول ۲۱ کا ہے، دوسرا قول ۲۲ر کا بھی ہے، علامہ علاؤالدین حصکفیؒ نے ان تمام صحابہؓ کے نام جمع کئے ہیں جن کی زیارت امام صاحبؒ نے کی ہے، حاصل یہ کہ چاہے وہ روایتاً تابعی نہ ہوں کہ انہوں نے کسی صحابی سے روایت نہ کی ہو؛ مگر رؤیتاً تابعی ضرور ہیں۔ (۱)

۳۶۔ جرح وتعدیل:

درسِ حدیث میں کبھی کسی راوی کے عیوب بیان کئے جاتے ہیں، تو نقائص بیان کرنا اور عیوب نکالنا اسے جرح کہتے ہیں، اور تعدیل اس کا عکس ہے کہ راوی کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنا، مثلاً جرح کرتے ہوئے کہا ''هذا كذاب'' اور تعدیل کرتے ہوئے کہا کہ ''هذا صدوق، هذا ثقة'' وغیرہ۔

تعدیل کے لیے مُندرجۂ ذیل الفاظ بھی بولے جاتے ہیں۔

الفاظِ تعدیل:

''ثبت حجة، ثبت حافظ، ثقة متقن، ثقة ثقة، ثقة، صدوق، لا بأس به، ليس به بأس، محله الصدق، جيد الحديث، صالح الحديث،

---

(۱) شامی: ۱/۱۶۲، کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۱۶۶

شیخ وسط، شیخ حسن الحدیث، صدوق إن شاء اللّٰہ، صویلح“!
وغیرہ، یہ الفاظِ تعدیل ہیں۔ جرح کے بھی کچھ الفاظ ہیں۔(۱)

الفاظِ جرح:

”دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث، متهم بالکذب، متفق علٰی ترکه، متروک، لیس بثقة، سکتوا عنه، ذاهب الحدیث، فیه نظر، هالک، ساقط، واهٍ بمرةٍ، لیس بشيءٍ، ضعیف جداً، ضعفوه، ضعیف وواهٍ، یُضعّف، فیه ضعف، قد ضعف، لیس بالقوي، لیس بحجة، لیس بذاک، یُعرف ویُنکر، فیه مقال، تکلم فیه، لین، سيء الحفظ، لایُحتج به، اختُلِف فیه، صدوق لکنه مبتدع“ وغیرہ۔(۲)

پھر جرح وتعدیل میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: مفسر اور مبہم۔

(۱) جرحِ مبہم:

وہ ہے جس میں راوی کا عیب بیان کیا جائے؛ مگر اس کی وجہ ذکر نہ کی جائے۔(۳)

(۲) تعدیلِ مبہم:

جس میں راوی کی خوبی بیان کی جائے اور اس کی وجہ نہ ذکر کی جائے۔(۴)

---

(۱) الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل: ۱۳۲ تا ۱۳۹

(۲) الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل: ۱۳۹ تا ۱۴۴

(۳) الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل: ۷۹

(۴) الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل: ۷۹

(۳) جرحِ مفسر:

اسے کہتے ہیں جس میں راوی کے عیب کے ساتھ اس کا سبب بھی مذکور ہو۔(۱)

(۴) تعدیلِ مفسر:

وہ ہے جس میں راوی کی خوبی کے ساتھ اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہو۔(۲)

ان تمام اقسامِ اربعہ میں تعدیل کی دونوں قسموں کا اعتبار ہے؛ کیوں کہ اصل تو راوی کا جید وصالح ہونا ہے، چاہے سبب معلوم نہ ہو اور جرح میں سے صرف مفسر کا اعتبار ہے مبہم کا نہیں، کیوں کہ بلا دلیل کے عیب بیان کرنا قابلِ قبول نہیں،(۳) یحییٰ بن سعید قطان اور نسائی وغیرہ ائمۂ جرح ونقد سمجھے جاتے ہیں۔

سوال: یہ جرح کرنا غیبتِ محرمہ نہیں ہے؟

جواب: یہ ہے کہ یہ غیبتِ محرمہ نہیں بل کہ ثواب کا کام ہے، بل کہ کبھی واجب ہے، تاکہ لوگ موضوع احادیث سے محفوظ رہیں؛ لیکن یہ جرح وہی کریں جو عارف ہوں، جن میں نفسانی خواہشات کا غلبہ نہ ہو۔(۴)

---

(۱) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل:۷۹

(۲) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل:۷۹

(۳) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل:۷۹،۸۰

(۴) نزہۃ النظر:۱۸۸

۳۷۔اصح الاسانید:

کبھی روایت کے بعد ''**هذه الرواية منقول مأثور بأصح الأسانيد**'' یوں کہا جاتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ سند کا روایت میں ہونا نہایت ضروری ہے،تب ہی اس روایت کا اعتبار ہوتا ہے ورنہ نہیں؛ کیوں کہ سند کا قانون نہ ہوتا تو پھر جس کی سمجھ میں جو آتا کہتا،محمد ابن سیرینؒ کا مقولہ ہے ''**لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء**'' (۱)۔ اگر یہ اسناد نہ ہوتی تو جس کی سمجھ میں جو آتا وہ کہتا۔ غرض یہ کہ اس وجہ سے سند ضروری ہے؛اگر کسی روایت کے رواۃ سب کے سب جید و صالح ہوں،سب صدوق و عدول ہوں،پھر چاہے وہ تنہا بھی ہو تو ایسی سند کو ''**أصح الأسانيد**'' اور ''**سلسلة الذهب**'' کہتے ہیں،بعض کا کہنا ہے کہ یہ متعین طور پر کہنا ضروری نہیں کہ ذخیرۂ احادیث میں فلاں کی سند اصح الاسانید ہے؛ مگر پھر بھی بہت سوں نے ایسی سندوں کو جمع کیا اور ان پر مستقلاً کتابیں لکھیں۔مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے ''**التعليق الممجد**'' میں ایسی اٹھارہ سندیں ذکر کیں،جیسے امام مالکؒ کی سند کہ وہ عن نافع عن ابن عمرؓ صرف دو واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتی ہے اور وہ بھی ایک حضرت نافع اور دوسرے ابن عمرؓ جو صحابی ہیں،یہ اصح الاسانید ہے؛ ایسی سندیں مؤطا امام مالک میں زیادہ ہیں ''**عن إبراهيم عن علقمة عن أبي هريرةؓ، عن زين العابدين عن حسن عن عليؓ**'' وغیرہ۔(۲)

---

(۱) مسلم:۱/۱۲،الرقم:۳۲

(۲) التعلیق الممجد:۱/۷۸،ط.قدیمی کتب خانہ کراچی

(۳۸) علی شرط الشیخین:

یہ ایک اور اصطلاح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی کتاب میں کہیں کسی امام کا مسلک بیان کیا جائے اور پھر اس کا مستدل حدیث پیش کی جائے جو صحیحین کی ہو، اب اگر دوسرے امام کا مسلک بھی بیان کیا جائے اور ان کا مستدل جو حدیث ہے وہ صحیحین کی نہ ہو؛ مگر صحیحین کی شرط پر پوری اترتی ہو پھر بھی صحیحین نے اسے نہ لیا ہو، تو ایسے موقع پر کہتے ہیں **"هذا علی شرط الشیخین"** یعنی گو روایت بخاری و مسلم کی نہیں؛ مگر ان کی شرط پر پوری تو اترتی ہے۔ "مستدرک حاکم" میں یہ لفظ زیادہ آتا ہے، اصل میں استدراک ایک نوع ہے کتبِ حدیث کی، اس میں یہ ہوتا ہے کہ کسی مصنف نے کوئی حدیث کی کتاب لکھی اور اس میں چند شرائط رواۃ کے مقرر کئے، ان شرائط پر جو راوی پورے اترتے ہوں ان کی روایت انہوں نے جمع کی، بعد کے کسی محدث نے دیکھا کہ ان کی شرائط پر پوری اترتی دوسری روایات بھی ہیں جن کو انہوں نے نہیں لیا، تو یہ ایک کتاب کو لکھ کر ایسی تمام روایات کو لے لیتے ہیں اسے استدراک کہتے ہیں، گویا انہوں نے ماقبل والی فوت شدہ روایت کا تدارک کر لیا اور ایسی کتاب کو مستدرک کہتے ہیں، جیسے مستدرک ابوعوانہ، مستدرک حاکم۔(۱) غرض یہ کہ استدراک کی کتابوں میں **"علی شرط الشیخین"** کا لفظ آتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے جن رواۃ کی روایات لی ہیں اور لیتے وقت جو اوصاف انہوں نے اس کے لیے مقرر کئے ہیں وہی اوصاف دوسرے

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۴۲

راویوں میں موجود ہیں؛ مگر انھوں نے ان کی روایات نہ لیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ "علی شرط الشیخین" ہے، جیسے مثلاً یہ فرض کریں کہ محمد بن سیرین اور سعید بن مسیَّب کے اوصاف ابن شاہین میں بھی ہیں؛ مگران کی روایات نہیں لی، صرف پہلے دو کی لیں، یہ بخاری ومسلم نے کیا ہے، تو حاکم ان سے یہ کہتے ہوئے کہ یہ بھی تو آپ کے شرائط پر پورے اترتے ہیں پھر ان کی روایات کیوں نہ لیں؟ یہ کہہ کر وہ اسے مستدرک میں لے لیتے ہیں، کیوں کہ حاکم نے بخاری ومسلم کو سامنے رکھ کر مستدرک لکھی ہے اس لیے اس میں وہ روایات ہیں جو بخاری ومسلم کی شرط پر پوری اترتی ہوں؛ مگر انھوں نے اسے ذکر نہ کیا ہو، یہ اس لفظ کا ایک مطلب ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جن رجال کی روایات بخاری ومسلم نے لی ہیں بعینہٖ وہی رجال کی دوسری روایات بھی ہیں؛ مگر ان کو انھوں نے نہیں لیا، تو حاکم انہیں رواۃ کی ان دوسری روایات کو لے لیتے ہیں، یہ دوسرا مطلب ہے، یہ دونوں قول علی شرط الشیخین کی تعریف میں کہے گئے ہیں (۱)، اس اعتبار سے روایات کے سات مراتب ہیں:

(۱) وہ روایات بخاری ومسلم دونوں میں ہوں گی، یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اس وجہ سے بھی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے (۲) جس کو فقط بخاری نے ذکر کیا ہے (۳) جس کو فقط مسلم نے ذکر کیا ہو، اس میں بھی بخاری کو ترجیح حاصل ہے (۴) وہ روایات جو علی شرط الشیخین ہوں، بخاری ومسلم دونوں کی شرط پر ہوں (۵) جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں (۶) جو صرف مسلم کی شرط پر ہوں (۷) وہ روایات

(۱) تدریب الراوی: ۱/ ۱۰۵، دار الکتب الحدیثۃ

جو بخاری و مسلم میں نہ ہوں اور نہ ان کی شرط پر ہوں؛ البتہ دوسروں کے نزدیک صحیح ہوں، یہ آخری درجہ ہے۔(۱)

(۳۹) صحاح وحسان:

یہ اصطلاح صاحبِ مصابیح کے علاوہ عام محدثین کی ہے، صاحبِ مصابیح کی بھی ایسی خاص اصطلاح ہے جو پہلے گزر چکی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایات جن کے راوی ضبط وعدالت وغیرہ اعلیٰ اوصاف پر فائز ہوں، ان کو صحاح کہتے ہیں اور جن رواۃ میں یہ اوصاف کم ہوں، وہ کمزور ہوں؛ مگر یہ کمزوری تعددِ طرق سے پوری ہو جاتی ہو تو ایسے راویوں کی روایات کو حسان کہتے ہیں۔(۲)

(۴۰) مخضرم:

وہ شخص جس نے زمانۂ جاہلیت وزمانۂ اسلام دونوں پائے ہوں اسے مخضرم کہتے ہیں(۳)، یہ چند اصطلاحات ہیں جو فنِ حدیث میں مستعمل ومشہور ہیں، یہ تقریباً سترہ بحثیں ہو چکیں، اب آگے ایک اور بحث ہے جو انواعِ کتبِ حدیث کے نام سے موسوم ہے، یہ ذرا طویل بحث ہے جس میں تقریباً پچاس کتب انواع حدیث کا ذکر ہے۔

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۱۲۳

(۲) نزہۃ النظر: ۶۲، ۶۳

(۳) نزہۃ النظر: ۱۴۸

کتبِ انواعِ حدیث

علم الحدیث ایک کلی ہے جس کے تحت بہت سارے انواع ہیں؛ چناں چہ امام حاکم نیشاپوریؒ نے پچاس، علامہ ابن الصلاح اور امام نوویؒ نے پینسٹھ، علامہ سیوطیؒ نے ترانوے اور علامہ حازمیؒ نے کتاب العجالہ میں تقریباً سوانواع ذکر کیے ہیں۔علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی (ج۱/ص۵۳) میں تحریر فرماتے ہیں: **اعلم أن أنواع علوم الحديث كثيرة لا تعد، قال الحازمي في كتاب "العجالة": علم الحديث يشتمل على أنواع كثيرة تبلغ مائة، كل نوع منها علم مستقل لو أنفق الطالب فيه عمره لما أدرك نهايته، وقد ذكر ابن الصلاح منها – وتبعه المصنف– خمسة و ستين.**

احقر نے اپنے استاذ سے مشکاۃ کے درس میں کتبِ حدیث کی ۱۶/انواع کا ذکر سنا، حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ نے قریب ۳۵/انواع بیان کیں، اور احقر تقریباً پچاس بیان کرتا ہے(۱)۔ ملاحظہ ہو:

(۱) کتبِ عقائد:

وہ کتابیں جن میں عقائد کی روایات جمع کی جائیں، اس کا دوسرا نام علم التوحید بھی

---

(۱) یہاں ان انواع کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے ان کے تفصیلی بیان کے لیے صاحبِ افادات کی دوسری مقبول کتاب ''مباحث فی الحدیث وعلومہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ہے، جیسے ابن خزیمہ کی ''کتاب التوحید'' اورامام بیہقی کی ''الأسماء و الصفات''۔(۱)

(۳) احادیثِ احکام:

وہ روایات جن سے ائمہ نے مسائل کا استنباط کیا ہو اور وہ تقریباً تین ہزار روایتیں ہیں (۲)، اس میں محدث عبدالحق اشبیلی کی کتاب الصغریٰ والکبریٰ مشہور ہے، یہ عبدالحق محدث دہلوی نہیں بل کہ دوسرے ہیں۔ (۳)

(۴) احادیثِ تفسیر:

وہ روایات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت کی تفسیر فرمائی ہو، پھر اس کے نقل کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ایسی تمام احادیث کو مستقلاً یکجا جمع کردی جائے جیسے بخاری کی کتاب التفسیر اور ترمذی کی کتاب التفسیر، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی آیت لکھی جائے اور اس کے تحت علما کے اقوال نقل کیے جائیں اور پھر اس کے تحت کوئی روایت ہو تو اسے بھی نقل کی جائے، جیسے کتبِ تفسیر میں ہوتا ہے، جیسے تفسیرِ ابن جریر طبری، تفسیرِ ابن مردویہ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی الدر المنثور، تفسیرِ ابن کثیر وغیرہ یہ کتبِ احادیثِ تفسیر ہیں (۴)۔

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۲۳

(۲) الکنز المتواری: ۱/۲۲۳

(۳) یہ ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ الازدی الاشبیلی المعروف بابن الخراط ہیں، جن کی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی، علامہ زرکلیؒ فرماتے ہیں: له في الأحكام الشرعية ثلاثة كتب: كبرىٰ، وسطى وصغرىٰ.
(الأعلام: ۳/ ۲۸۱، الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة: ۱۳۵)

(۴) الکنز المتواری: ۱/۲۲۴

(۵) احادیثِ تاریخ:

وہ روایات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیاطین، فرشتے، جن وغیرہ دیگر حیوانات کی تخلیق وغیرہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہو، وہ روایاتِ تاریخ کہلاتی ہیں، اس کو بدء الخلق بھی کہتے ہیں، بخاری نے جلد اول کے آخر میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں ایسی روایات جمع کی ہیں، اس کے علاوہ ابن اسحاق کی ''کتاب المبتدء'' بھی اسی فن میں ہے، اس میں انہوں نے ''بدء الخلق'' کو جمع کیا ہے، ویسے دوسری کتابوں میں بھی حیوانات کے حالات ہیں، جیسے علامہ دمیریؒ کی ''**حیاۃ الحیوان الصغریٰ والکبریٰ**'' وغیرہ؛ مگر یہ احادیث کی روشنی میں نہیں، اسی طرح علامہ قزوینیؒ کی کتاب ''**عجائب المخلوقات**'' یہ دوسری نوع کی کتابیں ہیں، تو یہ کتبِ احادیثِ تاریخ ہے۔(۱)

(۶) احادیثِ سیر:

وہ روایات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک کے سارے حالات جیسے ولادت، رضاعت، بچپن، جوانی، رسالت وغیرہ تمام حالات وواقعات مذکور ہوں، اوراس میں بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات جمع کیے جائیں، وہ احادیثِ سیر ہیں، جیسے سیرتِ ابن اسحاق، سیرتِ ابن ہشام وغیرہ، یہ کتابیں اسی نوع کی روایات پر مشتمل ہیں۔(۲)

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۲۴

(۲) الکنز المتواری: ۱/۲۲۴

(۷) احادیثِ رقاق:

وہ احادیث جن کو پڑھ کر آخرت کی طرف رغبت ہو اس کا دوسرا نام ''علم السلوک'' اور ''علم الزہد'' بھی ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب ''کتاب الزہد'' وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ (۱)

(۸) احادیثِ آداب:

وہ احادیث جن میں ہر چیز کے آداب مذکور ہوں، جن کتابوں میں یہ روایات ہوں وہ کتبِ آداب کہلاتی ہیں، اس میں بہت سی کتابیں ہیں، جیسے امام بخاریؒ کی ''الادب المفرد'' وغیرہ، اس کتاب کی شرح ابھی پاکستان سے چھپی ہے۔ (۲)

(۹) فتن:

فتن کے متعدد معانی ہیں: (۱) نزاع بین المسلمین (۲) آزمائش (۳) اتباعِ خواہشات (۴) خلط ملط۔ وہ روایات جن میں قربِ قیامت کے حالات، اشراط الساعۃ، فتنۂ دجال وغیرہ کا ذکر ہو، اس میں بھی مستقل کتابیں ہیں، مشکاۃ شریف کی کتاب الفتن بہت مشہور ہے۔ شہرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں لغات مشکل ہیں، اس نوع میں مستقل کتابیں بھی ہیں، جیسے نعیم ابن حماد کی کتاب الفتن۔ (۳)

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۲۳

(۲) اس شرح کا نام ''فضل اللہ الصمد'' ہے جس کے مصنف فضل اللہ جیلانی بہاری ہے، یہ کتاب دار المعالی اردن سے تین جلدوں میں نشر ہو چکی ہے۔ (الکنز المتواری: ۱/۲۲۳)

(۳) الکنز المتواری: ۱/۲۲۴

(۱۰) مناقب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی یا کسی جماعت یا کسی خاص فرد کے بارے میں، یا کسی خاص مکان کے بارے میں یا ازواج کے بارے میں کوئی فضیلت بیان کی ہو، وہ روایاتِ مناقب کہلاتی ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" (۱) وغیرہ، اس میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور مناقب کو جمع کیا گیا، جیسے محبِ طبری کی کتاب "الرياض النضرة في مناقب العشرة"، عشرۂ مبشرہ کے بارے میں یہ کتاب ہے۔ انہیں کی دوسری کتاب ہے "الديباج في مناقب الأزواج"، اس کے علاوہ "القول الجلي في مناقب عليؓ" امام نسائیؒ کی "خصائصِ علیؓ" مناقب میں مشہور کتاب ہے، اسی کتاب کی وجہ سے وہ شہید کیے گئے، مشکاۃ میں مناقب کا باب بالکل آخر میں ہے۔

---

(۱) (رواه الطبراني في المعجم الكبير: ۹/۲۷۸ برقم: ۱۰۸۹۸، و الحاكم في المستدرك: ۳/۱۲۶ برقم: ۴۶۳۷، قال العلامة شيخ الإسلام محمد بن طاهر الفتني رحمه اللّٰه في تذكرة الموضوعات: ۹۵: قلت: قد تعقب العلائي على ابن الجوزي في حكمه بوضعه، فإنه ينتهي بطرقه إلى درجة الحسن، فلايكون ضعيفا فضلا عن أن يكون موضوعا، وقال ابن حجر رحمه اللّٰه: صححه الحاكم، و خالفه ابن الجوزي فكذبه، والصواب خلاف قولهما فالحديث حسن لا صحيح و لا كذب. انتهى!

(۱۱) جامع:

یہ مستقل ابواب ہیں اور وہ کتاب جس میں یہ آٹھوں ابواب ہوں اسے جامع کہتے ہیں: " **كما قاله الشاه عبدالعزيز الدهلوي** " (۱)، یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے، کیوں کہ متقدمین کی کتاب میں یہ نہیں ملتی، انہوں نے جامع کی یہ تعریف نہیں کی، اس اعتبار سے جامع یہ ایک مستقل نوع ہوگئی، مسلم کو جامع کہنے میں اختلاف ہے؛ کیوں کہ اس میں کتاب التفسیر بہت مختصر ہے، مجدالدین شیرازی نے مسلم پر جامع کا اطلاق کیا ہے (۲)، مشکاۃ پر بھی کتاب التفسیر نہ ہونے کی وجہ سے جامع کا اطلاق نہیں ہوسکتا الا یہ کہ اکثر کے اعتبار سے حکم لگادیں۔ سفیان بن سعید ثوریؒ کی کتاب پر بھی لوگوں نے جامع کا اطلاق کیا ہے، معلوم ہوا یہ نئی اصطلاح ہے۔ (۳)

---

(۱) عجالۂ نافعہ: ۱۳

(۲) قال شيخنا خاتمة المحدثين الإمام الناقد البصير محمد يونس الجونفوري حفظه اللّٰه و رعاه: اشتهر عن القدماء إطلاق المسند الصحيح، و قد ثبت ذالک عن مسلم نفسه، نقله الخطيب، و كذا أطلق عليه المسند الصحيح الحاكم في علوم الحديث و في المدخل له، والخطيب في التاريخ، و أطلق عليه لفظ الجامع البغوي في خطبة المصابيح، و الفيروز آبادي، والحافظ ابن حجر في تهذيب التهذيب، و ملا كاتب چلپي في كشف الظنون، وإسماعيل باشاالبغدادي في هدية العارفين ،و محمد بن جعفر الكتاني في الرسالة المستطرفة، وإبراهيم الكوراني في الأمم، و محمد بن إبراهيم الوزير في العواصم، وعبدالغني البهراني في قرة العين. (اليواقيت الغالية: ۳/۳۲۶) و كذا راجع ما كتبه الشيخ فضيلة المفتي محمد تقي العثماني حفظه اللّٰه ورعاه في كتابه القيم "تكملة فتح الملهم" المطبوع بدار القلم بدمشق (ج۶/ص ۲۷۳،۲۷۴)

(۳) الکنز المتواری: ۱/۲۲۵

(۱۲) سنن:

اور جو کتاب فقہی ترتیب پر ہو وہ سنن کہلاتی ہے، سننِ اربعہ مشہور ہیں، امام نسائی کی دو کتابیں ہیں: ''سننِ صغریٰ سننِ کبریٰ''، ''صغریٰ'' دو جلدوں میں ہے، اس کا اصلی نام ''المجتبیٰ'' یا ''المجتنیٰ'' ہے، اور دوسری دس جلدوں میں ہے، صغریٰ ہی ہمارے یہاں داخلِ درس ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی سننِ بیہقی، سننِ دارمی وغیرہ سنن کی کتابیں ہیں۔ (۱)

(۱۳) مسانید:

مسانید جمع ہے مسند کی، اس کا مطلب ہے احادیث کو کسی مخصوص ترتیب پر جمع کرنا، جیسے صحابہؓ کی ترتیب پر، ان میں بھی حروفِ تہجی کی رعایت کرنا کہ جس کے نام کے شروع میں ہمزہ ہو ان کی روایات پہلے ہوں، پھر باء کی، اس طرح آخر تک ترتیب ہو۔ کبھی سبقتِ ایمانی کی رعایت ہوتی ہے، کبھی خلافت کی ترتیب پر جمع کیا جاتا ہے، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات پہلے، پھر حضرت عمر فاروقؓ کی، اس طرح ترتیب ہو، غرض کہ کسی بھی خاص ترتیب پر جمع کرنا، اسے مسند کہتے ہیں، جیسے مسند احمد، مسند ابی حنیفہ امام اعظمؒ، مسند شافعیؒ، اس میں اول کو مقبولیت حاصل ہے۔ سب سے اول مسند کس نے لکھی اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: **أول من صنف مسندا فھو نعیم بن حماد**، اور بھی نام ہیں، جیسے یحییٰ الحمانی، ابوموسیٰ المدنی، عبیداللہ بن موسیٰ العبسی، مسدد بن مسرہد، اسد بن موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ اقوال

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/ ۲۲۵

ہیں۔ یہ اختلاف اختلافِ امکنہ کی وجہ سے ہے، اس کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں، جیسے مسندِ بزار، مسندِ ابی یعلیٰ، مسندِ ابن ابی شیبہ، مسندِ دارمی وغیرہ۔(۱)

(۱۴) مشیخات:

مشیخات جمع ہے مشیخہ کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کو مشائخ کے طریقہ پر جمع کرنا، یعنی ایک استاذ سے جن روایات کو سنا اس کو جمع کر دینے کو مشیخہ کہتے ہیں۔(۲)

(۱۵) معاجم:

معاجم معجم کی جمع ہے، معجم اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں روایات کو حروفِ تہجی کی ترتیب پر جمع کیا جائے، اس میں اور مسانید میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ پھر وہ حروفِ تہجی کی ترتیب بعض مرتبہ صحابہؓ کے اعتبار سے یا بلدان کے اعتبار سے یا کبھی اپنے شیخ کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے۔ طبرانی کی ایسی تین کتابیں ہیں: ایک کا نام معجمِ کبیر ہے جو آٹھ جلدوں میں ہے، یہ صحابہؓ کی ترتیب پر ہے(۳)، دوسری ہے معجمِ اوسط، یہ چھ جلدوں میں ہے اور شیوخ کی ترتیب کے اعتبار سے ہے اور تیسری معجمِ صغیر ہے۔(۴)

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/ ۲۲۸ (۲) الکنز المتواری: ۱/ ۲۲۹

(۳) اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے کلام میں اختلاف ہے؛ چناں چہ آپ نے ''بستان المحدثین'' (ص ۸۷) میں اُسے صحابہ کی ترتیب پر بتایا ہے؛ مگر ''عجالۂ نافعہ'' (ص ۵۱) میں مشائخ کی ترتیب پر ہونا بیان فرمایا ہے، اسی طرح صاحبِ کشف الظنون نے بھی ذکر کیا ہے؛ مگر حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کو صحابہؓ ہی کی ترتیب پر ذکر فرمایا ہے، اور یہی صحیح بھی ہے، اس لیے کہ نسخِ موجودہ صحابہؓ ہی کی ترتیب پر ہیں۔

(۴) حضرت شیخ الحدیث صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بھی شیوخ کی ترتیب پر ہے۔ (الکنز المتواری: ۱/ ۲۲۸)

(۱۶) التالیف:

اس میں بھی حروفِ تہجی کی رعایت ہوتی ہے؛ مگر باعتبار متن کے اور اوپر جو معاجم گزرا اس میں باعتبار سند کے ترتیب ہوتی ہے۔(۱)

(۱۷) الاجزاء:

کسی ایک ہی مسئلہ کے متعلق جتنی روایات ہوں وہ سب ایک جگہ جمع کردی جائیں، جیسے امام بخاریؒ کی جزءرفع یدین، جزء القرأۃ خلف الامام امام بیہقیؒ کی، علامہ انورشاہ صاحبؒ کی "بسط الیدین لنیل الفرقدین" اور "نیل الفرقدين في رفع اليدين"، "جزءقرأت خلف الامام"، امام بخاریؒ کی وغیرہ، یہ کتبِ اجزاء کہلاتی ہیں۔(۲)

(۱۸) رسائل:

ایک ہی شخص کی روایات کو ایک جگہ جمع کردینا، یہ رسالہ کہلاتا ہے، جیسے رسالۃ ابی بکرؓ، یہ متقدمین کی اصطلاح ہے، ہمارے یہاں ایک مسئلہ کی روایات جمع کرنے کو رسالہ کہتے ہیں۔(۳،۴)

---

(۱) الکنز المتواری:۱/۲۶۶ (۲) الکنز المتواری:۱/۲۳۱ (۳) الکنز المتواری:۱/۲۳۱

(۴) فوائد جامعہ (ص۱۶) میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تحریر کے مطابق اجزاء اور رسائل میں فرق یہ ہے کہ "اجزاء" ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ایک شیخ کی روایات کو جمع کیا جاتا ہے، اور "رسائل" وہ ہیں جن میں کسی ایک مسئلے کی روایات جمع کردی گئی ہوں؛ لیکن بقول صاحبِ مقدمۃ اللامع (ج۱/ص۱۵۱) دونوں ایک ہی ہیں، متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے ہیں متاخرین اُسے رسائل کہتے ہیں۔

(مولانا عبدالرب سعادتی)

(۱۹) اربعینات:

وہ کتابیں جس میں چالیس روایات جمع کی جائیں، اس میں بہت سی کتابیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں ایک حدیث وارد ہے جو حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کوئی چالیس احادیث میری امت کے لیے امورِ دین سے متعلق محفوظ کر دے تو اُسے قیامت میں اللہ فقیہ بنا کر اٹھائے گا، اور میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔(۱)

یہ روایت حضرت انسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ یہ روایت گو ضعیف ہے؛ مگر فضائل میں ضعیف کا بھی اعتبار کرلیا جاتا ہے، تو اس روایت کی وجہ سے علما نے چالیس احادیث جمع کیں؛ تا کہ اس کی فضیلت کے مستحق ہوں؛ چناں چہ بہت سے لوگوں نے چالیس احادیث جمع کیں، حضرت تھانویؒ کی چہل حدیث، مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی فضائلِ قرآن، پھر اس میں بھی علما نے عجیب وغریب انداز اختیار کیے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اتنی مختصر چالیس روایات جمع کیں جو صرف مبتدا اور خبر پر مشتمل ہوں، محدث ابو طاہر سلفی نے ایسی چالیس روایات جمع کیں جن کو انہوں نے چالیس شہروں میں چالیس اساتذہ سے سنی، ابن عسا کر نے اور کمال دکھایا، انہوں نے چالیس قسم کی روایات جو

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی: ۳/ ۲۴۰، الرقم: ۱۵۹۷

چالیس صحابہؓ سے منقول ہوں اور انہوں نے چالیس شہروں میں اسے حاصل کیا ہو(۱)، جمال الدین زیلعیؒ نے ایسی چالیس روایات جمع کیں جن کے سب اساتذہ حنفی تھے، حافظ ابن حجرؒ نے ایسی چالیس احادیث جمع کیں جن میں مسلم کی سند بخاری سے عالی ہو، سب سے مشہور امام نوویؒ کی ہے، جب کہ سب سے اول اربعین عبداللہ بن مبارک نے لکھی، اس کے بعد محمد بن اسلم طوسیؒ نے لکھی۔(۲)

(۲۰) شرح الآثار:

بعض احادیث ایسی ہیں کہ ان میں آپس میں تعارض ہوتا ہے، اس تعارض کے دفع کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو دفع کرنے کے کئی طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ حدیث کے تقدم وتاخر کا علم ہو جائے، تو متاخر کو ناسخ اور مقدم کو منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ اور اگر اس کا علم نہ ہو تو پھر تطبیق کی کوشش ہوتی ہے، اور ایسی احادیثِ متعارضہ کو جمع کر کے انہیں تطبیق دی جائے، اس کتاب کو ''شرح الآثار'' کہتے ہیں،

---

(۱) فصار أربعين، من أربعين، لأربعين، في أربعين، عن أربعين. (کشف الظنون) اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے الکنز المتواری: ۱/۲۳۴ پر صاحبِ کشف الظنون کے اتباع میں تحریر فرمایا ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ اس میں ایک اربعین زائد ہے؛ لہٰذا عبارت یوں گی: أربعون حديثًا، من أربعين شيخًا، في أربعين بلدًا، عن أربعين صحابيًا۔ ابن عساکر نے ابوطاہر سلفی کی اربعین کے مقابلے میں صرف ''أربعون صحابيا'' کا اضافہ کیا ہے، جیسا کہ خود صاحبِ کشف الظنون فرماتے ہیں: وزاد على ما أتى به الغرابة، بأن جعلها عن أربعين من الصحابة، فصار أربعين، من أربعين لأربعين، في أربعين، عن أربعين ۔ نیز دیکھئے ابن عساکر کی کتاب '' أربعون حديثا لأربعين شيخا في أربعين بلدة'' ۔ ط بمكتبة القرآن القاهرة۔ اسماعیل غفرلہ (۲) الکنز المتواری: ۱/۲۳۲، ۲۳۴

جیسے امام طحاویؒ کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' اسی نام سے موسوم ہے، اسے مختلف الحدیث بھی کہتے ہیں تطبیق کے لیے کبھی ترجیح کی شکل بھی اختیار کی جاتی ہے، جیسے حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت ابن عمرؓ (۱) کی روایات جو استقبالِ قبلہ کے بارے میں ہیں ان میں تعارض ہے، ایک سے جواز اور دوسری سے عدمِ جواز ثابت ہورہا ہے، ان میں سولہ طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے، جیسے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت متفق علیہ ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ترمذی کی ہے، اس وجہ سے اول کو ترجیح ہوگی، پھر ابوایوبؓ کی روایت قولی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت فعلی ہے، اور قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو قولی کو ترجیح ہوگی اس وجہ سے حضرت ابوایوبؓ کی روایت کو ترجیح ہوگی، یہ احناف کا مسلک ہے۔ (۲)

(۲۱) اسباب الورود:

جیسے قرآن مجید میں کسی آیت کے نازل ہونے کی کوئی وجہ بیان کی جاتی ہے جسے شانِ نزول سے تعبیر کرتے ہیں، اس طرح حدیث میں بھی کسی حدیث کا کوئی خاص سبب ہوتا ہے، اسے شانِ ورود اور سببِ ورود سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے حدیث النیۃ کا سببِ ورود مہاجرِ ام قیس کا واقعہ ہے، اس فن میں ابوحفص العکبری اور ابن حمزہ دمشقی وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: الرقم: ۸، ۱۱

(۲) العرف الشذی مع جامع الترمذی: ۴، الکنز المتواری: ۱/ ۲۶۳

(۳) الکنز المتواری: ۱/ ۲۶۵

(۲۲) موضوعات:

وہ کتابیں جن میں موضوع احادیث کو جمع کیا جائے؛ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ موضوع ہیں، اس میں محدث محمد بن طاہر پٹنیؒ اور ابن الجوزیؒ وغیرہ کی کتابیں ہیں۔(۱)

(۲۳) امالی:

املاء اس کو کہتے ہیں کہ ایک استاذ حدیث بیان کرتا ہو اور دوسرے تلامذہ اسے لکھتے ہوں، شوافع کے یہاں اس کو "تعالیق" کہتے ہیں، جیسے امام صاحبؒ سے امام ابو یوسفؒ کی امالی۔(۲)

(۲۴) الترتیب:

متقدمین نے احادیث کو غیر مرتب طور پر جمع کر لیا تھا، بعد والوں نے اُسے ترتیب دی، تو کسی ایک ہی کتاب کی روایت کو اس طرح کی ترتیب کے ساتھ جمع کرنا اسے "الترتیب" کہتے ہیں، جیسے حافظ ابن حجرؒ کی **"الانتقاع بترتيب الدار قطني على الأنواع"** اور **"تسديد القوس في ترتيب مسند الفردوس"** وغیرہ، دونوں کتابیں ابن حجرؒ کی ہیں۔(۳)

(۲۵) الافراد:

ایسی روایات جمع کرنا جو صرف ایک ہی استاذ یا ایک ہی محدث و مصنف کے پاس ہوں دوسرے کے پاس نہ ہوں، اس میں بھی کتابیں ہیں، جیسے ابن شاہینؒ کی افراد، دار قطنی کی افراد وغیرہ، بعض مرتبہ کوئی مؤلف ایسا بھی کرتا ہے کہ دو یا زیادہ

---

(۱) الكنز المتواری: ۱/ ۲٦۷ (۲) الكنز المتواری: ۱/ ۲٦۰ (۳) الكنز المتواری: ۱/ ۲٦٦

کتابوں کو سامنے رکھ کر ایسی روایات ہر کتاب سے لیتا ہے جو دوسری میں نہ ہو، اسے ''افراد'' کہتے ہیں، جیسے ''افرادِ مسلم'' اور ''افرادِ بخاری'' بولتے ہیں۔(۱)

(۲۶) غرائب:

ایسی روایات جن کا نقل کرنے والا راوی تنہا ہو، افراد اور غرائب میں فرق یہ ہے کہ ''افراد'' میں روایت تنہا ہوتی ہے اور ''غرائب'' میں راوی تنہا ہوتا ہے۔ ''غرائب'' کا یہ لفظ حدیث میں دو جگہ استعمال ہوتا ہے، ''غرابت فی المتن'' اور ''غرابت فی السند'' یہاں ''غرابت فی السند'' مراد ہے، اس نوع میں اسی کی بحث مقصود ہے۔ ''غرابت فی المتن'' کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ ہے جو غیر مانوس اور غریب ہو، مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ان مصنفین نے احادیث کے ایسے تمام مشکل اور غریب الفاظ کو جمع کیا ہے جیسے علامہ ابن الاثیرؒ کی ''نہایہ''، زمخشری کی ''الفائق''، محمد بن طاہر پٹنیؒ کی ''مجمع بحار الانوار'' وغیرہ۔ ''غرابت فی السند'' جس سے یہاں بحث ہو رہی ہے اس کی مثال جیسے حدیث النیۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کرنے والے ایک ہی راوی صرف حضرت عمر فاروقؓ ہیں باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منبر پر بیان کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی اس کو منبر پر خطبہ میں بیان کیا؛ مگر ان سے روایت کرنے والے بھی صرف ایک حضرت علقمہؒ ہیں، اُن سے بھی صرف ان کے تلمیذ محمد بن ابراہیم تیمیؒ نے روایت کیا اور ان سے بھی ان کے تلمیذ یحییٰ بن سعید الانصاریؒ نے صرف روایت کیا، یہاں تک اس

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۳۶

روایت کے راوی صرف ایک ہی ہیں، اس کے بعد یحیٰی بن سعیدؒ سے بہت سوں نے روایت کی، بعض کہتے ہیں سو آدمیوں نے ان سے روایت کی، ایک قول دوسو کا بھی ہے، اس کے علاوہ ڈھائی سو اور سات سو کے بھی اقوال ہیں (۱)، تو یحیٰی بن سعید الانصاریؒ تک کے سب راوی تنہا ہیں، اسے ''غرابت فی السند'' کہتے ہیں، اس میں بھی علما کی کتابیں ہیں، سب سے پہلے ایسی کتاب بقول حاکم نیشاپوری نضر بن شمیلؒ نے لکھی، اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے اول معمر بن مُثَنّیٰؒ نے لکھی، بعض کہتے ہیں ابو محمد دینوریؒ نے لکھی، وغیرہ۔ (۲)

(۲۷ تا ۳٦) وحدانیات تا عشاریات:

انواعِ کتب حدیث میں یہ بھی چند انواع ہیں:

وحدانیات، ثنائیات، ثلاثیات، رباعیات، خماسیات

سداسیات، سباعیات، ثمانیات، تساعیات، عشاریات

تعریفات:

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان ایک واسطہ ہو تو ایسی احادیث کو وحدانیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان دو واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو ثنائیات کہتے ہیں۔

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی القاریؒ: ۱۹۳

(۲) الکنز المتواری: ۱/ ۲۳٦، ۲۳۸

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان تین واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو ثلاثیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان چار واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو رباعیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان پانچ واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو خماسیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان چھ واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو سداسیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان سات واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو سباعیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان آٹھ واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو ثمانیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان نو واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو تساعیات کہتے ہیں۔

☆ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان دس واسطے ہوں تو ایسی احادیث کو عشاریات کہتے ہیں۔

ان تمام اسناد میں ثلاثیات کو زیادہ اہمیت اور شہرت حاصل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی سب سے عالی سند ثلاثی ہے، بل کہ ''بخاری'' کے جہاں

خصائص اور فضائل بیان کیے جاتے ہیں وہاں ثلاثیات کا تذکرہ ضرور آتا ہے، اسی وجہ سے ''ثلاثیات بخاری'' پر علما نے توجہ فرمائی ہے اور ان کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے، بہت سے لوگوں نے ان ثلاثیات کو علاحدہ چھپوا کر ان پر حواشی بھی لکھے ہیں، مولانا فیض الحسن صاحبؒ کی غنیۃ القاری شرح ثلاثیات البخاری، عبدالباسط قنوجیؒ (۱) کی بھی ایک شرح ہے وغیرہ۔

وحدانیات وثنائیات اور مؤلفات:

امام ابوحنیفہؒ کی سب سے عالی سند والی روایات وحدانیات ہیں؛ مگر یہ اقل قلیل ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی وحدانیات پر ابو معشر الطبری الشافعیؒ نے کتاب تصنیف کی ہے۔

ثنائیات امام ابوحنیفہؒ بہت زیادہ ہیں، اسی طرح سے موطا امام مالکؒ کی بھی سب سے عالی سند ثنائیات ہیں۔ (۲)

''عوالی مالک'' کے نام سے ابن عساکرؒ نے مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس میں امام مالکؒ کی عالی سندوں کو جمع کیا ہے۔

اسی طرح اور بہت سی عوالی سندوں پر کتابیں موجود ہیں، مثلاً ابوعبداللہ محمد ابن اسحاق بن مندہؒ نے سفیان بن عیینہؒ کی عوالی کو جمع کیا ہے۔

---

(۱) اس شرح کا نام ''نظم اللآلي شرح ثلاثيات البخاري'' ہے۔ انوار الباری: ۱/ ۳۸۸

(۲) الرسالۃ المستطرفہ: ص ۸۲

قاسم بن قطلو بغاؒ نے لیث بن سعدؒ کی عوالی کو جمع کیا ہے، ان کی کتاب کا نام "عقد اللآلي في أسانيد العوالي" ہے۔

ان کے علاوہ احمد بن حسین کندیؒ م ۳۴۶ھ کی عوالی، قاضی ابوالنصر شیرازیؒ م ۳۴۷ھ کی عوالی اور ابن شیخہ الغزیؒ ۷۹۹ھ کی عوالی بھی ہیں۔(۱)

کتبِ ثلاثیات:

(۱) سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سند میں جہاں وحدانیات اور ثنائیات ہیں وہاں ثلاثیات بھی بہت زیادہ ہیں۔

(۲) امام شافعیؒ کو حدیث کے باب میں بہت عالی مقام حاصل تھا، بچپن ہی میں ۱۹۸ھ میں مصر کی طرف علم حدیث کے لیے سفر کیا تھا، اس پر ابن ابی حاتمؒ کی کتاب "آداب الشافعي ومناقبه" ہے، حدیث کے باب میں ان کا شغف اور مرتبہ اگر معلوم کرنا چاہیں تو اس کے لیے "الشافعي وأثره في الحديث وعلومه" مصنفہ خلیل ابراہیم ملا خاطرؒ کا مطالعہ کیا جائے، انہوں نے ہی امام شافعیؒ کی ثلاثیات کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے اور اس کا نام "ثلاثيات الإمام الشافعي" رکھا ہے، جو بہت ہی نافع اور عمدہ کتاب ہے، اس کتاب میں خلیل ابراہیم ملا خاطرؒ نے امام شافعیؒ کی تین سو آٹھ ثلاثیات مکررات کے ساتھ اور بغیر مکررات کے تین سو چار ثلاثیات کو جمع فرمایا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

فهذه ثلاثيات الإمام الشافعي رحمه الله تعالى وإيانا، جمعتها

---

(۱) ثلاثیات الامام الشافعی: ص ۲۷

من مختلف كتبه الموجودة، ومن معرفة السنن والآثار للإمام البيهقي رحمه اللّٰه تعالى، ومن الشافي شرح مسند الشافعي لابن الأثير الجزري رحمه اللّٰه تعالى، وقد بلغت هذه الثلاثيات ثمانية أحاديث، وثلاث مأة حديث بالمكرر، ومن غير المكرر أربعة أحاديث، وثلاث مأة حديث. (۱)

ترجمہ: اس کتاب کا نام ثلاثیات الامام الشافعی ہے، ان ثلاثیات کو میں نے ان کی موجودہ کتب سے جمع کیا ہے، نیز امام بیہقیؒ کی کتاب "معرفة السنن والآثار" اور ابن الاثیر جزریؒ کی کتاب "الشافي شرح مسند الشافعي" سے بھی جمع کیا ہے۔ اور ان ثلاثیات کی تعداد تین سو آٹھ مکررات کے ساتھ اور تین سو چار بغیر تکرار کے ہے۔

(۳) سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی ثلاثیات کی ایک بہت بڑی تعداد ملتی ہے، چناں چہ ان کی ثلاثیات کی تعداد تین سو سینتیس (۳۳۷) ہے۔ "مسند احمد" کی ثلاثیات کی شرح محمد بن محمد سفارینیؒ م ۱۱۸۸ھ نے لکھی ہے، اس کا نام "نفثات الصدر المكمد وقرة عين المسعد شرح ثلاثيات المسند" ہے۔

(۴) عبد بن حمیدؒ ۲۴۹ھ کی ثلاثیات کی تعداد اکیاون (۵۱) ہے۔ عبد بن حمید کی کنیت ابو محمد ہے، عبدالحمید ان کا نام ہے، پھر اس میں تخفیف ہوگئی تو عبد ہو گیا۔ امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی کتابوں میں مسند کبیر ہے، آپ کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی۔

---

(۱) ثلاثيات الإمام الشافعي: ص ٦

عبد بن حمیدؒ کی پہلی ثلاثی قدامہ بن عبد اللہؓ سے، دوسری سلمۃ بن الاکوعؓ سے، تیسری ثلاثی ابو الحمراءؓ سے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، ہلال بن حارث ان کا نام ہے، چوتھی ثلاثی عبد اللہ بن بسرؓ سے، پانچویں ثلاثی عبد اللہ بن سرجسؓ سے، چھٹی، ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں ثلاثیات عبد اللہ بن ابی اوفیؓ سے، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں حضرت ابو سعید خدریؓ سے، چودہویں، پندرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں، انیسویں ثلاثیات حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے، بیسویں سے لے کر اکیانویں ثلاثیات تک حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔

(۵) طبرانیؒ کی ثلاثیات فقط تین ہیں: پہلی اور دوسری حضرت انسؓ کی ہے اور تیسری حضرت عبد اللہ بن بسرؓ کی ہے۔

(۶) امام دارمیؒ م ۲۵۵ھ کی ثلاثیات پندرہ (۱۵) ہیں، ان ثلاثیات کی شرح ابو عبد اللہ سمرقندیؒ نے لکھی ہے۔(۱)

---

(۱) الرسالة المستطرفة: ۸۳، ط. دار الكتب العلمية بيروت، و كشف الظنون: ۱/۵۲۲، مرقاة المفاتيح: ۱/۷۵، "تحفة الأحوذي" کے مقدمہ میں ہے "أما الدارمي فثلاثياته أكثر من من ثلاثيات البخاري"۔ (مقدمة التحفة: ۲۷۶، الرسالة المستطرفة: ص۹۷، الثلاثيات في الحديث النبوي: ص ۱۴۱ تا ۱۴۲)

ائمۂ صحاح ستہ کی عالی سندیں

بخاری شریف کی عالی سند اور اس کی تفصیل:

سیدنا امام بخاریؒ کی عالی سند ثلاثی ہے اور صحیح بخاری میں کل بائیس ثلاثیات ہیں، جن کو آگے نقشہ میں تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوگا کہ یہ بائیس ثلاثیات کل تین صحابہ (۱) حضرت سلمہ بن اکوعؓ (۲) حضرت انس بن مالکؓ اور (۳) حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے مروی ہیں، اور ان بائیس ثلاثیات میں امام بخاریؒ کے پانچ اساتذہ ہیں، اور وہ (۱) مکی بن ابراہیمؒ (۲) ابو عاصم النبیلؒ (۳) محمد بن عبداللہ الانصاریؒ (۴) خلاد ابن یحییٰؒ (۵) عصام بن خالدؒ ہیں، ان بائیس ثلاثیات میں امام بخاریؒ کے اساتذہ کے اساتذہ چار ہیں: (۱) یزید بن ابی عبیدؒ (۲) حمید الطّویلؒ (۳) حریز بن عثمانؒ (۴) عیسیٰ بن طہمانؒ۔

ان ثلاثیات میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے ۱۷/روایات مروی ہیں۔

ان ثلاثیات میں حضرت انس بن مالکؓ سے ۴/روایات مروی ہیں۔

ان ثلاثیات میں حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے ۱/روایت مروی ہے۔

ثلاثیات بخاری کے لطائف:

امام بخاریؒ کی بائیس ثلاثیات کے کچھ لطائف ہیں:

(۱) تین صحابی سے مروی ہیں: (۱)سلمۃ بن الاکوعؓ (۲) انس بن مالکؓ (۳) عبداللہ بن بسرؓ،ان کی روایات کتبِ ستہ میں ہیں۔

(۲) تین تابعی سے مروی ہیں،جن سے اصحابِ ستہ نے روایات لی ہیں؛ البتہ حریز بن عثمانؒ سے فقط امام مسلمؒ نے روایت لی ہے۔

(۳) ثلاثیات بخاری میں ایک شخصیت ایسی ہے، جو اپنی کنیت اور لقب یعنی ابوعاصلم النبیل سے مشہور ہے،ان کا نام ضحاک بن مخلدؒ ہے۔

(۴) ثلاثیات بخاری میں ایک شخصیت ایسی ہے جن کی کنیت متعدد ہے، وہ سلمۃ بن اکوعؓ ہیں،ان کی کنیت تین ہیں:۱-ابومسلم،۲-ابوعامر،۳-ابوایاس۔

(۵) ثلاثیات بخاری میں ایک راوی ایسے ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کی ماں کی عمر ۱۲؍سال تھی،وہ ہیں ابوعاصم النبیلؒ۔

(۶) ثلاثیات بخاری میں ایک صحابی ایسے ہیں جو ”آخر من مات بالشام“ ہیں اور وہ عبداللہ بن بسرؓ ہیں،اور ایک صحابی ایسے ہیں جو ”آخر من مات بالبصرۃ“ ہیں اور وہ انس بن مالکؓ ہیں۔

(۷) ثلاثیات بخاری کا ایک لطیفہ یہ ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔

الغرض! علما نے ثلاثیات بخاری پر بیس کے قریب لطائف لکھے ہیں۔(۱)

---

(۱) الثلاثیات في الحدیث النبوي: ص ٦٦-٦٨

شمار	کتاب	باب	باب نمبر	صفحہ نمبر	حدیث نمبر	شیخ	شیخ الشیخ	صحابی
۱	کتاب العلم	باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم	۳۸	۲۱	۱۰۹	مکی بن ابراہیم	یزید بن ابی عبید	سلمۃ بن الاکوعؓ
۲	کتاب الصلاة	باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة	۹۱	۷۱	۴۹۷	//	//	//
۳	//	باب الصلاة إلي الأسطوانة	۹۵	۷۲	۵۰۲	//	//	//
۴	کتاب مواقيت الصلاة	باب وقت المغرب الخ	۱۸	۷۹	۵۶۱	//	//	//
۵	کتاب الصوم	باب إذا نوى بالنهار صوما الخ	۲۱	۲۵۷	۱۸۸۵	ابوعاصم	//	//
۶	//	باب صيام يوم عاشوراء	۶۹	۲۶۸	۱۹۶۳	مکی بن ابراہیم	//	//
۷	کتاب الحوالة	باب إذا أحال دين الميت على رجل جاز	۳	۳۰۵	۲۲۳۴	//	//	//
۸	کتاب الكفالة	باب من تكفل عن ميت دينا فليس له الخ	۳	۳۰۶	۲۲۴۰	ابوعاصم	//	//
۹	کتاب المظالم	باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر الخ	۳۲	۳۳۶	۲۴۱۳	//	//	//
۱۰	کتاب الصلح	باب الصلح في الدية	۸	۳۷۲	۲۶۳۵	محمد بن عبد اللہ الانصاری	حمید الطّویل	انس بن مالکؓ

۱۱	كتاب الجهاد	باب البيعة في الحرب على أن لا يفرد الخ	۱۱۰	۴۱۵	۲۸۷۰	مکی بن ابراہیم	یزید بن ابی عبید	سلمۃ بن الاکوعؓ
۱۲	//	باب من رأى العدو فنادى فأعلى صوته	۱۱۶	۴۲۷	۲۹۴۵	//	//	//
۱۳	كتاب المناقب	باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم	۲۲	۵۰۲	۳۴۲۱	عصام بن خالد	حریز بن عثمان	عبداللہ بن بسرؓ
۱۴	كتاب المغازي	باب غزوة خيبر	۳۹	۶۰۵	۴۰۵۳	مکی بن ابراہیم	یزید بن ابی عبید	سلمۃ بن الاکوعؓ
۱۵	//	باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد	۴۶	۶۱۲	۴۱۰۸	ابوعاصم	//	//
۱۶	كتاب التفسير	باب يأيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص الخ	۲۳	۶۴۶	۴۳۱۴	محمد بن عبداللہ الانصاری	حمید الطویل	انس بن مالک
۱۷	كتاب الذبائح	باب آنية المجوس والميتة	۱۴	۸۲۶	۵۴۹۷	مکی بن ابراہیم	یزید بن ابی عبید	سلمۃ بن الاکوعؓ
۱۸	كتاب الأضاحي	باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي	۱۶	۸۳۵	۵۳۵۴	ابوعاصم	//	//
۱۹	كتاب الديات	باب إذا قتل نفسه خطأ فلا دية له	۱۷	۱۰۱۷	۶۶۲۵	مکی بن ابراہیم	//	//
۲۰	//	السن بالسن	۱۹	۱۰۱۸	۶۶۲۸	محمد بن عبداللہ الانصاری	حمید الطویل	انس بن مالکؓ

۲۱	كتاب الأحكام	باب من بايع مرتين	۴۴	۱۰۷۰	۶۹۱۹	ابوعاصم	یزید بن ابی عبید	سلمۃ بن الاکوعؓ
۲۲	كتاب التوحيد	باب قوله وكان عرشه على الماء	۲۴	۱۱۰۴	۷۱۲۲	خلاد بن یحییٰ	عیسیٰ بن طہمان	انس بن مالکؓ

امام ترمذیؒ کی عالی سند:

امام ترمذیؒ کی عالی سند ثلاثی ہے اور وہ فقط ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے:

حدثنا إسماعيل بن موسى الفزاري ابن بنت السدي الكوفي، حدثنا عمر بن شاكر، عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمان، الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر.

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من هذا الوجه، وعمر بن شاكر شيخ بصري قد روى عنه غير واحد من أهل العلم. (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اپنے دین پر صبر کرنے والا ایسا ہوگا جیسا کہ اس نے انگارہ پکڑ لیا، اس سند کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ترمذیؒ کے استاذ اسماعیل بن موسیٰ الفزاری الکوفی ہیں اور ان کے شیخ عمر بن شاکر ہیں اور ان کے شیخ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ ہیں۔

---

(۱) ترمذی: ۲/۵۲، کتاب الفتن، باب بلا ترجمہ: الرقم: ۲۲۶۰

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ”وأعلى أسانيده (الترمذي) ما يكون واسطتان بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم، وله حديث واحد في سننه بهذا الطريق، وهو: ”يأتي على الناس زمان، الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر“ فإسناده أقرب من إسناد البخاري ومسلم وأبي داؤد فإن لهم ثلاثيات“.(۱)

ترمذی کی اعلی سند وہ ہے جس میں دو واسطے ہیں، یہ ان کا وہم ہے اس لیے کہ ترمذی میں کوئی روایت ثنائی نہیں ہے۔(۲)

امام ابن ماجہؒ کی عالی سند:

امام ابن ماجہؒ کی عالی سند ثلاثی ہے اور ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں اور پانچوں ایک ہی سند ”عن جبارة بن مغلس، عن كثير بن سليم، عن أنس بن مالک“ سے مروی ہیں۔

ابن ماجہ کی ثلاثی روایات مع تخریج:

(۱) حدثنا جبارة بن المغلس، ثنا كثير بن سليم، سمعت أنس بن مالک يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحب أن يكثر الله خير بيته فليتوضأ إذا حضر غداؤه و إذا رفع.

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱/۲۷

(۲) نبه عليه الشيخ المباركفوري في مقدمة تحفة الأحوذي: ۲۷۶، وشيخنا الجونفوري في اليواقيت الغالية: ۳/۳۴۱

ترجمہ: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے گھر میں زیادہ خیر و برکت ہو تو اسے چاہیے کہ کھانا حاضر ہو تو وضو کرے اور جب دسترخوان اٹھالیا جائے تب بھی وضو کرے۔

روایت کی تخریج:

اس روایت کو امام ابن ماجہؒ نے ”**كتاب الأطعمه**“ میں **باب الوضوء عند الطعام** (ص ۲۳۵) کے ذیل میں نقل کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی حضرات جیسے ابوالشیخؒ نے ”**كتاب أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم وآدابه**“ میں اور ابن النجارؒ نے ”تاریخ بغداد“ کے ذیل میں اور بوصیریؒ نے زوائد ابن ماجہ میں اور جلال الدین سیوطیؒ نے ”الجامع الصغیر“ میں اس روایت کی تخریج فرمائی ہے۔(۱)

(۲) حدثنا جبارة بن المغلس، ثنا كثير بن سليم، عن أنس بن مالک قال: مارفع من بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل شواء قط، ولا حملت معه طنفسة.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے سامنے سے کبھی بھنا ہوا گوشت جو کھانے سے بچ رہا ہو اٹھایا نہیں گیا (کیوں کہ ایسا گوشت تھوڑا ہوتا اور کھانے والے زیادہ ہوتے) اور نہ کبھی آپ کے ساتھ بچھونا سواری پر اٹھا کر لے جایا جاتا (جیسا کہ عام طور پر دنیا دار جہاں جاتے ہیں پُر تکلف فرش، فروش اپنے ساتھ رکھتے ہیں)۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ: الرقم: ۳۲۶۰

روایت کا حکم: جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو اس کی سند ضعیف ہے، ابن عدیؒ نے کامل میں اس کی تخریج فرمائی ہے، بوصیری نے زوائد میں کہا: إسناده ضعيف۔(۱)

(۳) حدثنا جبارة بن المغلس، ثنا كثير بن سليم، عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الخير أسرع إلى البيت الذي يغشى من الشفرة إلى سنام البعير.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں مہمان آتے رہتے ہیں، اس گھر کی طرف خیر، چھری کے اونٹ کے کوہان کی طرف پہنچنے سے بھی زیادہ جلدی پہنچ جاتی ہے۔

روایت کی تخریج:

اس روایت کو امام ابن ماجہؒ نے "كتاب الأطعمة" میں باب الضيافة (ص۲۴۰) کے تحت بیان کیا ہے۔(۲)

(۴) حدثنا جبارة بن المغلس، ثنا كثير بن سليم، سمعت أنس بن مالک يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما مرت ليلة أسرى بی بملإ إلا قالوا: يا محمد مر أمتک بالحجامة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں معراج کی رات فرشتوں کی جس جماعت کے بھی پاس سے گزرا، انہوں نے یہی کہا کہ اے محمد! اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیجیے۔

---

(۱) ابن ماجہ، ط. اشرفی بکڈپو دیوبند، الرقم: ۳۳۱۰ (۲) ابن ماجہ: الرقم: ۳۳۵٦

روایت کا حکم:

اس روایت کا جہاں تک تعلق ہے وہ صحیح لغیرہ ہے۔

روایت کی تخریج:

امام ابن ماجہؒ نے "**کتاب الطب**" میں **باب الحجامة** (ص ۲۴۸) کے تحت اس تخریج کی ہے۔(۱)

حاکمؒ نے مستدرک میں عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے(۲)، اگر چہ یہاں انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ طبرانیؒ نے بھی اوسط اور کبیر میں روایت کی تخریج فرمائی ہے۔ روایت سے حجامت کا استحباب معلوم ہوا۔

(۵) حدثنا جبارة بن المغلس، ثنا كثير بن سليم، عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن هذه الأمة مرحومة عذابها بأيديها، فإذا كان يوم القيامة دفع إلى كل رجل من المسلمين رجل من المشركين، فيقال: هذا فداءك من النار.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت مرحومہ ہے، یعنی اس پر خدا کا رحم ہے اور اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں ہوگا کہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مسلمان شخص کو ایک مشرک حوالہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ دوزخ سے تیرا فدیہ ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ الرقم: ۳۴۷۹

(۲) المستدرک علی الصحیحین: الرقم: ۷۵۴۸

روایت کا حکم:

یہ روایت ضعیف ہے، صحیح لغیرہ ہے، ویسے یہ روایت حضرت ابوموسی اشعریؓ سے مسلم میں بھی موجود ہے، اس کے علاوہ اور بھی جگہوں پر اس روایت کا ذکر ہے۔

روایت کی تخریج:

اس روایت کی تخریج امام ابن ماجہؒ نے "کتاب الزهد" میں "باب صفة أمة محمد صلى الله عليه وسلم" (ص۳۱۷) کے تحت فرمائی ہے۔(۱)

فائدہ: حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ امید رکھنی چاہیے۔

تو یہ پانچ روایات ثلاثیات ابن ماجہ میں سے ہیں۔

ابوداؤد کی عالی سند:

ابوداؤد میں کوئی ثلاثی روایت نہیں ہے، سنن ابی داؤد میں "كتاب السنة" میں "باب في الحوض" (ص۶۵۳) میں ایک روایت ہے، جس کو بعض لوگوں نے ثلاثی کہا ہے(۲)، روایت ہے:

حدثنا مسلم بن إبراهيم، نا عبد السلام بن أبي حازم أبو طالوت، قال: شهدت أبا برزة دخل على عبيد الله بن زياد، فحدثني فلان باسمه سماه مسلم، وكان في السماط، قال: فلما رآه عبد الله

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الزہد، باب صفۃ أمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم: الرقم: ۴۲۹۲ (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۷

قال :إن محمديكم هذا الدحداح، فهمها الشيخ، فقال: ما كنت أحسب أني أبقى في قوم يعيروني بصحبة محمد، فقال له عبيدالله: إن صحبة محمد صلى الله عليه وسلم لک زين غيرشين، فقال: إنما بعثت إليک لأسألک عن الحوض، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر فيه شيئًا، قال أبو برزة :نعم! لا مرة ولا ثنتين ولا ثلاثا ولا أربعًا ولا خمسًا، فمن كذب به فلا سقاه الله منه، ثم خرج مغضبًا.(۱)

اس روایت میں چار راوی ہیں:

(۱) مسلم بن ابراہیم (۲) عبدالسلام بن ابی حازم، جن کی کنیت ابوطالوت ہے (۳) فلان (۴) ابوبرزہ اسلمیؓ۔

تنبیہ: اس روایت کو علامہ سخاویؒ نے ثلاثی کہا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں: أما الثلاثيات ففي مسند إمامنا الشافعي وغيره من حديثه منها جملة، وكذا لكثير في مسند الإمام أحمد، وما ينيف عن عشرين حديثا في صحيح البخاري، وحديث واحد عند كل من أبي داؤد والترمذي الخ.(۲)

لیکن درحقیقت یہ رباعی ہے، البتہ اس کو رباعی فی حکم الثلاثی کہہ سکتے ہیں، اس لیے کہ دوراوی ابوطالوت اور ان کے شیخ جو یہاں مجہول ہیں، ایک ہی طبقہ (تابعی) سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: الرقم: ۴۷۴۹ (۲) فتح المغیث: ۱۴/۳

رباعیات ابی داؤد:

بہرحال امام ابوداؤدؒ کی سب سے عالی سند رباعی ہے، اور سنن ابی داؤد میں کل ۲۶۷ رباعی ہیں۔ ہم امام ابوداؤد کی چند رباعی روایتیں بطور مثال پیش کرتے ہیں:

(۱) حدثنا حفص بن عمر، أنا شعبة، عن عدي بن ثابت، عن البراء، قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فصلى بنا العشاء الآخرة، فقرأ في إحدى الركعتين بالتين والزيتون. (۱)

ترجمہ: حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عشا کی نماز پڑھائی تو ایک رکعت میں سورۂ والتین والزیتون پڑھی۔

کہتے ہیں کہ سفر میں نماز کی قرأت میں قصر کرنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں عشائے آخرہ پڑھائی اور کسی ایک رکعت میں والتین والزیتون کی قرأت فرمائی (عشا کو عشائے آخرہ بھی کہتے ہیں اور زمانۂ جاہلیت میں یا ابتدائے اسلام میں اس کا نام عتمہ بھی رکھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ کوئی بھی آدمی صلاۃ العتمہ نہ کہے)۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی حفص بن عمرؒ، دوسرے شعبہؒ، تیسرے عدی بن ثابتؒ اور چوتھے راوی حضرت براءؓ ہیں؛ لہٰذا یہ رباعی ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد: ص ۱۷۲، كتاب صلاة السفر باب قصر قرأة الصلاة في السفر: الرقم: ۱۲۲۱

(٢) حدثنا مخلد بن خالد، نا أبو عاصم، عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع، قال: كان بين منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين الحائط كقدر ممر الشاة.(١)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بکری کے گزرنے کی مقدار فاصلہ تھا۔

یہ روایت رباعی ہے، پہلے راوی مخلد بن خالدؒ، دوسرے ابو عاصمؒ، تیسرے یزید بن ابی عبیدہؒ اور چوتھے راوی سلمۃ بن اکوعؓ ہیں۔

(٣) حدثنا أحمد بن يونس، أنا يعلى بن الحارث، سمعت إياس بن سلمة بن الأكوع يحدث عن أبيه، قال: كنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة ثم ننصرف وليس للحيطان فيء. (٢)

اس میں ایک راوی احمد بن یونسؒ، دوسرے یعلیٰ بن الحارث، تیسرے ایاس بن سلمۃ بن اکوعؒ اور چوتھے راوی ان کے والد سلمۃ بن الاکوعؓ ہیں؛ لہٰذا یہ روایت رباعی ہے۔

امام مسلمؒ کی عالی سند:

امام مسلمؒ کی عالی سند رباعی ہے، ان کی رباعیات کی تعداد میں اختلاف ہے:

(١) امین الوائیؒ نے رباعیات مسلم پچیس شمار کی ہے۔

---

(١) سنن أبي داؤد: ١٥٥، كتاب الصلاة، باب موضع المنبر: الرقم: ١٠٨٢

(٢) سنن أبي داؤد: ١٥٥، كتاب الصلاة، باب وقت الجمعة: الرقم: ١٠٨٥

(۲) ایک جز میں ساٹھ رباعی کو شمار کیا گیا ہے۔

(۳) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **وله بضع وثمانون حديثا بهذا الطريق** یعنی امام مسلمؒ کی رباعی اسی سے زیادہ ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۶۴)

(۴) ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ رباعیات مسلم پانچ سو کے قریب ہیں۔(۱)

مثال: **حدثنا قتيبة بن سعيد، قال: نا حاتم يعني ابن إسماعيل، عن يزيد بن أبي عبيد مولى سلمة بن الأكوع، قال: قلت لسلمة: على أي شيء بايعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية؟ قال: على الموت.** (۲)

اس روایت میں چار واسطے ہیں:

(۱) قتیبہ (۲) حاتم (۳) یزید (۴) سلمۃ بن اکوعؓ۔

---

(۱) قال شيخنا خاتمة المحدثين محمد يونس الجونفوري حفظه الله و يرعاه: قيل: هي بضع و ثمانون حديثا، هكذا ذكره بعض المحققين، و هكذا كنت علمت من كتب بعض الطالبين، حتى رأيت العلامة محمد بن يحيى المعروف بالحسن التميمي، صرح به في اليانع الجني، و لكن ذالک خلاف التحقيق الواقع أن الرباعيات في مسلم أربع مائة و بضعة و ثمانون. (اليواقيت الغالية: ۳/ ۳۴۱)

(۲) مسلم: ۲/ ۱۳۰، كتاب الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال، وبيان بيعة الرضوان تحت الشجرة: الرقم: ۱۸٦۰

فـائدہ: اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلم میں تقریباً چالیس روایات ایسی ہیں کہ ان میں امام مسلمؒ کے سند کے واسطے کم ہیں اور امام بخاریؒ کے سند کے واسطے زیادہ ہیں، یعنی مثلاً امام مسلمؒ کے یہاں اگر وہ روایت رباعی ہے، تو امام بخاریؒ کے یہاں وہ روایت خماسی ہے، اور اگر امام مسلمؒ کے یہاں خماسی ہے تو امام بخاریؒ کے یہاں وہ روایت سداسی ہے، یہ گویا امام مسلمؒ کی فضیلت کی چیز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''عوالی مسلم'' میں ایسی کل چالیس روایات جمع کی ہیں۔

مثال: مسلم شریف (ص۱۱۸) **باب عدد غزوات النبي صلى الله عليه وسلم** کے تحت روایت ہے:

حدثني أحمد بن حنبل، قال: نا معتمر بن سليمان، عن كهمس، عن ابن بريدة، عن أبيه، أنه قال: غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ست عشرة غزوة. (۱)

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں: (۱) امام احمد بن حنبلؒ (۲) معتمر بن سلیمانؒ (۳) کہمسؒ (۴) ابن بریدہؒ (۵) ان کے والد۔

یہی روایت بخاری میں چھ واسطوں سے مروی ہے؛ چناں چہ بخاری کی سند مندرجۂ ذیل ہے:

حدثني أحمد بن الحسن، قال: حدثنا أحمد بن محمد بن

---

(۱) مسلم: الرقم: ۱۸۱۴

حنبل بن هلال، قال: حدثنا معتمر بن سليمان، عن كهمس، عن ابن بريدة، عن أبيه، قال: غزا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ست عشرة غزوة. (۱)

امام بخاریؒ کی اس سند میں چھ راوی ہیں:

(۱) احمد بن الحسنؒ (۲) احمد بن محمد بن حنبلؒ (۳) معتمر بن سلیمانؒ (۴) کہمسؒ (۵) ابن بریدۃؒ (۶) ان کے والد۔

امام نسائی کی عالی سند:

امام نسائی کی سب سے عالی سند رباعی ہے، ان کی بھی ایک رباعی روایت بطول مثال پیش کرتے ہیں:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا إسماعيل، أنا عبد العزيز بن صهيب، عن أنس بن مالك، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل الخلاء، قال: اللّٰهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: "اللّٰهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث" اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں مذکر و مؤنث شیاطین سے۔

---

(۱) صحيح بخارى: ۲/ ۶۴۲، كتاب المغازي، باب كم غزا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: الرقم: ۴۴۷۳

(۲) كتاب الطهارة باب القول عند دخول الخلاء: الرقم: ۱۹

اس روایت میں پہلے راوی اسحاق بن ابراہیمؒ، دوسرے اسماعیلؒ، تیسرے عبدالعزیز بن صہیبؒ اور چوتھے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں، لہٰذا یہ رباعی ہے۔

فائدہ: رباعیات نسائی پر مستقل تصنیف ہے جس کا نام "رباعیات من كتاب السنن المأثورة لأبي عبد الرحمن النسائي" ہے۔

ائمۂ صحاح ستہ کی نازل سندیں

امام بخاریؒ کی نازل سند:

امام بخاریؒ کی سب سے نازل سند تساعی ہے، یعنی وہ روایت جس میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان نو واسطے ہوں اور یہ تساعی روایت پوری بخاری میں صرف ایک ہے۔

حدثنا إسماعيل قال: حدثني أخي، عن سليمان، عن محمد بن أبي عتيق، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير، أن زينب بنت أبي سلمة، حدثته عن أم حبيبة بنت أبي سفيان، عن زينب بنت جحش أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل عليها يوما فزعا، يقول: لا إله إلا الله، ويل للعرب من شر قد اقترب، فتح اليوم من ردم يأجوج ومأجوج مثل هذه الخ. (١)

---

(١) صحيح بخاری: ١٠٥٦/٢، كتاب الفتن، باب يأجوج ومأجوج: الرقم: ٧١٣٥

اس روایت میں نو واسطے ہیں:

(۱) اسماعیل (۲) ان کے بھائی (۳) سلیمان (۴) محمد بن ابی عتیق (۵) ابن شہاب (۶) عروۃ ابن الزبیر (۷) زینب بنت ابی سلمہ (۸) ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۹) زینب بنت جحشؓ؛ لہٰذا یہ روایت تساعی ہے۔

امام مسلمؒ کی سند نازل:

مسلم کی سند نازل تساعی ہے، چناں چہ ''كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان'' کے تحت ایک روایت ہے:

حدثني عمرو الناقد وأبوبكر بن النضر وعبد بن حميد، واللفظ لعبد، قالوا: حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، قال حدثني أبي، عن صالح بن كيسان، عن الحارث، عن جعفر بن عبد الله بن الحكم، عن عبد الرحمٰن بن المسور، عن أبي رافع، عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي الخ. (۱)

اس حدیث میں نو رواۃ ہیں:

(۱) عمرو الناقد وابو بکر وعبد بن حمید- یہ تینوں امام مسلمؒ کے استاذ ہیں- (۲) یعقوب بن ابراہیم (۳) ابراہیم بن سعد (۴) صالح بن کیسان (۵) حارث (۶) جعفر بن عبداللہ (۷) عبدالرحمٰن بن مسور (۸) ابورافع (۹) عبداللہ بن مسعودؓ۔

---

(۱) مسلم شریف: ۱/۵۲، الرقم: ۱۸۸

امام مسلمؒ کی دوسری تساعی روایت:

حدثنا عبد الملک بن شعیب بن اللیث، حدثني أبي، عن جدي، قال: حدثني خالد بن یزید، حدثني سعید بن أبي هلال، عن عمارة بن غزیة، عن محمد بن إبراهیم، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة، أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اهجوا قریشا فإنه أشد علیها من رشق بالنبل، فأرسل إلی ابن رواحة، فقال: اهجهم، فهجاهم، فلم یرض، فأرسل إلی کعب بن مالک، ثم أرسل إلی حسان بن ثابت، فلما دخل علیه قال حسان: الخ. (۱)

اس میں کل نو راوی ہیں:

(۱) عبدالملک بن شعیب (۲) شعیب بن اللیث (۳) لیث (۴) خالد بن یزید (۵) سعید بن ابی ہلال (۶) عمارۃ بن غزیۃ (۷) محمد بن ابراہیم (۸) ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن (۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا؛ لہٰذا یہ روایت تساعی ہے۔

امام ابوداؤدؒ کی نازل سند:

امام ابوداؤد کی سند نازل عشاری ہے، اور وہ ایک ہی روایت ہے "کتاب الأیمان والنذور" میں "باب من رأی علیه کفارة" کے تحت روایت ہے۔

حدثنا أحمد بن محمد المروزي، أخبرنا أیوب بن سلیمان، عن أبي بکر بن أبي أویس، عن سلیمان بن بلال، عن ابن أبي عتیق

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/۳۰۰، حدیث: ۲۴۹۰، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل حسان بن ثابت

وموسٰی بن عقبة، عن ابن شهاب، عن سليمان بن أرقم، أن يحيى بن أبي كثير أخبره، عن أبي سلمة، عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لا نذر في معصية، وكفارته كفارة يمين. (۱)

اس روایت میں دس واسطے ہیں:

(۱) احمد بن محمد المروزی (۲) ایوب بن سلیمان (۳) ابوبکر بن ابی اویس (۴) سلیمان بن بلال (۵) ابن ابی عتیق اور موسیٰ بن عقبہ (۶) ابن شہاب (۷) سلیمان بن ارقم (۸) یحییٰ بن ابی کثیر (۹) ابوسلمۃ (۱۰) عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۴) امام ترمذیؒ کی نازل سند:

''ترمذی'' کی سند نازل عشاری ہے، وہ روایت أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة الإخلاص (ج۲/ص۱۱۷) کے تحت ہے۔ (۲)

حدثنا قتيبة ومحمد بن بشار (۳)، قالا: حدثنا عبد الرحمٰن بن مهدي، حدثنا زائدة، عن منصور، عن هلال بن يساف، عن ربيع بن خيثم عن عمرو بن ميمون، عن عبد الرحمن بن أبي ليلى، عن امرأة وهي امرأة أبي أيوب، وروى بعضهم عن امرأة أيوب عن أبي أيوب،

---

(۱) سنن ابوداؤد: الرقم: ۳۲۹۲ (۲) ترمذی: الرقم: ۲۸۹۶

(۳) اسی طرح شیخ بشار عواد معروف اور شیخ کمال یوسف حوت کے نسخے میں واقع ہے، ہندوستانی نسخے میں یہ روایت صرف بندار کے طریق سے مذکور ہے، اس کے علاوہ آگے بھی تھوڑا تغییر واقع ہوا ہے، دیکھئے ترمذی شریف: ۲/ ۱۱۷، ط. اتحاد بک ڈپو دیوبند (اسماعیل عفی عنہ)

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيعجز أحدكم أن يقرأ في ليلة ثلث القرآن؟ من قرأ الله الواحد الصمد، فقد قرأ ثلث القرآن.

اس روایت میں دس واسطے ہیں:

(۱)قتیبہ اور محمد بن بشار (۲) عبدالرحمٰن بن مہدی (۳) زائدۃ (۴) منصور

(۵) ہلال بن یساف (۶) ربیع بن خثیم (۷) عمرو بن میمون

(۸) عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (۹) امرأۃ ابی ایوب (۱۰) ابوایوب رضی اللہ عنہ۔

امام نسائیؒ کی نازل سند:

نسائی کی بھی سند نازل عشاری ہے(۱)، یہ روایت **كتاب الافتتاح، باب الفضل في قراءة قل هو الله أحد** (ج۱/ص۱۱۴) کے ذیل میں ہے۔(۲)

أخبرنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمٰن، حدثنا زائدة، عن منصور، عن هلال بن يساف، عن ربيع بن خثيم، عن عمرو بن ميمون، عن ابن أبي ليلى، عن امرأة، عن أبي أيوب، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قل هو الله أحد ثلث القرآن. قال أبو عبدالرحمن: ما أعرف إسناداً أطول من هذا.

اس کے دس رواۃ وہی ہیں جو ترمذی کے ہیں۔

---

(۱) قال الشيخ عبدالكريم بن عبدالله الخضير في شرح البيقونية: ۲۹، و أنزل ما في الكتب الستة حديث يتعلق بسورة الإخلاص، يرويه النسائي من طريق أحد عشر راويا نازل جدا، قلت: (أي إسماعيل) هذا وهم، والصواب أنزل ما وقع في الكتب الستة هو العشاري كما في الرسالة المستطرفة لا كما زعم. (۲) نسائی شریف: الرقم: ۹۹۶

امام ابن ماجہؒ کی نازل سند:

ابن ماجہ کی سند نازل تساعی ہے، یہ روایت مقدمہ ابن ماجہ "باب في الإيمان" (ص ۸) کے ذیل میں ہے۔(۱)

حدثنا سهل بن أبي سهل ومحمد بن إسماعيل، قالا: حدثنا عبد السلام بن صالح أبو الصلت الهروي، حدثنا علي بن موسیٰ المرضي، عن أبيه، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن علي بن حسين، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإيمان معرفة بالقلب، وقول باللسان، وعمل بالأركان، قال أبو الصلت: لو قرئ هذا الإسناد على مجنون لبرأ.

اس میں نو رواۃ ہیں:

(۱) سہل بن ابی سہل ومحمد بن اسماعیل (۲) عبدالسلام بن صالح
(۳) علی بن موسی (۴) موسیٰ (۵) جعفر بن محمد (۶) محمد
(۷) علی بن حسین (۸) حسینؓ (۹) علی بن ابی طالبؓ۔

خماسیات:

ابوالحسن بن النقور بغدادی م ۴۷۰ھ کی خماسیات پر کتاب ہے، جس میں انہوں نے "سنن دارقطنی" کی خماسی روایتوں کو جمع کیا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ: الرقم: ۶۵

مثال: حدثنا موسیٰ بن إسماعيل، ثنا وهب، ثنا ابن طاؤس، عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: يفتح الردم ردم يأجوج ومأجوج مثل هذه، وعقد وهيب تسعين. (۱)

سداسيات:

اس باب میں ابو موسی محمد بن محمد بن احمد بن عمر المدینی م ۵۸۱ھ کی ''سداسیات التابعین'' ہے۔

مثال: حدثني محمد بن المثنی، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن عبد الملك بن عمير، عن أبی سلمة، عن أبي هريرة، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، قال: أصدق بيت قاله الشاعر: ألا كل شيء ماخلا اللّٰہ باطل. (۲)

سباعيات:

اس باب میں ایک کتاب ہے ''بغية الملتمس في سباعيات حديث مالك بن أنس''، یہ حافظ صلاح الدین علائیؒ کی تصنیف ہے۔

مثال: حدثنا أبو اليمان، أنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني عروة بن الزبير، أن زينب بنت أبي سلمة حدثته، أن أم حبيبة

---

(۱) صحيح البخاری: ۲/۱۰۵۶، کتاب الفتن، باب يأجوج ومأجوج: الرقم: ۷۱۳۶

(۲) صحيح البخاری: ۲/۹۰۷، کتاب الرقاق، باب الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله: الرقم: ۶۱۲۴

بنت أبي سفيان حدثتهما، عن زينب بنت جحش أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها فزعا، يقول: لاإله إلا الله، ويل للعرب من شر قد اقترب، فتح اليوم من ردم يأجوج ومأجوج مثل هذه الخ۔(۱)

ثمانيات:

اس باب میں ایک کتاب ہے "تحفة المستفيد في الأحاديث الثمانية الأسانيد"، یہ سید ابوالحسن بن علی العطار م۶٦۲ھ کی تالیف ہے۔

مثال: حدثنا يحيى بن بكير، ثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير، أن زينب بنت أبي سلمة، حدثته عن أم حبيبة بنت أبي سفيان، عن زينب بنت جحش، أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها فزعا يقول: لا إله إلا الله الخ.(۲)

تساعيات:

اس باب میں ابراہیم بن محمد الطبری م۷۲۲ھ کی "كتاب التساعيات" ہے۔

مثال: امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی سند نازل کے تحت گزر چکی ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى: ۱/۵۰۸، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: الرقم: ۳۴۰۳

(۲) صحيح البخاري: ۱/۴۷۲، كتاب بدء الخلق، باب قول الله عز وجل: و يسئلونك عن ذي القرنين.

عشاریات :

اس باب میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی "**النوادر من العشاریات**" ہے۔

مثال: امام ابوداؤد رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ کی سند نازل کے تحت گزر چکی ہے۔

(۳۷) الناسخ والمنسوخ:

اس کا مطلب ہے روایات میں مقدم ومؤخر کی تعیین کرنا؛ تاکہ تعارض نہ رہے، کیوں کہ مؤخر کو ناسخ اور مقدم کو منسوخ قرار دیں گے، اس میں سب سے پہلے ابن شہاب زہریؒ نے کتاب لکھی، ابن العربیؒ کی بھی اس فن میں "**الناسخ و المنسوخ في الآثار**" نام کی کتاب ہے، یہ ابن العربی ہیں (۱)، دوسرے شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور ہیں ان کو ابن عربی بلا الف لام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ قاضی ابوبکر ابن العربی ہیں جن کی "**عارضة الأحوذي**" نام کی ترمذی کی شرح ہے، اس نوع میں اور بھی قاضی ابن الانباریؒ وغیرہ کی کتابیں ہیں۔(۲)

(۳۸) متشابه الحديث:

قرآن مجید میں جیسے متشابہات ہیں ویسے احادیث میں بھی متشابہات ہیں، ایسی روایات کو جمع کرکے ان کی شرح کرنا، اسے متشابہ الحدیث کہتے ہیں۔ شمس الدین محمد بن لبّانؒ کی "متشابہ القرآن والحدیث" نامی کتاب اسی نوع میں ہے۔(۳)

---

(۱) الاعلام: ۶/ ۲۳۰ (۲) الکنز المتواری: ۱/۳/ ۲۷ (۳) الکنز المتواری: ۱/۳/ ۲۷

(۳۹) الأدعية المأثورة:

وہ روایات جن میں دعائیں ہیں جو کسی نہ کسی موقع ومعمول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، ان تمام کو ایک جگہ جمع کر دینا، ایسی کتابوں کو "کتب الأدعية المأثورة" کہتے ہیں، جیسے مولانا بلند شہریؒ کی "مسنون دعائیں" ہیں، ملّا علی قاریؒ کی "الحزب الأعظم"، علامہ سخاویؒ کی "كتاب البديع"، امام نوویؒ کی "كتاب الأذكار" علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی "سهام الإصابة في الدعوات المستجابة"، ابن سنیؒ کی "عمل اليوم والليلة"، امام نسائی کی "عمل اليوم والليلة"، علامہ ابن جزریؒ کی "حصنِ حصین" وغیرہ۔(۱)

(۴۰) المستدرك:

استدراک کہتے ہیں مافات کی تلافی کرنا، یہاں یہ مطلب ہے کہ پہلے کسی نے حدیث کی کوئی کتاب لکھی ہو اور کچھ شرائط مقرر کیے ہوں، ان شرائط پر پوری اترتی دوسری احادیث بھی ہوں جن کو انہوں نے نہیں لیا، تو بعد والا کوئی آتا ہے اور ایسی روایات کو جو اس مصنف کی شرط پر ہوں اور ان سے رہ گئی ہوں اُنہیں وہ جمع کرتا ہے، گویا اس نے پہلے مصنف کی مافات کا استدراک اور تلافی کی، کسی کتاب کو سامنے رکھ کر بعد والا یہ کام کرتا ہے اس کو استدراک کہتے ہیں، جیسے "مستدرك حاكم على الصحيحين" (۲)، مشکاۃ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے؛ کیوں کہ صاحبِ مشکاۃ نے صاحبِ "مصابیح" کی مافات کا ہی فصل ثالث میں اضافہ کیا ہے۔(۳)

---

(۱) الكنز المتواري: ۱/۲۶۹ (۲) الكنز المتواري: ۱/۲۴۲ (۳) مبادیات حدیث: ص ۱۰۳

(۴۱) المستخرج:

مصنفِ اول نے کوئی کتاب لکھی ہو، بعد والا مصنف ان سے یہ کہتے ہوئے کہ جو روایات آپ کو پہنچی ہیں وہ مجھے آپ کے استاذ کے واسطے سے یا آپ کے استاذ کے استاذ کے واسطے سے پہنچی ہیں؛ مگر اس میں آپ کا واسطہ نہیں، اس طرح وہ ان روایات کو جمع کرتے ہیں۔اس میں وہ ترتیب مصنفِ اول کی ہی باقی رکھتے ہیں، اسے ''مستخرج'' کہتے ہیں۔ اس نوع میں اور بھی کتابیں داخل ہیں، جیسے: **مستخرج أبي عوانة، مستخرج أبي داود لمحمد بن عبدالملک، مستخرج ترمذي لأبي علي الطوسي**''۔(۱)

(۴۲) علل:

روایات کی سند ذکر کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ یہ سند صحیح ہے یا یہ ضعیف ہے یا اس میں اضطراب ہے، وغیرہ؛ گویا تمام اسانید پر کلام کیا جائے۔اس نوع میں مسلم کا درجہ صحاح ستہ میں سب سے آگے ہے، وہ ایک روایت کی جتنی سندیں ہوتی ہیں سب ایک ہی جگہ ذکر کرتے ہیں۔امام ابو عبد الرحمٰن نسائیؒ اسانید بھی ذکر کرتے ہیں اور پھر اس پر کلام بھی کرتے ہیں، ہر مصنف نے ایک الگ کام کیا ہے، ترتیب اس کی یوں ہونی چاہیے، اولاً ترمذی کہ اس میں مذاہب کو بیان کیا ہے، پھر ابو داؤد کہ اس میں مذاہب کے دلائل مذکور ہیں، اس کے بعد بخاری کہ اس میں طریقۂ استنباط عناوین کے ضمن میں ہے، اور اسی کی ضرورت ہے، اس کے بعد اس دلیل کی تقویت

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۴۴

کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لیے مسلم ہے کہ اس میں اسانید کے تعدد سے تقویت ہو جاتی ہے، اس کے بعد پڑھنے والا ایسا ہو جانا چاہیے کہ حدیث کے ضعیف ہونے پر اعتراض کر سکے، یہ بات نسائی میں ہے، اس وجہ سے مسلم کے بعد نسائی ہونی چاہیے اور ان تمام کے بعد ایسی کیفیت پیدا ہو جانی چاہیے کہ وہ حدیث دیکھ کر اس کا مرتبہ پہچان لے کہ صحیح ہے یا ضعیف ہے یا موضوع ہے، اس کو پہچاننے کے لیے ابن ماجہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی روایات انہوں نے جمع کر دی ہیں، تو یہ ترتیب تعلیمی اعتبار سے ہونی چاہیے (۱)۔ حاصل یہ کہ نسائی میں علل پر کلام ہے، اس کے علاوہ اور بھی کتابیں اس نوع میں ہیں، جیسے امام ترمذیؒ کی علل صغریٰ، علل کبریٰ وغیرہ۔ (۲)

---

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مقدمۃ الاوجز (ص ۲۳۸) پر تحریر فرماتے ہیں: "والأوجه عندي في ترتيب التحصيل أن يقدم الترمذي، ثم أبا داؤد، ثم البخاري، ثم مسلما، ثم النسائي، ثم ابن ماجه، ثم الموطأ؛ لأن طالب الحديث أول ما يحتاج إليه تحقيق المذاهب و أنواع الحديث، ثم دلائلهم، ثم طرق الاستنباط، ثم جمع الروايات، ثم التنبيه على الضعاف، ثم التايید بالآثار، و هكذا ترتيب وظائف الكتب المذكورة قبل". فإن وظيفة الترمذي بيان المذاهب و أنواع الحديث، و مقصد أبي داود جمع دلائل الأئمة، ومعظم خواص البخاري طرق الاستنباط، و دأب مسلم جمع الروايات بالطرق الكثيرة، و أشار النسائي إلى علل الأحاديث، و جمع ابن ماجة الصحاح والضعاف، و أكثر في "الموطأ" الآثار. ولابد للحنفي خاصة أن يقدم الموطأ برواية محمد، ثم الطحاوي قبل الأمهات الستة، كما ينبغي للمالكي تقديم الموطأ برواية يحيى على الستة و فيه فوائد لا يخفى.

(أوجز المسالک: ۱/۲۳۸)

(۲) امداد الباری: ۱/۴۸۱، الکنز المتواری: ۱/۲۴۶

(۴۳) الاطراف:

اس کا مطلب یہ کہ اس کا جمع کرنے والا متن کے کسی ایک طرف وکنارہ اور ایک جملہ کو اٹھالے اور اس پر یہ کلام کرے کہ یہ فلاں فلاں کتاب میں ہے۔ بعض مرتبہ کوئی یہ کام صرف صحاح ستہ کو سامنے رکھ کر کرتا ہے، کوئی اس سے زیادہ دس کتابیں سامنے رکھتا ہے، بعض مرتبہ کوئی ایک ہی کتاب کو سامنے رکھ کر یہ کلام کرتا ہے کہ یہ روایت اسی کتاب میں فلاں فلاں جگہ مکرر ہے، بخاری پر یہ کام اچھا ہوسکتا ہے کیوں کہ اس میں مکرارت زیادہ ہیں، اس میں بھی کتابیں ہیں؛ جیسے "النبراس الساري" مولوی عبدالعزیز گوجرانوالہ کی، ابن حجر کی "اتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من أطراف العشرة" اس میں انہوں نے صحاحِ ستہ اور مسانیدِ اربعہ اس طرح ۱۰ر کتابوں کو سامنے رکھ کر یہ کام کیا ہے۔ مسلم پر یہ کام دشوار ہے کیوں کہ اس میں مکررات نہیں، غرض کہ یہ اطراف ہے۔(۱)

(۴۴) التراجم:

کوئی ایک عنوان قائم کر کے اس کے تحت اس باب کی ساری روایات جمع کردینا جیسے عنوان دیا "باب ماذكر عن أبي بكر الصديق" اور پھر اس کے تحت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام روایات کو جمع کردیا، اس طرح کوئی بھی عنوان لگا کر اس طرح کرنا اسے الابواب والتراجم کہتے ہیں، یہ اصطلاح متقدمین کی ہے؛ ورنہ متاخرین کے یہاں ابواب وتراجم پر مستقل کتابیں صرف بخاری شریف

(۱) الکنز المتواری: ۱/ ۲۴۹

کے تراجم پر لکھی گئی ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شیخ الہندؒ، شیخ زکریاؒ، وغیرہ کی اس میں کتابیں ہیں۔(۱)

(۴۵) التعالیق:

اس کا مطلب یہ کہ مصنف ابتدائی سند حذف کر کے بقیہ روایت ہی کو صرف ذکر کر دے (۲)۔ تعلیقاتِ بخاری مشہور ہیں، اور بخاری کی ہی تعالیق بعض کے نزدیک اس کی موطا امام مالکؒ پر فضیلت کا باعث بنی ہے، شوافع اسے تعالیق کہتے ہیں جسے ہمارے یہاں امالی کہتے ہیں۔(۳)

(۴۶) التخاریج:

مصنفِ اول نے صرف روایات نقل کر دی ہوں اور حوالہ نہ دیا ہو، بعد والا مصنف آ کر ان حوالوں کو پر کرتا ہے کہ یہ روایت فلاں کتاب میں فلاں جگہ ہے، اسے ''تخریج'' کہتے ہیں۔ (ہدایہ کی احادیث کی تخاریج مشہور ہے اور بہت سوں نے تخریج کی ہے) مشکاۃ پر اس کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ مصابیح میں یہ حوالے اور تخریج نہ تھی۔(۴)

(۴۷) المسلسلات:

وہ کتابیں ہیں جن میں کوئی روایت ایک ہی صیغہ یا ایک ہی نام کے راوی یا ایک ہی جگہ کے راوی سے منقول ہو اور اس میں انقطاع نہ ہو اسے تسلسل کہتے ہیں،

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۵۰ (۲) الکنز المتواری: ۱/۲۵۲

(۳) شرح عقود رسم المفتی: ص ۸۳ (۴) الکنز المتواری: ۱/۲۶۲

پھر یہ تسلسل کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی جیسے ''مصافحہ بالید''، ''اَخذِ لحیہ'' یہ تسلسلِ فعلی ہے ایسی روایات جن کتابوں میں ہوں اسے **مسلسلات** کہتے ہیں۔(۱)

(۴۸)الفضائل:

وہ احادیث جن میں کسی کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہو، یا کسی عبادت کی فضیلت ہو ایسی روایات جن میں ہوں اُنہیں کتبِ فضائل کہتے ہیں، اس نوع میں امام ابن شداد موصلی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابیں ہیں۔(۲)

(۴۹)الترغیب والترهیب:

ایسی روایات جن میں ترغیب یا ترہیب بیان کی گئی ہو، رغبت وخوف دلایا گیا ہو اس میں امام بیہقیؒ کی ''**ترغيب الصلاة، الترغيب والترهيب للمنذري**'' وغیرہ کتابیں ہیں۔(۳)

(۵۰)الزوائد:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو کتابیں ہوتی ہیں جن میں ایک اعلیٰ اور دوسری اس کے مقابلہ میں مفضول ہوتی ہے، بعد والا کوئی ایسی کتابوں کو سامنے رکھتا ہے، مفضول میں اعلیٰ کی نسبت روایات زیادہ ہوتی ہیں تو اس کتاب کی وہ زائد احادیث جمع کرے تو اسے ''زوائد'' کہتے ہیں جیسے ''**زوائد ابن حبان على الصحيحين، البحر الزخار في زوائد البزار**'' وغیرہ کتابیں اسی نوع کی ہیں، بعض مرتبہ کوئی

---

(۱)الکنز المتواری:۱/۲۵۸ (۲)الکنز المتواری:۱/۲۵۷ (۳)الکنز المتواری:۱/۲۵۶

دس کتابوں کو سامنے رکھ کر جمع کرتا ہے۔(۱)

(۵۱) المختصرات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنفِ اول نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں سے مکررات وغیرہ کو نکال کر اہم اہم روایات کو جمع کرنا اسے مختصر کہتے ہیں (۲) جیسے "المختصر للمنذری" ابوداؤد پر امام منذریؒ کی یہ کتاب ہے، امام ابوداؤدؒ کا سکوت رضامندی کی دلیل ہے، یعنی جس روایت پر انہوں نے کلام نہ کیا ہو اور سکوت اختیار کیا ہو وہ معمول بہا بنانے کے قابل ہوتی ہے؛ مگر قاعدہ ہے کہ وہاں منذری بھی خاموش ہوں اور انہوں نے بھی کوئی کلام نہ کیا ہو، (۳) مختصر منذری کے علاوہ جیسے "زجاجة المصابیح" یہ مشکاۃ کا مختصر ہے، اس میں احناف کے مستدلات جمع کئے ہیں (۴)۔

(۱۹) فتنۂ انکارِ حدیث

ہر زمانہ میں اسلام کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ باطل طاقتیں کھڑی ہوئیں، انہوں نے کسی نہ کسی صورت سے اسلام کی مخالفت کسی نفسیاتی غرض کی وجہ سے کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ چند سال بعد ہی تفرقہ بازی شروع ہوئی اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانی چاہی، کسی نے بالکل ظاہراً مخالفت

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۲۶۰ (۲) الکنز المتواری: ۱/۲۶۱ (۳) الدر المنضود: ۱/۵۲

(۴) اس کتاب کی دو جلدیں "جهود المراجيح في تخريج أحاديث زجاجة المصابيح" کے نام سے تخریج وتحقیق کے ساتھ دار العلوم ماٹلی والا سے نشر ہو چکی ہیں۔

مول لی تو کسی نے موافقت کے رنگ میں مخالفت کی اور ظاہرا اچھا دکھلایا، منشاء ہر ایک کا یا اسلام کو مٹانا تھا یا اس کی مخالفت کر کے نفسیات پر عمل کرنا تھا اور من چاہی زندگی گزارنی تھی۔ پہلی صدی ہجری کا اختتام ہی ہونے پایا تھا کہ ایک ایسی ہی جماعت کھڑی ہوگئی جو منکرینِ حدیث کے نام سے مشہور ہوئی، اس نے حدیث کا انکار کردیا اور کہا کہ ہمارے لیے قرآن مجید کی موجودگی میں احادیث کی ضرورت نہیں، ویسے ایک دوسرا فرقہ بھی کھڑا ہو جس نے اپنے آپ کو ظاہرِ حدیث کا پابند کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہراً جو معلوم ہوتا ہے بس اسی پر عمل ہونا چاہیے، ہمیں اس میں اپنی رائے قائم کرنے کی اور قیاس لڑانے کی اور گہرائی سے معنی نکالنے کی ضرورت نہیں، ظاہرِ حدیث کا جو مدلول ہو وہی معمول بہا ہوگا، تو انہوں نے معانی کا انکار کردیا، الفاظ کو اختیار کیا، یہ فرقہ اصحابِ ظواہر سے مشہور ہوا، غرض کہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہوا؛ مگر بمصداق اس کے کہ ”لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰی“ ہر باطل پرست کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک جماعتِ حقہ بھی پیدا کی، جس نے ان مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کے دنداں شکن جواب دیئے، اس طرح ان منکرینِ حدیث کے مقابلہ میں محدثین کی جماعت بھی کھڑی ہوئی اور انہوں نے حدیث کا لفظ لفظ محفوظ کیا۔

ان منکرینِ حدیث کے پاس اپنے دعوے کے لیے مثبت دلیل تو کوئی بھی نہیں؛ حالاں کہ دعویٰ کے اثبات کے لیے اصل مثبت دلائل ہونے چاہئے، خیر ان سے یہ نہ بن پڑا تو چند اعتراضات کر کے منفی پہلو اختیار کیا۔

سوال: ایک اعتراض تو انہوں نے یہ کیا کہ قرآنِ مجید جب جامع کتاب ہے تو پھر احادیث کی کیا ضرورت ہے؟ اِن احادیث کو جمع کرنے سے تو قرآن کا ناقص ہونا لازم آتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جامعیت کا مطلب ہی غلط سمجھا، جامعیت کا یہ مطلب نہیں کہ اسے تشریح کی بالکل ضرورت نہ ہو اور شرح کرنے سے اس میں نقص پیدا ہو جاتا ہو۔ جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ جس مضمون میں وہ کتاب ہو اس کے تمام اصول وقوانین کو جامع ہو، اور جو کتاب جتنی جامع ہوگی اتنی ہی مغلق ہوگی اور اسے اتنی ہی شرح وبیان کی بھی ضرورت ہوگی۔ قرآن بھی ویسا ہی جامع ہے، وہ لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے اور یہ مضمون ہدایت کا اس میں نہایت جامع انداز میں ہر قسم کے دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک متن ہے اور متن کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ مختصر انداز میں اور جامع ہو، تو یہ متن ہے اور احادیث اس کی شرح ہے۔ غرض یہ کہ یہ کہنا کہ احادیث کو قرآن کی شرح ماننے سے اس کا ناقص ہونا لازم آتا ہے یہ غلط ہے؛ بل کہ اسے تو بہت زیادہ شرح کی ضرورت ہے ورنہ قرآن میں ساری چیزیں تفصیل کے ساتھ کہاں ہیں؟ قرآن میں صرف نماز کا حکم ہے اس میں پانچ نمازوں کا اور ان کی رکعات کا اور ساری کیفیات کا کہاں ذکر ہے؟ تو بلا احادیث کے قرآن سمجھنا بہت دشوار ہے۔ خود صحابہؓ بعض مرتبہ کسی آیت کا مطلب نہیں سمجھتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی: "**وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَا نَهُمْ بِظُلْمٍ**" تو صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ اس پر کیسے عمل ہوگا؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے

مراد شرک ہے(۱)، خود قرآن میں دوسری جگہ ہے: ”إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“ ایسا کئی مرتبہ ہوا کہ صحابہؓ مطلب غلط سمجھ بیٹھے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صحیح مطلب بیان فرمایا، غرض کہ یہ اعتراض غلط ہے جب صحابہؓ کو قرآن کے سمجھنے میں احادیث کی ضرورت تھی تو پھر بعد کے لوگوں کو کیوں نہ ہو؟ تو جامع کی شرح کرنا کوئی اس کے نقص کی دلیل نہیں (۲)۔

سوال: ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احادیث کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَا تَکْتُبُوْا عَنِّيْ شَيْئًا سِوَى الْقُرْآنِ“ مجھ سے قرآن کے سوا اور کچھ نہ لکھو، پھر حدیث کے خلاف کیوں لکھا گیا؟ (۳)

جواب: ان کے اس اعتراض کی جو دلیل انہوں نے روایت سے بیان کی اس پر ہم انہیں الزاماً کہتے ہیں کہ آپ نے اس حدیث سے استدلال کیسے کیا جب کہ آپ تو حدیث کے منکر ہیں، اور اگر نہیں تو پھر اسی ایک پر عمل اور بقیہ کے انکار کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوا کہ بنظرِ حق ان کو احادیث سے مفر نہیں یا تو پھر یہ انکار ان کی نفس پرستی، ہٹ دھرمی اور شیطانی وسوسہ ہے، حقیقت کچھ بھی نہیں، یہ الزامی جواب ہے۔

دوسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث کے مقابلہ میں کتابتِ حدیث کی اباحت کی بھی روایات ہیں، اب جب روایتوں میں تعارض ہو گیا تو تطبیق و

---

(۱) بخاری شریف: الرقم: ۳۲ (۲) امداد الباری: ۱/ ۴۵ (۳) مسند احمد: ۳/ ۱۲، الرقم: ۱۱۱۰۰

ترجیح دینی رہی۔ (۱) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت کی روایت صرف ایک ہے اور اباحت کی روایات کثیر ہیں، اس وجہ سے اباحت کو ترجیح ہوگی، یہ ایک وجہِ ترجیح ہوئی۔ (۲) ممانعت کی روایت موقوف اور منقطع ہے جب کہ اباحت کی روایات متصل ہیں، اس وجہ سے اباحت کو ترجیح ہوگی (۱)۔ (۳) ممانعت جو تھی وہ قرآن کے ساتھ التباس کے خوف سے تھی، گویا ایک وقتی مصلحت کی بنا پر تھی، اب التباس کا خوف نہیں رہا؛ لہٰذا ممانعت بھی نہ رہی، اس وجہ سے بھی اباحت کی حدیث کو ترجیح ہوگی (۲)۔ (۴) ممانعت اس وقت ہے جب کہ صرف کتابت پر اکتفا کرلیا جائے اور اسے یاد نہ کیا جائے؛ کیوں کہ ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے آپ نے منع فرمایا تھا، اسی وجہ سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ لکھ کر یاد کرلیا جائے اور پھر اسے مٹا دے، اور اب تو کتابت کے جواز پر اجماع ہوچکا (۳)۔ امام بخاریؒ نے مستقل ایک باب قائم کیا اور اس کے تحت جوازِ کتابت کی ساری روایات کو جمع کیا (۴)۔ اور بھی ائمہ کے اقوال ہیں، جس سے کتابت کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے، چہ جائے کہ جواز ہو (۵) یہ ممانعت قرآن کے نزول تک تھی، آخر میں پھر آپ نے اجازت دے دی۔

یہ مختلف جوابات دیئے گئے ہیں اور اباحت کو ترجیح دی گئی ہے، تو گو صحابہؓ میں اس مسئلہ میں کسی زمانہ میں اختلاف رہا، ایک جماعت صحابہؓ کی اس ممانعت کی وجہ سے عدمِ جواز کی قائل تھی اور دوسری ایک جماعت جس میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ،

---

(۱) فتح الباری: ۱/۲۵۳ (۲) فتح الباری: ۱/۲۵۳

(۳) فتح الباری: ۱/۲۵۳ (۴) صحیح البخاری، باب کتابۃ العلم

حضرت ابوہریرہؓ رافع بن خدیجؓ وغیرہ ہیں، یہ لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں۔اور ایک قول یہ ہے کہ لکھ کر یاد کر کے مٹا دیا جائے؛ مگر پھر بعد میں اس پر اجماع ہوگیا کہ کتابت جائز ہے،تو ان کا اس حدیث کو آڑ بنانا بھی صحیح نہیں۔(۱)

سوال: ان کا ایک تیسرا اعتراض ہے اور وہ یہ کہ یہ احادیث جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھی تو پھر ایک صدی کے بعد کیسے جمع کیا گیا؟ کیا ضروری ہے کہ پھر وہ ہم تک صحیح بھی پہنچی ہو اور اگر ضرورت ہوتی تو پھر صحابہؓ نے کیوں نہیں لکھا، معلوم ہوا احادیث کی ضرورت نہیں۔

جواب: یہ اعتراض پہلے واقعہ کے ذیل میں گزرا ہے اور وہاں اس کے تین جوابات بھی دیئے ہیں، جن میں سے دو تسلیمی اور ایک منعی ہے۔ایک جواب تسلیمی یہ دیا ہے کہ ان کے حافظے اتنے قوی تھے کہ ان کو لکھنے کی ضرورت نہ تھی، چند واقعات بھی نقل کیے ہیں۔دوسرا جواب تسلیمی یہ تھا کہ ان حضرات کے مشاغل اتنے تھے کہ وہ اس کی طرف توجہ نہ کر سکے اور تیسرا جواب منعی یہ تھا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں احادیث لکھی ہوئی نہیں تھیں اور پھر چند صحائف کا ذکر کیا تھا کہ فلاں فلاں کے پاس صحیفے تھے ان میں احادیث اور احکام لکھے ہوئے تھے۔(۲)

سوال: ان کا ایک چوتھا اعتراض ہے وہ یہ کہ احادیث تو ظنی ہیں، پھر وہ قابلِ اعتبار اور قابلِ عمل کیوں کر ہو؟

---

(۱) فتح الباری: ۱/۲۵۳

(۲) دیکھئے صفحہ نمبر-۹۸

جواب: ان کے اس سوال پر ان سے یہ سوال ہے کہ تمام احادیث تو ظنی نہیں، بعض تو قطعی ہیں، تو ان بعض پر بھی تمہارا عمل کہاں ہے؟

پھر قرآن پر جو تم عمل کرتے ہو وہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے ہے، تو پھر اس حدیث پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر کیوں عمل کیا اور دوسرے پر کیوں نہیں کیا، پھر دنیا میں روز مرہ کے معاملات میں تم کتنی ظنی خبروں کا اعتبار کرتے ہو، جب کہ مخبر کا حال معلوم بھی نہیں، تو پھر اس ظن کی بنیاد پر احادیث ہی کیوں تمہارے نزدیک مردود ہیں جب کہ ان کے راوی ثقہ اور معلوم الحال بھی ہیں۔(۱)

سوال: ان منکرینِ حدیث نے ایک اور اعتراض کیا (اور یہ سب ان کے اعتراض نہیں وساوس ہیں جو شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے تو ان کو ایک اور وسوسہ پیش آیا)، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث کا مجموعہ تو سارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ہے، جیسے دوسرے بادشاہوں کی تاریخ ہوتی ہے، وہاں جیسے کچھ لوگ بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے یا کسی اور غرض سے اس کی زندگی کے حالات جمع کر لیتے ہیں، وہ کوئی قابلِ اعتبار اور قابلِ عمل نہیں ہوتے، بادشاہ کوئی مقتدا اور پیشوا نہیں کہ اس کی اقتدا کی جائے، اس کے پاس حکومت ہے جسے وہ چند لوگوں کی مدد سے چلا لیتا ہے نہ اس کا کوئی قول قابلِ عمل ہے اور نہ کوئی فعل قابلِ اقتدا ہے، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بھی ایک بادشاہ کی ہے کہ چند صحابہؓ کی مدد سے انہوں نے (معاذ اللہ) حکومت کر لی اور کرنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات، آپ کی سیرت اور آپ کی تاریخ بھی جمع کر لی، اس وجہ سے وہ قابلِ عمل نہیں۔

---

(۱) ارشاد القاری: ۲۳

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ احادیث کو تاریخ پر قیاس کرنا ہی سراسر غلط ہے، تاریخ کی حیثیت دوسری ہے، اولاً تو وہ عامۃً گزشتہ زمانہ کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، پھر ان کے پاس کچھ مواد ہوتا ہے، چند واقعات ہوتے ہیں، اسے وہ جمع کر دیتے ہیں، انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ اس میں حقیقت کتنی ہے، وہ مؤرخین خود تو اس زمانہ میں ہوتے نہیں، جس زمانہ کی وہ تاریخ مرتب کرتے ہیں، لوگوں سے منقول واقعات پر وہ اعتبار کر لیتے ہیں، اور انہیں لکھ دیتے ہیں، اس کے مقابلہ میں حدیث کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے، صحابہؓ نے جو احادیث کو جمع کیا تو ان کے پیشِ نظر کوئی جاہ و مال تو تھا ہی نہیں، پھر وہ ہر حدیث پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل کرتے دیکھتے، خود بھی عمل کرتے اور پھر اسے لکھتے اور محفوظ کرتے، پھر ان کے بارے میں کذب کا بھی احتمال نہیں، علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ "الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ" اور کذب کا تصور بھی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے سامنے یہ حدیث بھی تھی "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" (۱) اس وعید کو بھی وہ سنے ہوئے تھے، پھر جھوٹ کا کیا سوال تھا؟ اگر یہی ہوتا تو پھر حدیث کے روایت کرنے میں اتنا اہتمام نہ کرتے، جب کہ اس قدر اہتمام کیا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں؛ اگر کسی لفظ میں شک ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تو اسے بھی بیان کرتے، اور پھر بھی آخر میں کہتے کہ "أو كما قال عليه الصلاة والسلام" یہ ان کی احتیاط کا حال تھا، پھر ان کی زندگی کے حالات بھی مِن وعَن

(۱) بخاری شریف: الرقم: ۱۰۷

معلوم ہیں، پھر بادشاہ کو تو لوگ خود منتخب کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کے مُرسل ہیں، ان کو ایک بادشاہ کی حیثیت کیسے دی جاسکتی ہے، ضروری نہیں کہ بادشاہ کا ہر قول وعمل صحیح ہو، برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نبی ہیں، پوری امت کے مقتدا اور ہادی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وعمل کیسے خلافِ شرع ہوسکتا ہے؟ جب کہ ادنیٰ سی خلافِ اولیٰ بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تنبیہ کی جاتی تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بادشاہ کی حیثیت کے نہ تھے، یہ تو ذاتِ نبوی سے عدمِ تعلق ومحبت کی دلیل ہے، جب کہ خود قرآن میں جگہ جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدا ماننے کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی تاکید کی گئی ہے، حکم دیا گیا ہے؛ اگر ان منکرین کا حدیث پر عمل نہ سہی، صرف قرآن پر عمل ہے، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ان کے لیے ضروری ہے اور اطاعت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل کی اتباع کی جائے، آپ کے اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب کیا جائے؛ مگر یہ بھی نہیں تو پھر کیسے وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمارا قرآن پر عمل ہے، بس سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ سارا وہ صرف نفس پرستی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ چندان منکرینِ حدیث کے اعتراضات تھے اور ان کے جوابات دے دیئے گئے، یہ منکرین وہ ہیں جو مطلقاً حدیث کے الفاظ ومعانی دونوں کے منکر ہیں، ایک جماعت وہ بھی ہے جو حدیث کے ظاہری الفاظ پر عامل ہے اور معانی کی منکر ہے، جن کو اصحابِ ظواہر کہا جاتا ہے، یہ دو قسم کے منکرین تھے، اس وجہ سے

ضرورت تھی کہ دو ایسی جماعت پیدا ہو جو ان دونوں کے مقابلہ کا سامان فراہم کرے اور دین کی حفاظت کرے؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے دو جماعتیں ویسی پیدا کر دیں، ایک محدثین کی اور دوسری فقہا کی، محدثین نے الفاظِ حدیث کی ہر طرح حفاظت کی اور اسے ضبط کیا اور فقہا نے معانی کو محفوظ کیا، محدثین کا کام صرف احادیث کو جمع کر دینا ہے، کون سی حدیث سے کیا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس سے وہ بحث نہیں کرتے، یہ کام فقہا کا ہے، وہ طریقِ استدلال واستنباط سے واقف ہوتے ہیں اور ایسی دو جماعتیں صحابہؓ میں بھی رہیں، کچھ وہ تھے جو روایت کے ساتھ فقاہت کے بھی مالک تھے اور اللہ نے انہیں فقہ فی الدین سے خوب نوازا تھا، اور کچھ وہ تھے جو حفظ روایت میں بڑا مقام رکھتے تھے، عبادلۂ ثلاثہ (۱) فقاہت میں مشہور ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ کا مرتبہ حفظ روایات میں بہت بڑھا ہوا ہے، یہی دو جماعتیں بعد میں محدثین اور فقہا کی جماعت بنیں، دونوں کی بڑی خدمات ہیں، امت پر دونوں کا بہت بڑا احسان ہے جو نا قابلِ فراموش ہے۔ **جزاهم الله عنا جميعنا خير الجزاء. آمين!** (۲)

ضرورتِ علمِ حدیث:

ابھی حجیتِ حدیث کے ذیل میں دلائلِ نقلیہ بیان کیے تھے، کہ علمِ حدیث کا

---

(۱) عبادلۂ ثلاثہ کے مصداق کی سلسلے میں تفصیل صفحہ ۲۷۸ر پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) تفصیل کے لیے مراجعت فرمائیں حجیتِ حدیث و درسِ ترمذی از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ و کتابتِ حدیث از حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ و حفاظتِ حدیث از ڈاکٹر خالد علوی صاحب، ارشاد القاری از مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ و امداد الباری از مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ۔

مقام کیا ہے؟ کیوں ضرورت ہے، علمِ حدیث کی اس بحث میں دلائلِ عقلیہ کے ذریعے علمِ حدیث کی ضرورت کو ثابت کیا جائے گا۔

عقلی طور پر تین دلیلیں علمِ حدیث کی ضرورت کے متعلق سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) اعتدالی (۲) عنصری (۳) مراجعت صحابہ

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا، انسان میں تین صلاحیتیں رکھی ہیں:

دلیلِ اعتدالی:

(۱) قوتِ عاقلہ (۲) قوتِ شہوانیہ (۳) قوتِ غضبیہ۔

(۱) قوتِ عاقلہ کا کام یہ ہے کہ منافع و مضرات کی پہچان کرواتی ہے۔

(۲) قوتِ شہوانیہ کا کام یہ ہے کہ ضروریاتِ زندگی اور منافع کو حاصل کرنے پر ابھارتی ہے۔

(۳) قوتِ غضبیہ کا کام یہ ہے کہ منافع کو حاصل کرتے وقت جو موانع بیچ میں آڑ بنتے ہیں ان کو دفع کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

جب یہ تین قوتیں صحیح رُخ پر استعمال ہوں گی تو انسان اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے گا۔

اوپر کی اقسامِ ثلاثہ میں سے پھر ہر ایک کے تین تین درجات ہیں:

(۱) مُفرِطہ جو ضرورت سے بھی زائد ہو (۲) مفرّطہ جو ضرورت سے بھی کم ہو (۳) متوسطہ جو درجۂ اعتدال پر ہو۔

قوتِ عاقلہ کے تین درجات ہیں:

(۱) جُرْبُزَۃ (۲) بلادت (۳) حکمت۔

(۱) ''جُرْبُزَۃ'' یہ عاقلہ کا درجۂ مُفْرِطہ ہے، یعنی عقل کا حد سے بڑھ جانا، ذات و صفات میں بحث کرنے لگے یہ افراط ہے۔

(۲) ''بلادت وغباوت'' یہ عاقلہ کا درجۂ مُفَرِّطہ ہے، یعنی عقل میں اتنی کمی ہو کہ کچھ شعور نہ ہو۔

(۳) ''حکمت'' عاقلہ کا درجۂ متوسطہ ہے، یہ عقل کا اعتدالی درجہ ہے۔

قوتِ شہوانیہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وقاحت (۲) خناست (۳) عفت۔

(۱) وقاحت: قوتِ شہوانیہ مُفْرِطہ ہے، یعنی شہوات اتنی غالب ہوں کہ بالکل شرم کی پروانہ کرے، بے شرم بن جائے۔

(۲) خناست: یہ شہوانیہ مفرِّطہ ہے کہ طبیعت میں کوئی رغبت ہی نہ ہو۔

(۳) عفت: یہ شہوانیہ متوسطہ ہے کہ طبیعت میں درمیانی درجہ ہے۔

قوتِ غضبیہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تہور (۲) جبن (۳) شجاعت

(۱) ''تہور'' غضبیہ مُفْرِطہ ہے کہ غضب ہی غضب ہو۔

(۲) ''جبن'' غضبیہ مُفَرِّطہ ہے کہ حق بات پر بھی غصہ نہ آئے۔

(۳) ''شجاعت'' غضبیہ کا درجۂ متوسطہ ہے کہ غضب کی اعتدالی کیفیت ہے، اس

میں حکمت، عفت، شجاعت جو متوسطہ ہے وہ محمود ہے اور مُفرِ طہ اور مفرّ طہ دونوں مذموم ہیں، جب حکمت، شجاعت، عفت تینوں جمع ہوں وہ عدالت ہے، اس عدالت کو حاصل کرنے کے لیے تعلیمات کی ضرورت تھی، کسی معلّم کی ضرورت تھی، جو درجۂ کمال اور درجۂ نقص میں تمیز دلائے، تو اعلیٰ معلم تو اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن ہم نہایت ادنیٰ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ تو استفادہ مشکل تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات واسطۂ ذو جہتین ہے، اس سے استفادہ کرنا آسان ہے، تو یہ علمِ حدیث وہی تعلیمات ہے جس کے ذریعے عدالت پیدا ہوتی ہے۔

دلیل عنصری:

انسان عناصرِ اربعہ سے پیدا ہوا: آگ، پانی، مٹی، ہوا، چاروں کا ایک خاص اثر ہے۔

(۱) ہوا کے اثر سے کبھی انسان کے بدن پر ورم آجاتا ہے۔
(۲) آگ کے اثر سے کبھی بخار آجاتا ہے۔
(۳) مٹی کے اثر سے کبھی خارش ہوتی ہے۔
(۴) ماء، پانی کے اثر سے کبھی نزلہ زکام ہوتا ہے۔

عناصر اربعہ میں سے ہر ایک میں ایک صفتِ رذیلہ ہے۔

(۱) آگ میں رفعت اور تعلّی ہے، اس کے نتیجہ میں انسان کبھی فخر کرتا ہے۔
(۲) ہوا میں ریاء اور شہرت ہے، ہر جگہ ہوا پہنچنا چاہتی ہے، اسی وجہ سے انسان میں بھی ریاء کا خاصہ ہے۔

(۳) پانی میں عدمِ استقلال ہے، ایک جگہ جماؤ نہیں، تو انسان میں بھی یہ اثر ہے، تذبذب اور تلون مزاجی ہے۔

(۴) تراب کا خاصہ روکے رکھنا، تو انسان میں بھی اس کا اثر بخل ہے، تو عناصر اربعہ سے یہ چار رذائلِ مذمومہ پیدا ہوتے ہیں۔

تو ایسی تعلیمات کی ضرورت ہے کہ جوان رذائل کو ختم کریں، یہ تعلیمات احادیث ہیں؛ کیوں کہ رذائل ختم کرنے کا علاج قرآن میں اجمالاً تھا، اس کی تفصیل حدیث میں ہے۔

(۱) عنصرِ ناریہ کے کبر وغرور کو ختم کرنے کے لیے نماز ہے۔

(۲) عنصر ترابیہ کے بخل کو ختم کرنے کے لیے زکاۃ فرض ہوئی۔

(۳) عنصر ہوائیہ کے شہرت وریاء کو مغلوب کرنے کے لیے حج فرض ہوا۔

(۴) عنصر مائیہ کے عدم استقلال کو ختم کرنے کے لیے روزہ فرض ہوا۔

دلیل مراجعت صحابہ:

صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے پاک نفوس جن کا باطن معاصی سے صاف شفاف تھا اور تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن سمجھنے کے لیے احادیث کی ضرورت تھی، بہت سارے واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن سمجھنے کے لیے حدیث کی مدد لینی پڑی تو ہم کو تو بدرجۂ اعلیٰ حدیث کی ضرورت ہے، یہ علمِ حدیث کی ضرورت کے متعلق بحث تھی۔(۱)

تینوں دلیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علمِ حدیث کی کیا ضرورت ہے۔

---

(۱) ماخوذ از تحفۃ المرآۃ فی دروس المشکاۃ، از صفحہ ۵۴ تا ۵۶ بتغییر یسر۔

مقدمۃ الکتاب

کتاب کی تعریف کا یہ مطلب نہیں کہ جیسے علم کی حقیقت بیان کی گئی تھی ویسے اس کی کوئی تعریف کی جائے؛ بل کہ یہ مطلب ہے کہ اس کا تعارف کرایا جائے، تعارف میں چند چیزوں کا لحاظ ہوتا ہے: وجہ تالیف، زمانۂ تالیف، شروحاتِ کتاب، تعدادِ روایات، خصوصیات کتاب، "مِنْ أَيِّ نَوْعٍ" وغیرہ ان کے ذریعہ کتاب کا تعارف ہوتا ہے، تو سب سے پہلے تعریف وتعارف ہے اور اس میں اول وجہِ تالیفِ کتاب ہے، اسے معلوم کریں۔

وجہِ تالیف:

(۱) اس کی ایک وجہ تو ہے کہ احادیثِ نبویہ ساری اس لیے ہیں تاکہ ان کو معمول بہا بنایا جائے اور عمل کے لیے علم ضروری ہے کہ اس کے بغیر عمل ممکن نہیں، اس وجہ سے انہوں نے احادیث کو جمع کیا؛ تاکہ لوگ اس کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل کریں، جو ان کے خود کے لیے بھی اور مصنف کے لیے بھی کامیابی کا باعث ہو۔

(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے جس کی طرف مصنف نے خود خطبہ میں اشارہ کیا ہے، "وکان کتاب المصابیح" یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے کہ جب مصابیح اتنی عمدہ کتاب تھی جیسے آپ نے تعریف کی تو پھر اس کی احادیث نقل کردیتے، آپ کو اس کی شرح کی اور اس پر اضافہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب دیا کہ مصابیح واقعتاً عمدہ تھی؛ مگر اس میں اسانید اور حوالہ کا ذکر نہیں تھا اور اس وجہ سے بعض نقاد نے

طعن کیا تھا، اس وجہ سے انہوں نے اسانید وحوالہ کولکھ دیا اور طعنہ سے بچالیا، تو یہ بھی تالیف کی وجہ تھی۔(۱)

زمانۂ تالیف:

اس میں ابتدا اور انتہا کا ذکر ہوتا ہے اور دونوں کی تعیین سے مدتِ تالیف کا بھی علم ہو جاتا ہے، ''مشکاۃ المصابیح'' کی تالیف کی ابتدا تو نہ معلوم ہوسکی؛ البتہ اختتام کا ذکر خود انہوں نے کیا ہے اور وہ رمضان کا آخری جمعہ، آخری تاریخ، یکم شوال کی رؤیت کے وقت ۷۳۷ھ میں ہوا، یہ اختتام کی تاریخ ہے، ابتدا نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مدت کا بھی علم نہیں۔(۲)

من أيّ نوعٍ:

''مشکاۃ المصابیح'' کا شمار ''للأکثر حکم الکل'' کے اعتبار سے جامع میں ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ مستدرک، سنن اور تعالیق جیسی انواع میں بھی اس کا شمار ہے(۳)۔

---

(۱) مشکاۃ المصابیح: ۱/ ۲۷ (۲) مشکاۃ المصابیح: ۳/ ۵۰۸، کشف الظنون: ۲/ ۱۶۹۹

(۳) مبادیاتِ حدیث (ص۶۱) میں مشکاۃ شریف کو تعالیق میں شمار کیا گیا ہے، لیکن محدثِ کبیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے تحفۃ الدرر (ص۲۳) پر اس کا رد فرمایا ہے؛ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: مشکاۃ شریف میں جو صورت ہے اس کو اصطلاح میں تعلیق نہیں کہا جاتا، کیوں کہ صاحبِ مشکاۃ نے یہ حدیثیں اپنی سند سے روایت نہیں کی ہیں، بل کہ دوسری کتابوں سے نقل کی ہیں اور ان حدیثوں کی سندیں اصل کتابوں میں موجود ہیں، پس اُن کو معلق نہیں کہا جائے گا بل کہ اصطلاح میں ان کو ''مجرد'' کہا جاتا ہے اور ایسا کرنے کا نام ''تجرید'' ہے۔

تعدادِ روایات:

مشکاۃ المصابیح کی تعدادِ روایات میں تین قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ اس میں کل ۵۹۹۵/روایات ہیں، یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ''بستان المحدثین'' اور شارحِ مشکاۃ ابن الملک کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔(۱)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کل ۵۹۴۵/روایات ہیں، یہ قول ملاّ علی قاریؒ کا مرقاۃ شرحِ مشکاۃ میں ہے اور یہی راجح ہے۔(۲)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں کل ۶۲۳۰/روایات ہیں، یہ صاحبِ کشف الظنون ملاّ کاتب چلپیؒ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، یہ اختلاف صرف مصابیح کی روایات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے ہوا ہے؛ ورنہ مشکاۃ کی روایات تینوں قول کے مطابق ۱۵۱۱/ ہیں۔ پہلے قول کے مطابق مصابیح کی روایات ۴۴۸۴/اور مشکاۃ کی ۱۵۱۱/ اور مجموعہ ۵۹۹۵/ ہوتا ہے، دوسرے راجح قول کے مطابق مصابیح کی روایات ۴۴۳۴/اور مشکاۃ کی ۱۵۱۱/ ہیں اور مجموعہ ۵۹۴۵/ہوتا ہے(۳) اور تیسرے

---

(۱) و عدد الأحاديث المذكورة فيه أربعة آلاف، و أربع مائة، و أربعة و ثمانون حديثا، فمنها ما هو من الصحاح ألفان، و أربع مائة، و أربعة و ثلاثون حديثا، و منها ما هو من الحسان ألفان و خمسون حديثا – (کشف الظنون: ۲/۱۶۹۸، عن ابن الملک، بستان المحدثین: ۲۲۵)
یہ عدد مصابیح کی احادیث کا ہے، اس کے اوپر مُلا علی قاریؒ کا ذکر کردہ ۱۵۱۱/ کے عدد کا اضافہ کیا جائے تو مذکورہ عدد نکلے گا۔ (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵۳

(۳) قيل: أحاديثه أربعة آلاف، و أربع مائة، و أربعة و ثلاثون حديثا، وزاد صاحب المشكاة ألفا و خمس مائة و أحد عشر حديثا، فالمجموع خمسة آلاف و تسع مائة وخمسة و أربعون، و ينضبط بستة آلاف إلا كسر خمس و خمسين. (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵۳)

قول کے مطابق مصابیح میں ۴۷۱۹/(۱) اور مشکاۃ میں ۱۵۱۱/روایات ہیں اور اس کا مجموعہ ۶۲۳۰/ ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے قول کے مطابق فصلِ اول کی صحاح روایات ۲۴۳۴/اور فصلِ ثانی کی حسان روایات ۲۰۵۰/ ہیں، اس طرح مجموعہ ۴۴۸۴/ ہوتا ہے(۲)۔ ملاّ علی قاریؒ کے قول کے مطابق صحاح روایات ۲۴۳۴/ اور حسان ۲۰۰۰/ ہیں، اس طرح ۴۴۳۴/ ہوتی ہیں، اس عدد کو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ نے شعر میں یوں کہا ہے ؎

احادیثِ مشکاۃ را ہم شمار ☆ اگر ہوئے پچپن تو ہو چھ ہزار

اسی قول کے مطابق جلد اول کی روایات ۲۹۴۵/اور جلد ثانی کی ۳۰۰۰/ ہیں، تیسرے قول کے مطابق تفصیل ہے کہ بخاری کی ۳۲۵، مسلم کی ۸۷۵، متفق علیہ ۱۰۵۱، دیگر کتب کی ۲۴۶۸، اور مشکاۃ کی ۱۵۱۱، اس طرح ۶۲۳۰/ ہو جاتی ہیں (۳)۔

شروحاتِ کتاب:

یہاں دو کتابیں ہیں: ایک مشکاۃ اور دوسری مصابیح، اس وجہ سے دونوں کی شروحات معلوم کرنا ہے؛ کیوں کہ مصابیح ایک زمانہ تک تنہا علاحدہ ہی رہی، ایک مدت کے بعد اس پر مشکاۃ لکھی گئی، اس وجہ سے علمانے مصابیح پر بھی کام کیا ہے اور اس کی شروحات لکھی ہیں۔

---

(۱) في كشف الظنون: قيل: عدد أحاديثه أربعة آلاف، و سبع مائة، و تسعة عشر حديثا، منها المختص بالبخاري ثلاثة مائة و خمسة و عشرون حديثا، و بمسلم ثمان مائة وخمسة و سبعون حديثا، و منها المتفق عليه ألف، و أحد و خمسون حديثا. ۲/۱۶۹۸

(۲) بستان المحدثین: ۲۲۵

(۳) احادیثِ مشکاۃ کے بارے میں مفصل تحقیق صفحہ نمبر ۲۷۶/ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کی شروحات تقریباً بیس ملتی ہیں، ان میں جو سب سے زیادہ مشہور ہے وہ فضل اللہ تورپشتی کی "المیسر في المصابیح" ہے، ۶۰۰ھ میں ان کی وفات ہے(۱)، یہ بڑے پکے حنفی تھے(۲)، ملا علی قاریؒ اس سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں، مولانا خلیل احمد صاحب "بذل المجهود" میں بھی اس کا حوالہ بہت دیتے ہیں، یہ بڑی عمدہ شرح ہے(۳)۔ (۲) دوسری شرح علامہ یعقوب قرمانیؒ کی ہے، یہ بھی حنفی ہیں اور ۸۳۳ھ میں ان کی وفات ہے(۴)۔ (۳) علاؤالدین بسطامی نے بھی ایک شرح لکھی ہے، یہ بھی حنفی ہیں اور ۸۷۵ھ میں ان کی وفات ہے(۵)۔ (۴) چوتھی شرح علامہ قاسم بن قطلوبغا کی ہے، یہ صاحبِ فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ کے شاگرد ہیں اور پکے حنفی ہیں، ان کی وفات ۸۷۵ھ میں ہے(۶)۔ (۵) ایک شرح علامہ

---

(۱) کشف الظنون میں سنہ ۶۰۰ھ ہی واقع ہے؛ مگر تاج الدین سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۸/۳۴۹ میں فرماتے ہیں: **تُورِپُشت بضم التاء المثناة من فوق، بعدها واو ساكنة، ثم راء مكسورة، ثم باء موحدة مكسورة، ثم شين معجمة ساكنة، ثم تاء مثناة من فوق، و قال: أظن هذا الشيخ مات في حدود الستين و ست مائة، وواقعة التتار أوجبت عدم المعرفة بحاله. انتهى!** معلوم ہوا ان کی وفات ۶۶۰ کی حدود میں واقع ہوئی ہے۔ ہدیۃ العارفین: ۱/۴۳۴، اور الاعلام: ۵/۱۵۲ پر اُن کی وفات ۶۶۱ھ میں مذکور ہے، پس کشف الظنون کے اتباع میں اوپر جو سنہ مذکور ہے وہ صحیح نہیں ہے، یہ حاجی خلیفہ کا تسامح ہے۔ اسماعیل غفرلہٗ

(۲) اس سلسلے میں اختلاف ہے، چناں چہ تاج الدین سبکیؒ نے آپ کو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کے طبقۂ سادسہ میں ذکر فرمایا ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ آپ حنفی ہیں جیسا کہ کشف الظنون، ہدیۃ العارفین، مفتاح السعادۃ، مرقاۃ المفاتیح، فیض الباری اور البضاعۃ المزجاۃ میں مذکور ہے۔ (۳) کشف الظنون: ۲/۱۶۹۹

(۴) کشف الظنون: ۲/۱۶۹۹، حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں: **يقال: إنه وصل فيه إلى النصف، الضوء اللامع: ۵/۶۷** (۵) کشف الظنون: ۲/۱۶۹۹ (۶) کشف الظنون: ۲/۱۶۹۸

شمس الدین خلخالیؒ کی ہے، ان کی شرح کا نام ''التنویر'' ہے(۱)، یہ مسلکاً شافعی ہیں(۲)۔(٦) چھٹی شرح محمد ابن عاقولی کی ہے، ان کی وفات ۷۹۷ھ میں ہے۔ (۷) ایک شرح مظہر الدین زیدانیؒ (المتوفی ۷۲۷ھ) کی ہے، جس کا نام ہے ''المفاتیح في حل المصابیح'' (۳)۔(۸) عبدالمؤمن زعفرانیؒ نے بھی شرح مصابیح لکھی ہے(۴)۔(۹)''کشف المناهیج و التفاتیح في تخریج أحادیث المصابیح'' وغیرہ، یہ چند مصابیح کی شروحات کا ذکر ہوا۔

اس کے بعد''مشکاۃ المصابیح'' کی شروحات ہیں، اس کی بھی چند شروحات ملتی ہیں، سب سے پہلی شرح جو بہت مشہور اور بہت ہی عمدہ اور بڑی معرکۃ الآراء شرح ہے، فصاحت و بلاغت پر بہت زیادہ کلام ہے، یہ علامہ طیبیؒ کی شرح ''الکاشف عن حقائق السنن'' ہے، آپ کی وفات ۷۴۳ھ میں ہوئی۔ ''مرقاۃ المفاتیح'' میں اس شرح کو سمولیا گیا ہے اور اس پر اعتراضات و تعقبات بھی کافی کئے گئے ہیں۔

---

(۱) کشف الظنون میں یہی نام مذکور ہے؛ مگر الاعلام: ۲/۲۳۵ میں المفاتیح فی حل المصابیح واقع ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ زرکلی نے الاعلام میں پہلے حسین بن حسن الحسینی الخلخالی (م۱۰۱۴) کی طرف اس کتاب کے مخطوطے کو منسوب کیا ہے، پھر اسی مخطوطے کو شمس الدین محمد بن مظفر الخلخالی کی طرف منسوب کیا ہے۔ الاعلام: ۷/۱۰۵، زرکلی کا اس شرح کو اول الذکر کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الدرر الکامنہ: ۲/۱۰٦، اور ابن قاضی شہبہ نے طبقات الشافعیۃ: ۳/٦٦، اور ابن العماد الحنبلی نے شذرات الذہب: ٦/۱۴۴ میں ثانی الذکر کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسماعیل غفرلہٗ

(۲) کشف الظنون: ۲/۱۶۹۹، ذكره ابن قاضي شهبة في طبقات الشافعية: ۳/٦٦، وأيضا ذكره ابن العماد الحنبلي في شذرات الذهب: ٦/۱۴۴ من الشوافع.

(۳) کشف الظنون: ۲/۱٦۹۹ (۴) کشف الظنون: ۲/۱٦۹۹

(۲) دوسری شرح ملا علی قاریؒ کی "مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح" پانچ جلدوں میں ہے، یہ بھی عمدہ اور جامع شرح ہے؛ کیوں کہ ملا علی قاریؒ بعد کے علما میں سے ہیں اس وجہ سے متقدمین کے کلام سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان کے بعد والوں نے مرقاۃ سے ہی استفادہ کیا ہے، "بذل المجهود" "أوجز المسالك"، "معارف السنن"، "التعليق الصبيح" وغیرہ اکابرین کی شروحات میں اس کا حوالہ بہت زیادہ آتا ہے۔ (۳) تیسری شرح ہے "لمعات التنقيح" یہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے، جو مشکاۃ کو ہندوستان میں زیادہ رواج دینے والوں میں ہیں، یہ شرح عربی میں ہے(۱)۔ (۴) انہی کی ایک شرح مشکاۃ کی "أشعة اللّمعات" ہے؛ مگر وہ فارسی میں ہے، اور تین جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ (۵) "التعليق الصبيح" یہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ہے، یہ شرح صرف مکمل ہے، باقی عامۃ ناقص ہیں، یہ بھی عمدہ شرح ہے اس کو بھی اگر مرقاۃ المفاتیح کا خلاصہ کہہ دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ (۶) چھٹی شرح مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کی ہے جس کا نام "مرعاة المفاتيح" ہے، یہ اہلِ حدیث عالم ہیں۔ (۷) ایک شرح اس کی مفتی یار احمد خاں کی ہے، جس کا نام ہے، "مرآة التفتيح"، یہ بریلوی عالم ہیں۔ (۸) "ذريعة النجاة" یہ بھی ایک مشکاۃ کی شرح ہے، یہ شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاریؒ گجراتی کی ہے(۲)۔

---

(۱) یہ شرح حضرت مولانا تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ سے شرمندۂ اشاعت ہو چکی ہے۔

(۲) أضواء على الحركة العلمية و المعاهد الإسلامية و العربية في غجرات: ۲۸۴

(۹) نویں شرح اس کی شیخ محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادیؒ کی ہے، جو "زینة النكات في شرح المشكاة" کے نام سے موسوم ہے(۱)۔ (۱۰) "هداية الرواة إلى تخريج المصابيح و المشكاة" (۲)۔ (۱۱) "مظاہرحق" یہ اردو شرح ہے، جو مولانا قطب الدین خاںؒ کی ہے، اردو میں نہایت اچھی اور عمدہ شرح ہے؛ مگر چوں کہ یہ پرانی اردو میں ہے اس وجہ سے اس کا جدید اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ مظاہرحق جدید مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری کی ہے؛ مگر وہ معیاری نہیں ہے، بعض جگہ ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔ (۱۲) اس کے علاوہ ایک اور اردو شرح ہے جس کا نام تنظیم الاشتات ہے۔ اس میں علمائے دیوبند کی شروحات سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے اور اس میں بھی "التعليق الصبيح" سے زیادہ استفادہ کیا ہے، یہ مولانا ابوالحسن صاحب چاٹگامی کی تالیف ہے، اس کی وجہ سے اردو زبان پر تھوڑا اثر ضرور پڑا ہے، یہ چند شروحات کا ذکر تھا(۳)۔

خصوصیاتِ کتاب:

"مشکاۃ المصابیح" کی بڑی خصوصیات ہیں اور صاحبِ مشکاۃ نے اس میں مصابیح پر کچھ اضافہ بھی کیا ہے (۱) ایک بڑی خصوصیت اور فضیلت اس کی یہ ہے کہ یہ تیرہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس میں تکرار نہیں، مسلم میں بھی

---

(۱) أضواء على الحركة العلمية و المعاهد الإسلامية والعربية في غجرات: ۲۷۸

(۲) حافظ ابن حجرؒ کی یہ کتاب دار ابن القیم و دار ابن عفان سے ۶ ر جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۳) مشکاۃ شریف کی دیگر شروحات کے لیے صفحہ نمبر ۲۷۹ ر پر ملاحظہ فرمائیں۔

تکرار نہیں، بخاری میں مکررات بہت زیادہ ہیں تو یہ بھی اس کی خصوصیت ہے۔
(۳) ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ساری احادیث مرفوعہ ہیں؛ کیوں کہ اسانید کو ذکر نہیں کیا تو سیدھے صحابی سے ہی نقل کرتے ہیں، اس اعتبار سے اس کو صحاح ستہ پر فضیلت حاصل ہے کیوں کہ اس میں احادیثِ مرفوعہ وموقوفہ سب ہیں۔ (۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علمی احادیث سے عملی احادیث زیادہ ہیں، اسی وجہ سے پہلے خانقاہوں میں مشکاۃ شریف کا درس ہوتا تھا، سید احمد بریلویؒ کے یہاں شاہ اسماعیل شہیدؒ ان کی خانقاہ میں مشکاۃ کا درس دیتے تھے تو وہ حضرات تزکیۂ باطن کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ بہت زیادہ اس میں معاون ہے۔
(۵) ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی ''کتاب الفتن'' بڑی مشہور ہے۔ (۶) پھر صحیحین کے بعد سب سے زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز یہی کتاب رہی ہے اور اس پر کام بھی بہت ہوا ہے۔ (۷) اس کی یہ اہمیت ہے کہ ایک شخص بابا داؤد مشکاتیؒ نام کے ہوئے ہیں ان کو پوری مشکاۃ حفظ تھی اور وہ ہمیشہ اسی کے درس وتدریس میں مشغول رہتے، اس وجہ سے ان کا نام ہی مشکاتی پڑ گیا، بابا داؤد مشکاتی ہی سے مشہور تھے(۱)۔

---

(۱) ملا داؤد مشکاتی کشمیر کے مشہور عالم وفقیہ ہیں، شیخ حیدر کشمیری سے کسب فیض کیا، اور شیخ نصیب الدین سے طریقت حاصل کیا، آپ کو مشکاۃ شریف زبانی یاد تھی، اسی وجہ سے ''مشکاتی'' کے لقب سے مشہور ہوئے، تصوف میں چند رسائل یادگار چھوڑے، ۱۰۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/۱۵۹)

وجوہِ فرق بین المصابیح والمشکاۃ:

(۱) اس میں ہر باب میں غالباً تین فصلیں ہیں، یہ اکثری ہے؛ ورنہ کہیں صرف دو یا صرف ایک بھی ہے، ان تین میں سے ایک آخری صاحبِ مشکاۃ کی ہے اور پہلی دو صاحبِ مصابیح کی ہیں، کہیں کہیں یہ باب بلا ترجمہ بھی لگا دیتے ہیں یعنی صرف باب کہہ دیتے ہیں؛ مگر وہ کس کا باب ہے عنوان نہیں لگاتے۔ بخاری میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ وہ عنوان نہیں قائم کرتے اور اس کے تحت احادیث لے آتے ہیں، کبھی امام بخاریؒ ایسا بھی کرتے ہیں کہ باب کا عنوان تو لگا دیتے ہیں؛ مگر اس کے تحت احادیث نہیں بیان کرتے، عامۃً اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ ایسا پڑھنے والے کے "تشحیذِ اذہان" کے لیے کرتے ہیں (۱)، تو صاحبِ مشکاۃ بھی کچھ ایسا کرتے ہیں، جیسے ص ۲۸۵ ر پر باب بلا ترجمہ ہے، اور پھر یہ بھی ہے کہ اس باب میں صرف فصلِ اول ہی ہے، ثانی اور ثالث نہیں ہے (۲)، (۲) فصلِ اول کی روایات کو صاحبِ مصابیح صحاح اور فصلِ ثانی کی روایات کو حسان سے تعبیر کرتے ہیں، اور فصلِ ثالث تو صاحبِ مشکاۃ کی اضافہ کردہ ہے۔ (۳) فصلِ اول میں وہ صرف متفق علیہ شیخین کی روایات لاتے ہیں، اور وہ بھی مرفوع، اس طرح فصلِ ثانی میں بخاری و مسلم کے علاوہ سننِ اربعہ کی روایات ذکر کرتے ہیں (۳)، یہ بھی مرفوعہ ہوتی ہیں اور فصلِ ثالث جو ان کی ہے وہ عام ہے، اس میں صحاح ستہ کے علاوہ دوسری

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/۳۴۲ (۲) مشکاۃ المصابیح: ۲۸۵، ط. یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند

(۳) مشکاۃ المصابیح: ۱۰

کتابوں کی بھی روایات وہ ذکر کرتے ہیں، گویا یہ فصل عام ہے، عام اس اعتبار سے کہ اس میں صرف مرفوع نہیں؛ بل کہ موقوف وغیرہ روایات بھی ہوتی ہیں یہ ان کا عام طریقہ ہے؛ مگر کبھی وہ اس کا عکس بھی کردیتے ہیں، یعنی فصلِ اول میں غیر شیخین کی روایت اور شیخین کی روایت کو فصلِ ثانی میں لے جاتے ہیں؛ اس کا جواب وہ مقدمہ میں دے چکے ہیں کہ ایسا میں نے کیوں کیا؟ (۴) اس طرح کہیں کہیں وہ بیاض چھوڑ دیتے ہیں اور مخرج وراوی کا حوالہ نہیں دیتے اور وجہ اس کی انہوں نے خود لکھی ہے کہ میں اس پر مطلع نہیں ہوسکا، اگر آپ کو مل جائے تو وہ بیاض پر کر لینا، جیسے ص ۲۳۷ر پر بھی بیاض چھوڑی ہے، وہ روایت ابوداؤد کی ہے، اس کے علاوہ بھی دوسری جگہ بیاض چھوڑی ہے۔ (۵) کہیں یہ ایسا کرتے ہیں کہ صاحبِ مصابیح نے کوئی روایت کسی باب میں ذکر کی ہو تو اسے وہ دوسرے کسی باب میں لے جاتے ہیں، اور اس باب کی روایت کسی دوسرے باب میں لے آتے ہیں، یہ اس طرح کرکے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ گو مصنف نے اسے اس باب کے تحت ذکر کیا ہے؛ مگر وہ اس باب کے زیادہ شایان شان ہے جس کے تحت میں نے اسے ذکر کیا۔ (۶) کہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ صاحب مصابیح نے کوئی طویل روایت نقل کی ہو اس کی یہ تقطیع کردیتے ہیں، اور جس جز سے جو مسئلہ ثابت ہوتا ہے اسے اس باب کے تحت ذکر کردیتے ہیں۔ (۷) اس طرح کبھی حدیث کے کسی حصہ یا لفظ کو بدل دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ پہنچی ہے جن الفاظ سے میں نقل کرتا ہوں، تو وہ بعینہٖ مصابیح کی روایت نقل نہیں کرتے ہیں، یہ سب ان

کے اضافات ہیں، ان تمام کوانہوں نے وجوہات کے ساتھ مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

(۲) موضوع:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں کس چیز کی رعایت کی گئی ہے، اس کا موضوع ہے "تعيين المخرج والراوي"، مصابیح میں چوں کہ راوی اور مخرج کی تعیین نہ تھی، اس وجہ سے اس کی تعیین کرنا یہ مشکاۃ کا موضوع ہے، یا اس کا موضوع ہے "حكم الصحة والضعف" یعنی کون سی حدیث صحیح ہے یا کونسی ضعیف ہے اس کا حکم لگانا، یہ کام بھی صاحبِ مشکاۃ کرتے ہیں اور وہ پھر اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں، جیسے ص ۱۴۱ر پر کیا ہے؛ مگر یہ ہر جگہ نہیں کرتے، کہیں کہیں کرتے ہیں؛ مگر انہوں نے پوری سند کو ذکر نہیں کیا، صرف صحابی کا نام ذکر کیا ہے، سوال ہوگا کہ ایسا کیوں کیا؛ جب کہ سند نہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر طعن کیا تھا اور اس سے بچانے کے لیے تو انہوں نے مشکاۃ لکھی، اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے انہوں نے خود اس کی وجہ ذکر کی ہے کہ میں نے مخرج کا حوالہ دے دیا، بس کافی ہوگیا، میں نے انہیں لوگوں پر اعتماد کرلیا؛ کیوں کہ یہ ثقہ ہیں اور یہی سمجھ لیا کر سند وہاں تک پہنچ ہی چکی ہے، یہ کتاب کا موضوع ہے، اس کے بعد ہے اس کی غرض۔(۱)

(۳) غرض:

"معرفة كيفية اقتداء النبي صلى الله عليه وسلم" احادیث کی

---

(۱) مشکاۃ: ۱/ ۲۷

اتباع کی جائے اور ان کو معمول بہا بنایا جائے، اس کی معرفت حاصل ہو، اس غرض سے یہ کتاب لکھی۔

(۴) اسم:

اس کتاب کا نام ''مشکاۃ المصابیح'' ہے، المصابیح جمع ہے مصباح کی، جس کے معنی چراغ کے آتے ہیں اور مشکاۃ کے معنی طاقچہ کے آتے ہیں، ''مشکاۃ المصابیح'' یعنی چراغوں کا طاقچہ، اس میں تشبیہ ہے، احادیث کو تشبیہ دی ہے چراغوں کے ساتھ اور کتاب کو طاقچہ کے ساتھ، اور اس طرح تشبیہ دی کہ ارکانِ تشبیہ میں سے صرف مشبہ بہ کو ذکر کیا، اس کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں، اور مصباح کے مناسبات میں سے یہ ہے کہ اسے طاقچہ میں رکھا جائے تو اس مناسب کو یہاں ذکر کیا، یہ استعارہ ترشیحیہ ہوا اور پھر مشکاۃ بھی ایسے طاقچہ کو کہتے ہیں جو آر پار ہو یعنی دونوں طرف اس کی روشنی پہنچتی ہو، دونوں طرف سے نظر آتا ہو۔ کشف الظنون میں ابن الملک کے حوالے سے لکھا ہے کہ مصابیح کا نام مصابیح نہیں، یہ تشابہ ہو گیا ہے، اصل میں انہوں نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ ''أحاديث هذا الكتاب مصابيح'' اس سے کسی نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا نام مصابیح ہے اور پھر مشہور ہو گیا؛ حالاں کہ یہ بات نہیں ہے، مشکاۃ کے ساتھ جو مصابیح لگا ہوا ہے وہ تو اسی کا پورا نام ہے، صاحبِ مشکاۃ نے خود صراحۃً کہا ہے کہ میں نے اس کا نام مشکاۃ المصابیح رکھا ہے، یہ کتاب کے اسم پر گفتگو تھی، اس کے بعد استمداد ہے۔(۱)

---

(۱) کشف الظنون: ۱۶۹۸

(۵) استمداد:

اس کی دو قسمیں ہیں:

"**استمداد في التدوين**" اور "**استمداد في التفهيم**" جہاں تک "**استمداد في التدوين**" کا تعلق ہے تو اس کو خود مصنفؒ نے مقدمہ میں بیان کر دیا ہے کہ میں نے ان کتابوں سے مدد لی ہے، ان میں صحاحِ ستہ کے علاوہ دوسری سات کتابوں کا بھی ذکر ہے، اس طرح کل تیرہ کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، تیرہ گلشنوں کے چیدہ گلوں کا یہ مجموعہ اور گلدستہ ہے(۱) اور رہ گیا "**استمداد في التفهيم**" تو اس میں مشکاۃ کی شروحات داخل ہیں، اور اس کے علاوہ "فتح الباری"، "عمدۃ القاری"، "بذل المجہود"، "معارف السنن"، "اوجز المسالک" وغیرہ سے بھی مدد لی جاتی ہے اور یہ بھی تفہیم میں معاون ہیں، اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

(۶) حکمِ شارع:

حکم اس کا یہ ہے کہ تعلیم کے لیے اگر مشکاۃ کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہ ہو تو پھر اس کا پڑھنا فرض ہے، اور عمل کے اعتبار سے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ روایات جو احکامات کے علاوہ فضائل وغیرہ کے بیان میں ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں تو ان کو تو معمول بہا بنانا ضروری ہے، اور احکامات کی روایات میں اگر تعارض ہے تو اس میں اہلِ اجتہاد کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اور وہ جو تطبیق یا ترجیح کے بعد حکم دیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔

---

(۱) مشکاۃ شریف: ۱/ ۲۸

(۷) فضلہ:

کتاب کی فضیلت: اس کی بہت سی فضیلتیں تو خصوصیات کی بحث میں گذر چکیں، سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ حدیث جیسے عظیم فن کا مجموعہ ہے، بعض نے تو کہا ہے کہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی کتاب اس کی شرح ہے، عملی روایات سب سے زیادہ اس میں ہیں، یہ خانقاہوں میں درس میں رہی ہے، بابا داؤ دمشکاتی جیسے نے اس کو حفظ کیا ہے، یہ سب اس کے لیے فضیلت کی بات ہے۔(۱)

(۸) واضع:

واضع سے مراد واضعِ کتاب ہے، یہاں دو واضع ہیں: ایک واضع مصابیح اور دوسرے واضعِ مشکاۃ۔

واضعِ مصابیح کا تعارف:

آپ کا لقب محی السنہ ہے، کتاب (شرح السنہ) لکھنے کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''**أحياك الله كما أحييت سنتي**'' اس کے بعد سے ان کا لقب محی السنہ ہوگیا(۲)، آپ کی کنیت ابو محمد اور اسم گرامی حسین ہے اور مسعود آپ کے والد کا نام ہے(۳)۔ آپ کی دو نسبتیں ہیں: ایک ''**الفراء، بائع الفرو**'' فرو ایک جانور ہوتا ہے جو چوہے سے بڑا اور بلی سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کی روئی سے پوستین بنتی ہے اس کو

---

(۱) مظاہر حق: ۱/ ۳۹، ط. دار الاشاعت کراچی (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۵۴ (۳) شذرات الذہب: ۴/ ۴۸

فرو اسی مناسبت سے کہتے ہیں، اور اس کے بیچنے والے کو ’’فراء‘‘ کہتے ہیں (۱)۔ فراء کی نسبت اس کی طرف ممکن ہے اس وجہ سے کرتے ہوں کہ ان کے باپ دادا میں کوئی فرو بیچتا ہو (۲) اور دوسری نسبت بغوی ہے جو ان کے وطن بغشور کی طرف نسبت ہے، مخفف کرتے ہوئے ’’شور‘‘ کاٹ دیا اور پھر نسبت کرتے وقت واو بڑھا دیا؛ تاکہ سہ حرفی کلمہ ہو جائے اور پھر یائے نسبتی لگا دی تو ’’بغوی‘‘ ہو گیا (۳)۔ بعض کہتے ہیں کہ ’’بغشور‘‘ اصل میں ’’باغِ کور‘‘ تھا، پھر معرب ہو کر ’’بغشور‘‘ ہو گیا (۴)۔ ان کی ولادت ۴۳۵ھ میں ہے (۵)۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں ’’شرح السنة‘‘، ’’فتاویٰ بغويه‘‘، ’’معالم التنزيل‘‘ جو تفسیر بغوی سے مشہور ہے اور تفسیرِ خازن کے ساتھ چھپی ہے، بڑی عمدہ تفسیر ہے، صاحبِ مظہری اس سے بہت استفادہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ’’مصابیح‘‘ بھی آپ کی حدیث کی مشہور کتاب ہے جو ہمارے سامنے ہے

---

(۱) الفراء نسبة إلى عمل الفراء و بيعها. وفيات الأعيان: ۲/ ۱۳۷

(۲) قال ابن العماد الحنبلي في شذرات الذهب: ۴/ ۴۹، والذهبي في تذكرة الحفاظ: ۴/ ۳۸، واليافعي في مرآة الجنان: ۱/ ۴۹۶: كان أبوه يصنع الفراء.

(۳) معجم البلدان: ۱/ ۴۵۴، تاج العروس: ۱۰/ ۲۲۵

(۴) القاموس المحیط: ۱۴۵ میں ہے ’’بغشور‘‘ بالفتح بلدة بين هرات و سرخس، والنسبة بغوي على غير قياس، معرب ’’كوشور‘‘ أي الحفرة المالحة، اس پر علامہ زبیدیؒ نے تاج العروس: ۱۰/ ۲۲۵ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: هذا تعريب غريب فإن بغ بالفارسية البستان، ولا ذكر للحفرة في الأصل، إلا أن يقال: إن أرض البستان دائما تكون محفورة. انتهىٰ!

(۵) و في التعليق الصبيح: ۱/ ۱۸، ۴۳۳ھ، و قيل: ۴۳۶ھ، وهكذا في معجم البلدان.

اور داخلِ درس ہے، اکیاسی سال کی عمر میں ۵۱۶ھ (۱) میں آپ کی وفات ہوئی۔

صاحبِ مشکاۃ کا تعارف:

آپ کے نام میں اختلاف ہے، محمد یا محمود دو قول ہیں (۲)، ابو عبداللہ آپ کی کنیت ہے، ولی الدین لقب اور خطیب تبریزی (۳) سے مشہور ہیں، نسباً عمری ہیں، وفات میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ۷۴۰ھ اور بعض ۷۴۸ھ بتلاتے ہیں، سنہ ولادت معلوم نہیں۔ (۴)

---

(۱) اسی طرح مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵۴، التعلیق الصبیح: ۱/۱۸، مرآة الجنان و عبرة اليقظان: ۱/۴۸۶، شذرات الذهب: ۴/۴۸، طبقات المفسرين للأدنروي: ۱/۱۲۰، طبقات المفسرين للسيوطي: ۱/۳۸، طبقات الشافعية لابن قاضي شهبة: ۱/۲۸۱، سير أعلام النبلاء: ۱۹/۴۴۲ میں ہے؛ البتہ النجوم الزاهرة: ۲/۵۸ پر ۵۱۶ھ کو ذکر کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور جلد ۲: ۵۷ پر ۵۱۵ھ بھی ذکر کیا ہے۔ اور ''وفیات الاعیان'': ۲/۱۳۶ پر ہے: توفي في شوال سنة عشر وخمس مائة بمرورود، البتہ ''وفیات الاعیان'' میں اس کو ذکر کرنے کے بعد حافظ عبدالعظیم منذری کے حوالے سے ۵۱۶ھ بھی ذکر کیا ہے۔ نیز الاعلام: ۲/۲۵۹، الوافی بالوفیات: ۴/۲۹۴، اور تاریخ ابن الوردی: ۲/۲۳ میں ۵۱۰ھ واقع ہے۔ معلوم ہوا آپ کی وفات کے سلسلے میں تین قول ہیں؛ البتہ اول ہی راجح ہے۔ اسماعیل غفرلہٗ!

(۲) مقدمۂ مظاہرِ حق جدید: ۱/۵۰

(۳) یاقوت حموی نے اس کو تاء اور راء کا کسرہ اور باء کے سکون کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ معجم البلدان: ۲/۱۵

(۴) مظاہرِ حق: ۱/۷۴، نفحات التنقیح: ۱/۲۷

(۹) مسائل:

اس کی فہرست سے اس کے مسائل واضح ہیں، اس کے علاوہ اس کتاب میں کتاب کا عنوان یعنی کتب کل ۲۹ر ہیں، ۳۲۷رابواب ہیں اور ۱۰۳۸رفصول ہیں، مصابیح کے ابواب ۱۰۱ر ہیں (۱)۔

(۱۰) نسبت:

یہاں نسبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا مرتبہ کیا ہے؟ پھر مرتبہ دو اعتبار سے ہوتا ہے: ایک فضیلت کے اعتبار سے اور دوسرا تعلیم وتعلّم کے اعتبار سے، جہاں تک اس کتاب کی فضیلت کا تعلق ہے تو وہ ماقبل میں فضیلت کے ذیل میں گذر چکا۔ رہ جاتا ہے اس کا مرتبہ صرف تعلیم وتعلّم کے اعتبار سے، تو اس میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول جیسے پہلے بیان ہوا یہ ہے کہ سب سے اول ترتیب میں مشکاۃ المصابیح، پھر ترمذی، پھر ابوداؤد، پھر بخاری، پھر مسلم، پھر نسائی اور آخر میں ابنِ ماجہ اور اس کی وجہ بھی گذر چکی، گویا مشکاۃ صحاح ستہ کا موقوف علیہ ہے (۲)۔ بعض حضرات جیسے ابن الصلاحؒ اور علامہ عراقیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ ترتیب یوں ہونی چاہیے: مشکاۃ المصابیح، صحیحین (بخاری ومسلم) اور پھر سننِ اربعہ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ترتیب اس طرح ہونی چاہیے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ (۳)۔ ایک قول یہ ہے کہ ترتیب اس طرح ہونی چاہیے: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابنِ

---

(۱) یہاں فصول وابواب کا عدد بیان کرنے کے سلسلے میں تسامح واقع ہوا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ ۲۸۴

(۲) امداد الباری: ۱/۴۸۱ (۳) امداد الباری: ۱/۴۷۹

ماجہ(۱)، یہ ترتیب صحاح ستہ کی بتلائی گئی ہے۔ مشکاۃ ان تمام میں مقدم ہے؛ کیوں کہ وہ ان سب کا موقوف علیہ ہے، اسی وجہ سے اس میں درایتاً کلام ہوتا ہے اور صحاح ستہ میں روایتاً۔ یہ مرتبہ اس کا تعلیم وتعلّم کے اعتبار سے ہے اور فضیلت کے اعتبار سے مرتبہ کہ کتبِ احادیث میں صحاح ستہ اور مشکاۃ کا کیا مرتبہ ہے؟ جہاں تک نفسِ حدیث کا تعلق ہے تو "من حیث أنه کلام الرسول" سب برابر ہیں، تمام احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے اور تمام کا مرتبہ برابر ہے؛ مگر پھر بھی کسی مصنف نے جمعِ احادیث میں کسی خاص بات کا التزام کیا ہو اس اعتبار سے اسے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے اور اس وجہ سے اسے دوسری کتابوں پر فضیلت حاصل ہے، مشکاۃ تو صحاحِ ستہ اور دوسری کتابوں کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اصل ان کتابوں کا مرتبہ معلوم کرنا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "أصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاري، ثم مسلم" (۲) کتبِ احادیث میں سب سے اول مرتبہ صحیحین کو حاصل ہے، پھر اس کے بعد صحیح ابن السکن، منتقیٰ ابن جارود، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ۔ غرض یہ کہ صحاح میں بخاری اور مسلم کا درجہ پہلا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں "ما تحت أدیم السماء أصح من موطا إمام مالک"- کہ آسمان کی چھت کے نیچے موطا امام مالک سے زیادہ صحیح قرآن کے بعد کوئی کتاب

---

(۱) امداد الباری: ۱/ ۴۷۹

(۲) مقدمۃ شیخ عبدالحق: ۲۳

نہیں۔ اس قسم کی عبارات سات مختلف الفاظ میں امام شافعیؒ سے منقول ہیں(۱)، جن

---

(۱) بل کہ تتبع کے بعد پندرہ قسم کی عربی عبارات ملیں جن کو یہاں نقل کیا جارہا ہے: (۱) ما كتاب بعد كتاب الله أنفع من موطإ مالك (الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع: ۲۹۸/۴) رواه هارون بن محمد السعدي عن الشافعي (۲) ما في الأرض كتاب من العلم أكثر صوابا من موطإ مالك رواه يونس بن عبد الأعلى عن الشافعي (تحرير علوم الحديث: ۱۲۳/۳) (۳) ما بعد كتاب الله تعالى كتاب أكثر صوابا من موطإ مالك رواه الربيع بن سليمان عن الشافعي (تحرير علوم الحديث: ۱۲۳/۳) (۴) ما أعلم شيئا بعد كتاب الله أصح من موطإ مالك رواه أبو الطاهر أحمد بن عمرو بن السرح عن الشافعي. (تحرير علوم الحديث: ۱۲۳/۳) (۵) ما على ظهر الأرض كتاب في العلم بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك. فتح المغيث: ۱/ ۴۰ (۶) ما أعلم في الأرض كتابا في العلم أكثر صوابا من كتاب مالك. مقدمة ابن الصلاح: ۲۰، مقدمة الفتح: ۱۳ (۷) ما بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك. النكت على كتاب ابن الصلاح: ۱/ ۲۷۹ (۸) ما على وجه الأرض بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك. توجيه النظر: ۱/ ۲۱۴، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ۴۰ (۹) ما بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك. توضيح الأفكار: ۱/ ۴۲ (۱۰) ما على الأرض بعد كتاب الله تعالى أصح من كتاب مالك بن أنس. كشف المغطا في فضل الموطإ: ۳۶ (۱۱) ما على الأرض كتاب أصح من كتاب مالك. ترتيب المدارك و تقريب المسالك: ۵۹ (۱۲) ما بعد كتاب الله تعالى كتاب أكثر صوابا من موطإ مالك. حلية الأولياء: ۶/ ۳۲۹ (۱۳) ما في الأرض بعد كتاب الله أكثر صوابا من موطإ مالك بن أنس. التمهيد لما في الموطإ من المعاني و المسانيد: ۱/ ۷۷ (۱۴) ما أعلم في الأرض كتابا أكثر صوابا من كتاب مالك. اليواقيت والدرر: ۸۴ (۱۵) ما بعد كتاب الله أصح من موطإ مالك. اليواقيت والدرر: ۸۴، التوضيح الأبهر: ص ۳۲، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اسی طرح کا قول امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے بھی مروی ہے؛ چناں چہ حافظ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" ۹/ ۲۰۵: میں لکھا ہے: قال بندار: سمعت عبد الرحمٰن يقول: ما نعرف كتابا في الإسلام بعد كتاب الله أصح من موطا مالك. اسماعيل عفى عنه!

کا مفہوم یہی ہے کہ وہ قرآن مجید کے بعد کتبِ احادیث میں سب سے زیادہ صحیح موطا امام مالک کو مانتے ہیں، ان کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے ابن الصلاحؒ اپنے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا یہ کلام محمول ہے اس پر جب کہ صحیحین کا وجود نہیں تھا(۱)؛ کیوں کہ امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہے اور امام بخاریؒ کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہے تو ان کی وفات کے وقت امام بخاریؒ کی عمر دس سال کی تھی اور بخاری انہوں نے ۲۳ر سال کی عمر میں لکھی ہے، ظاہر ہے کہ بخاری شریف کا وجود تھا ہی نہیں اور جب یہ نہیں تو مسلم کے تو ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ امام مسلم کی ولادت ہی ۲۰۴ھ میں ہوئی (۲)، یہ جواب ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین کا وجود ہی نہیں تھا اس وجہ سے امام شافعیؒ نے موطا امام مالک کو اصح الکتب کہا، اور یہ ٹھیک بھی ہے؛ مگر صحیحین کے وجود کے بعد موطا کا وہ درجہ نہ رہا؛ مگر پھر بھی بعض لوگ اسی پر اصرار کر رہے ہیں اور موطا امام مالک ہی کو بخاری پر ترجیح دیتے ہیں، اور وجہ اس کی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ بخاری میں تعلیقات ہیں اور موطا میں یہ بات نہیں (۳)۔ تعلیق کہتے ہیں سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دینا، امام بخاریؒ نے کتنی حدیثوں میں ایسا کیا ہے؛ حالاں کہ سند کا متصل ہونا ضروری ہے اور اس تعلیق میں اتصال ہوا نہیں، اس وجہ سے موطا افضل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر یہی وجہ ہے تو پھر جس طرح بخاری میں تعلیقات ہیں اس طرح موطا میں بلاغات ہیں، تو اس میں

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ۲۰ (۱) الکنز المتواری: ۱/ ۲۱۷

(۲) خمس رسائل فی علوم الحدیث: ۱۸۴

سند متصل نہیں ہوئی، پھر افضل کیسے ہوئی(۱)؟ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک میں ۶۱ رجگہ بلاغات ہیں اس وجہ سے اس کو فضیلت نہیں۔بعض نے تعلیق اور بلاغت میں فرق کیا ہے؛ مگر بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی جتنی تعلیقات ہیں کہ جن میں سند محذوف ہے انہیں روایات کو انہوں نے دوسری جگہ سندِ متصل کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے تو اب کوئی ویسی بات نہیں، بخاری ہی کو فضیلت ہوئی۔اس پر شیخ صالحؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہی بات ہے تو موطا امام مالکؒ میں بھی ایسا ہے کہ امام مالک نے ان بلاغات کو دوسری جگہ سندِ متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے(۲)، وہ فرماتے ہیں میں نے تمام کو تلاش کیا صرف چار بلاغات ایسی ہیں جو مجھے دوسری جگہ سندِ متصل کے ساتھ نہیں ملیں، باقی سب ہیں(۳)۔ حاصل یہ کہ اصح الکتب میں یہ اختلاف ہے؛ مگر راجح قول یہی ہے کہ پہلے بخاری، پھر مسلم اور پھر دوسری کتابیں۔(۴)

صحیحین کا باہم موازنہ:

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ صحیحین میں آپس میں کون افضل ہے؟ جمہور علما بخاری ہی کو افضل قرار دیتے ہیں، جب کہ ابو علی نیشا پوریؒ جو کہ حاکم ابوعبداللہ نیشا پوریؒ کے استاذ ہیں، وہ کہتے ہیں ”**ما تحت أديم السماء كتاب أصح**

---

(۱) مقدمۃ الفتح:۱۳

(۲) رسالہ في وصل البلاغات ضمن خمس رسائل في علوم الحديث: ۱۸۴، الرسالة المستطرفة: ص ۱۱

(۳) بلاغاتِ موطا کے سلسلے میں مفصل کلام صفحہ ۲۴۰ر پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) فتح المغیث: ۱/۴۰

من كتاب مسلم" کہ مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں، ان کے ساتھ بعض مغاربہ بھی مسلم کو بخاری پر افضل قرار دیتے ہیں(۱)۔ اس قول کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابوعلی نیشاپوریؒ کا یہ کلام مجمل ہے، ان کی مراد یہ نہیں کہ مسلم بخاری سے افضل ہے؛ بل کہ یہ مطلب یہ ہے کہ مرتبہ میں دونوں برابر ہیں یعنی کوئی ایک دوسرے سے افضل نہیں، مسلم کا درجہ بخاری سے کم نہیں؛ بل کہ برابر ہے، جیسے امام مسلمؒ کے بارے میں کسی نے کہا کہ نیشاپور میں ان سے زیادہ ثقہ راوی کوئی نہیں، تو دوسرے کے ثقہ نہ ہونے کی اور انہیں کے صرف ثقہ ہونے کی بات نہیں کہی جا رہی ہے؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ ثقہ راوی تو دوسرے بھی ہیں؛ مگر امام مسلمؒ سے زیادہ نہیں، ان کے برابر ہیں، ویسے یہاں بھی ابوعلی نیشاپوریؒ بخاری کے افضل ہونے کی نفی نہیں کر رہے ہیں؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ بخاری مسلم سے افضل نہیں یعنی دونوں برابر ہیں (۲)۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ "**هذا القول شاذ، لا اعتبار له**" کہ یہ قول شاذ ہے، اس وجہ سے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس وجہ سے بخاری ہی افضل ہے۔

(۳) علامہ ذہبیؒ اور ابوسعید علائیؒ وغیرہ نے ایک تیسرا جواب دیا، وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابوعلی نیشاپوریؒ کو بخاری کا علم نہ ہوا ہو، صرف مسلم کا علم ہو؛ کیوں کہ امام

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ص ۲۰، شرح شرح نخبۃ الفکر: ص ۲۶۹

(۲) تدریب الراوی: ۱/۹۴، شرح شرح نخبۃ الفکر: ۲۶۹، الکنز المتواری: ۱/ ۲۱۷

مسلمؒ بھی نیشاپوری ہیں اور اس وجہ سے انہوں نے مسلم کو افضل کہا ہو؛ مگر یہ جواب ذرا ضعیف معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ نیشاپوری کے استاذ ابن خزیمہ فرماتے ہیں: ”**ما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب محمد بن إسماعيل**“، معلوم ہوا ان کو تو بخاری کا علم تھا، اور استاذ کو اتنی بڑی کتاب کا علم ہو اور شاگرد کو نہ ہو کہ استاذ نے کبھی ذکر ہی نہ کیا ہو یہ گو ممکن ہے تاہم مستبعد ضرور ہے(۱)۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ ابوعلی کے ہم درس ابوعبداللہ اخرمؒ کو بھی اس کا علم تھا، وہ کہتے ہیں”**قلما يفوت البخاري و مسلما من الصحيح**“ یعنی کہ بخاری اور مسلم سے بہت کم صحیح حدیث فوت ہوئی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کے ساتھی ابوعلی کو بھی علم ہوگا، اس کا قوی احتمال ہے اس وجہ سے یہ جواب ضعیف ہے۔(۲)

ایک بات یاد رہے کہ صحیحین کا یہ مطلب نہیں کہ جتنی بھی صحیح احادیث ہیں وہ سب کی سب بخاری اور مسلم میں ہیں؛ بل کہ یہ مطلب ہے کہ بخاری اور مسلم میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، ورنہ صحیح احادیث تو اس کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔(۳)

(۴) ابوعلی نیشاپوریؒ کے قول کا ایک چوتھا جواب دیا گیا ہے، اس میں ہے کہ دونوں کو جمع کر دیا جائے اور تطبیق دے دی جائے(۴)، اور وہ اس طور پر کہ مسلم کو حسنِ ترتیب اور جودتِ وضعِ صناعت میں بخاری سے فضیلت ہے؛ کیوں کہ امام مسلمؒ نے

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۹۴ (۲) تدریب الراوی: ۱/۹۴

(۳) مقدمہ ابن صلاح: ص۲۲ (۴) تدریب الراوی: ۱/۹۴، ۹۵

اپنی کتاب بڑے اطمینان سے یکسو ہو کر لکھی، اس وجہ سے ابواب کی ترتیب بھی بڑی اچھی ہے، اسانید بھی ساری ایک جگہ مذکور ہیں، اس میں تکرار بھی نہیں، پھر اس میں روایت بہت جلد مل بھی جاتی ہے؛ کیوں کہ ترتیب ہی ویسی رکھی ہے، اس کے برخلاف بخاری میں یہ باتیں نہیں، اس میں روایت تلاش کرنا بھی بہت مشکل، نہ معلوم کس باب کے تحت کس مناسبت سے ذکر کیا ہوگا؛ کیوں کہ بخاری کے ابواب بڑے مشکل ہیں، پھر امام بخاریؒ روایت کی تقطیع کر دیتے ہیں، اور ہر جز کو اس باب کے تحت ذکر کرتے ہیں جہاں کا مسئلہ اس جز سے ثابت ہوتا ہو، جب کہ مسلم پوری روایت کو ایک ہی جگہ ذکر کرتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو ویسی یکسوئی اور اطمینان نہیں ملا، وہ ایک حدیث کو بصرہ میں سنتے ہیں تو اسے لکھتے ہیں شام جا کر، اسی وجہ سے کہیں عنوان ہے اور معنون نہیں تو کہیں معنون ہے؛ مگر عنوان ہی نہیں، تو اس حیثیت سے مسلم کو فضیلت حاصل ہے، اور صحت کے اعتبار سے بخاری افضل ہے(۱)، گویا حیثیت کا فرق ہے اس تطبیق کو ایک عربی شاعر عبدالرحمٰن بن علی بن دیبع شافعیؒ نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے ؎

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِيْ الْبُخَارِيِّ و مُسْلِمٍ
لَدَيَّ وَقَالُوْا أَيُّ ذين يُقَدَّمُ
فَقُلْتُ: لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِيُّ صِحَّةً
كَمَا فَاقَ فِيْ حُسْنِ الصِّناعَةِ مُسْلِمُ (۲)

---

(۱) شرح شرح نخبۃ الفکر: ۲:۲ (۲) الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ۵۹، ط. دار الکتب العلمیہ

علامہ عراقیؒ نے بھی اس طرح دونوں قول میں تطبیق دی ہے، تو اس اعتبار سے ابو علی نیشاپوریؒ کا مسلم کو افضل کہنا صحیح ہے جیسے شاعر کہتا ہے ؎

وَمَنْ يُفَضِّلُ مُسْلِمًا فَإِنَّمَا
تَرْتِيْبُهُ وَوَضْعُهُ حَكَمَا

اس طرح تین قول ہو گئے: (۱) بعض کہتے ہیں کہ ہر اعتبار سے بخاری افضل ہے، (۲) بعض کہتے ہیں کہ حیثیت کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے افضل ہیں اور (۳) تیسرا قول جو علامہ طوفیؒ کا ہے، وہ یہ کہ دونوں برابر ہیں، کوئی افضل اور کوئی مفضول نہیں (۱)، اس قول کو علامہ ابن الملقن نے بعض متاخرین سے نقل فرمایا ہے، اور علامہ قرطبیؒ کا بھی اسی طرف میلان ہے (۲)۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ بخاری افضل ہے اور وہ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں؛ کیوں کہ امام بخاریؒ امام مسلمؒ سے افضل ہیں اس وجہ سے ان کی کتاب بھی افضل؛ مگر یہ کوئی دلیل نہیں کہ کیوں کہ اولاً تو یہاں مصنّف کی ذات سے بحث نہیں، بل کہ گفتگو مصنّف اور کتاب کے بارے میں ہو رہی ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو افضل ہو ان کی کتاب بھی افضل ہو اور جو مفضول ہو اس کی کتاب بھی مفضول ہو، بعض مرتبہ تلمیذ استاذ سے اچھی کتاب لکھتا ہے؛ حالاں کہ وہ مفضول ہے، پھر بخاری کو فضیلت کیسے دی (۳)؟ کیوں کہ جہاں تک تقویٰ میں فضیلت کا سوال ہے تو اس کا تو علم کسی کو ہے نہیں کہ کون زیادہ متقی ہے۔ رہ جاتا ہے علمی اعتبار سے تو اس میں ضرور امام بخاریؒ افضل ہیں اور وہ امام مسلمؒ کے

---

(۱) الكنز المتواري: ۱/ ۲۱۸ (۲) تدریب الراوی: ص ۹۶ (۳) فتح المغيث: ۱/ ۴۳

استاذ بھی ہیں؛ مگر اس افضلیت سے ان کی کتاب بھی افضل ہو یہ ضروری نہیں، یہ تو ان کی دلیلِ اجمالی تھی، جس پر یہ کلام ہوا۔ دلیلِ تفصیلی ان کی یہ ہے کہ صحت کا مدار تین باتوں پر ہوتا ہے: (۱) رواۃ ثقہ ہوں (۲) سند متصل ہو (۳) علل خفیہ اور شذوذ سے محفوظ ہو، جہاں تک وصف اول کا تعلق ہے یعنی رواۃ کا ثقہ ہونا تو اس میں بخاری مسلم سے بایں وجوہ فائق ہیں کہ:

(۱) صرف رجال بخاری ۴۳۰/ سے زائد ہیں، جن میں متکلم فیہ رجال ۸۰/ ہیں، جب کہ صرف رجال مسلم کی تعداد ۶۲۰/ ہے، جن میں متکلم فیہ کی تعداد ۱۶۰/ ہے۔(۱)

(۲) جن رجال کی احادیث کی تخریج صرف امام بخاریؒ نے کی ہے اور ان پر کلام کیا گیا ہے، امام بخاریؒ ان سے اکّا دکّا ہی روایت لیتے ہیں، جب کہ صحیح مسلم میں متکلم فیہ رجال سے امام مسلمؒ بکثرت تخریج کرتے ہیں حتی کہ پورا پورا نسخہ لے لیتے ہیں، مثلاً سہیل بن صالح عن ابیہ، علاء بن عبدالرحمٰن عن ابیہ، حماد بن سلمہ عن ثابت، ابوزبیر عن جابر، یہ نسخ ہیں جن سے روایت لی ہے، حالاں کہ ان پر کلام گیا ہے۔(۲)

(۳) تنہا بخاری کے متکلم فیہ رجال میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، جن سے ان کو ملاقات ومجالست کی بنا پر خاصی مناسبت ہے؛ لہٰذا ان کی احادیث صحیحہ کی تنقیح کرنا آسان ہے، جب کہ امام مسلمؒ کے متکلم فیہ رجال میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کا زمانہ ان سے پہلے کا ہے اس لیے ان کی احادیث

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۹۲ (۲) تدریب الراوی: ۱/۹۲

میں تنقیح کرنا مشکل ہے۔(۱)

(۴) رواۃ کی اپنے شیوخ سے طول صحبت اور ضبط و اتقان کے اعتبار سے سے حازمیؒ نے جو تقسیم کی ہے اس کے مطابق امام بخاریؒ طبقۂ اولیٰ کی احادیث لیتے ہیں اور طبقۂ ثانیہ سے منتخب کر کے خال خال لیتے ہی، جب کہ امام مسلمؒ طبقۂ ثانیہ کی کل احادیث لیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت طبقۂ ثالثہ تک بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔(۲)

رہی دوسری صفت یعنی اتصالِ سند جیسا کہ معروف و مشہور ہے کہ امام بخاریؒ امکان لقاء پر اکتفانہیں کرتے ہیں بل کہ ان کے نزدیک تحقق لقاء ضروری ہے، جب کہ امام مسلمؒ امکانِ لقاء کو کافی سمجھتے ہیں اور غیر مدلس کا عنعنہ اتصال پر محمول کرتے ہیں۔(۳)

اور تیسری صفت یعنی شذوذ و علت سے محفوظ ہونا، تو صحیحین کی جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے وہ کل دوسودس احادیث ہیں، جن میں بخاری کی ۷۸/روایات متکلم فیہا ہیں اور مسلم کی سو روایات پر لوگوں نے کلام کیا ہے، اور ۳۲/روایات متفق علیہ ہیں جن میں لوگوں نے کلام کیا ہے، تو اب بخاری کی ۱۱۰/روایات متکلم فیہا ہوئیں اور مسلم کی ۱۳۲/متکلم فیہا ہوئیں، اس وجہ سے بخاری افضل ہے(۴)، بخاری اور مسلم کی ان متکلم فیہا روایات کی تعداد کسی شاعر نے اس طرح بتلائی ہے۔

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۹۲ (۲) تدریب الراوی: ۱/۹۲

(۳) تدریب الراوی: ۱/۹۳ (۴) تدریب الراوی: ۱/۹۳

فَـدَعْـدُ لِـجُـعْـفِـيٍّ وَقَـافٌ لِـمُسْـلِـم

(٧٨) ١٠٠

وَبَـل لَهُـمَـا فَـاحـفَـظْـه وُقِيتَ مِنَ الرَّدٰی (١)

(٣٢)

غرض یہ کہ جمہور کے نزدیک بخاری افضل ہے۔

صحاحِ ستہ کی ترتیب:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے صحاح ستہ کی ترتیب یوں بیان فرمائی ہے، یہ ترتیب مرتبہ کے اعتبار سے ہے: بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ(٢)، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یہ ترتیب بیان کی ہے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ (٣)، شاہ عبد العزیز دہلویؒ اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ یوں ترتیب ہے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ، طاش کبریٰ زادہؒ نے بھی یہی ترتیب بیان کی ہے(٤)۔ یہ ساری ترتیبیں مرتبہ کے اعتبار سے ہے، اور صحتِ روایات کے اعتبار سے ہے۔ تمام اقوال میں ابن ماجہ کا آخری درجہ تو طے شدہ ہے، اصل میں ابن ماجہ کے سادسِ ستہ ہونے میں ہی اختلاف ہے، ابوالفضل مقدسیؒ اور مشارقہ کے یہاں سادسِ ستہ ابن ماجہ ہے اور مغاربہ کے یہاں موطا امام مالک سادسِ ستہ ہے، بعض سنن دارمی کو سادسِ ستہ قرار دیتے ہیں؛ کیوں کہ اس میں ثلاثیات زیادہ ہیں (٥)۔ امام نوویؒ تو فقط صحاحِ خمسہ

(١) نوادر الحدیث: ٨٧ (٢) امداد الباری: ١/ ٤٧٩ (٣) الکنز المتواری: ١/ ٢١٩
(٤) الکنز المتواری: ١/ ٢٠٠ (٥) الکنز المتواری: ٢٢١، ٢٢٢

مانتے ہیں، ہمارے یہاں بھی ابن ماجہ ہی سادسِ ستہ ہے، یہ مرتبہ کی بحث تھی۔ اس طرح یہ کل انتیس مباحث کا ذکر ہو چکا، اب آگے ایک تیسویں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان اور گجرات میں علمِ حدیث کب آیا، اس بحث کے اختتام پر تیس بحثیں مکمل ہوں گی اور اس کے بعد ایک بحث رہ جاتی ہے سندِ کتاب کی اور اس پر مبادیات کا خاتمہ ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ!

ہندوستان اور گجرات میں علم حدیث کی آمد:

یہ ایک مستقل بحث ہے کہ ہندوستان اور گجرات میں علم حدیث کب آیا؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**(۱)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ایک بہت بڑا انعام اور احسان فرما کر پھر مقاصدِ نبوت بیان فرمائے ہیں کہ نبی کی بعثت کے کیا مقاصد ہیں، چناں چہ چار مقاصد کو بیان کیا: ایک تلاوتِ کتاب، دوسرا تزکیۂ نفس، تیسرا تعلیمِ کتاب اور چوتھا تعلیمِ حکمت۔ ان چاروں کاموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بنفسِ نفیس انجام دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جو ان تمام کے جامع تھے وہ ان مقاصد کو انجام دیتے رہے؛ مگر بعد کے لوگوں میں تمام میں یہ جامعیت نہ تھی کہ وہ ان تمام امور کو ادا کریں، اور ادا کرنا بہر حال امت ہی کے ذمہ تھا؛ کیوں کہ کسی نبی کی آمد کا سوال تو

---

(۱) آل عمران: آیت ۱۶۴

اب رہا نہ تھا، اس وجہ سے تقسیمِ کار ہو گیا اور امت کے مختلف طبقوں نے مختلف کاموں کی ذمہ داری لی، بعض نے قرآن کے الفاظ وتلاوت کی ذمہ داری لی، بعض نے اس کے معانی کی ذمہ داری لی وغیرہ، الفاظ وتلاوت کی ذمہ داری جن لوگوں نے لی وہ حفاظ اور قرا کہلائے، تعلیمِ کتاب اور اس کے معانی کے ذمہ دار فقہا و مجتہدین کی جماعت ہے، اور تزکیۂ نفس کا ذمہ صوفیائے کرام نے لیا، اب رہ گئی تھی حکمت، سوال ہے کہ حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، راجح معنی اس کے یہ ہیں کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال وغیرہ ہیں (۱)؛ چناں چہ اس کی ذمہ داری حضراتِ محدثین نے لی، اور اس کی ہر طرح حفاظت وصیانت کی، اس کا کوئی پہلو نہ چھوڑا، زندگیاں اسی میں کھپا دیں، اپنے پیغمبر کے ہر قول وفعل اور حال وعمل کو ضبط کیا، اس کی ہر طرح تحقیق کی، تدقیق وتفتیش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، بے انتہا کدو کاوشیں کیں، اور جِد وجُہد ومجاہدات کے وہ نمونے پیش کیے جن کو پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر وعاجز ہے، جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہ پیش کر سکی نہ کر سکتی ہے اور نہ کر سکے گی، ایسے ایسے افراد اس جماعت میں پیدا ہوئے کہ ان کی زندگی کے حالات سن کر اور حدیث کے اشتغال میں ان کے واقعات سن کر باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ ایک من جانب اللہ غیبی نظام تھا؛ کیوں کہ اس نے اس دین وقرآن کے بقا کی ذمہ داری لی تھی۔

---

(۱) تفسیر رازی: ۱۸۳/۴، ط. دار احیاء التراث العربی بیروت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں شاہانِ ملوک کے نام خطوط روانہ فرمائے تھے، اس میں ایک خط اس وقت کے ہندوستان کے بادشاہ سرباتک ہندی کے نام بھی روانہ فرمایا تھا۔ ''الاصابۃ'' (۱) میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ خط ہندوستان میں حضرت حذیفۃ الیمانؓ لے کر آئے تھے (۲)، غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسلام کی اشاعت اطراف و جوانب میں ہو چکی تھی اور عرب کے بہت سے قبیلے اسلام لا چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس کی بہت اشاعت ہوئی، اسلام کے قدم عرب سے نکل کر عجم میں بھی پہنچے اور شمعِ نبوت کے پروانوں نے اس نورِ نبوت کو پورے عالم میں پھیلا دیا، ہر طرف اسلام کی روشنی نظر آنے لگی، کاشانۂ نبوت کے پروردہ اور مشکاۃِ نبوت سے براہِ راست فیض حاصل کردہ ان ہی لوگوں میں سے کسی نے اپنی آمد سے ہندوستان کی سرزمین کو بھی شرف بخشا؛ چناں چہ حضرت تمیم داریؓ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سب سے پہلے ہندوستان میں آئے اور مدراس کے قریب مقام ''کولم'' میں ورود ہوا، مدراس و گجرات کا علاقہ ساحلِ سمندر پر ہونے کی وجہ سے عرب دریائی راستہ سے یہیں اترتے تھے، ان کے علاوہ اسماعیل بن مالک بن دینار کا بھی ذکر تاریخ میں ملتا ہے کہ وہ اس راستہ سے

---

(۱) ۳/۲۷۹، ط. دار الجیل بیروت، الرقم: ۳۷۴۳ لیکن حافظ ابن حجرؒ لسان المیزان میں اور حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال: ۱/۱۷۸ میں فرماتے ہیں کہ اس کا راوی ''إسحاق بن إبراهيم الواسطي لا يعرف وخبره باطل''.

(۲) لسان المیزان: ۴/۱۹ پر حضرت حذیفہ، حضرت اسامہ، حضرت سفینہ، حضرت سہیل اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔

ہندوستان آئے اور مدراس میں قیام کیا، حضرت ربیع بن صبیحؒ جو کہ تابعی ہیں، ان کا ذکر ملتا ہے کہ وہ بھروچ کے قریب بھاڑ بھوت میں آئے تھے، ان کا مزار بھی وہیں ہے(۱)، یہ وہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف کی "**أول من صنف في الإسلام**" (۲) ۹۱ھ میں محمد بن قاسمؒ نے ہندوستان کے مقامِ سندھ پر حملہ کیا تھا اور فتح کر کے وہاں قیام کیا، یہ علاقہ بھی ساحلِ سمُندر پر ہے، اس وجہ سے وہ سمُندری راستہ سے وہاں آئے، اس کے بعد عربوں کی آمد کا سلسلہ چلتا رہا اور تقریباً تیسری صدی کے اواخر تک یہ لوگ اس علاقہ میں رہے، تاریخ میں ایک اور صحابی کا تذکرہ ملتا ہے جن کا نام انہوں نے بابا رتن سادھو ہندی بتلایا ہے، یہ راجہ بھوج کے زمانہ میں وزیر تھے، جس وقت شقِ قمر کا واقعہ ہوا انہوں نے اسے دیکھا اور مدینہ کی طرف چل پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور پھر ہندوستان آ گئے، ان کا انتقال ۵۹۶ھ یا ۶۲۰ھ میں ہوا، سات سو سال کے قریب عمر پائی؛ مگر علامہ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "**اللآلي**" میں ان کا رد کر دیا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے تو ان کو "**دجال من الدجاجلة**" کہہ دیا ہے؛ مگر دوسری باتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مسلسلات میں ان کی تین روایات نقل کی ہیں (۳)، ان کی ایک روایت میں قیامت

---

(۱) الکامل فی التاریخ: ۳/ ۶۸ (۲) کشف الظنون: ۱/ ۳۴

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا اس کی احادیث کو کتاب النوادر میں ذکر کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدثِ دہلویؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، چناں چہ آپ فرماتے ہیں: **هذه أحاديث نادرة من مسند الجن، و مسند الخضر عليه السلام، و مسند=**

کی علامات کا ذکر ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے میں شریک تھے، یہ ضلع بجنور کے قصبہ ریڑھ کے قریب کی جگہ کے رہنے والے تھے۔

حاصل ان تمام واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ ہی میں ہندوستان میں اسلام کی کرنیں پہنچ چکی تھیں، اوراس کے عالم تاب آفتاب نے اپنی شعاعوں سے ہندوستان کو بھی جگمگانا شروع کردیا تھا، یہ اسلام کی آمد تھی ہند میں اور قریب تین صدی تک عرب سندھ وغیرہ کے علاقوں میں رہے؛ مگر اب تک کہیں حدیث کا چرچا

= المعمرين، المختلف في صحبتهم، جمعتها في هذه الرسالة إستغرابا لها، لا تنويها بصحتها. (الفضل المبين: ١٧٧)، قال العجلوني: و أحاديث رتن الهندي و ما يحكى عن بعض الجاهلين أنه اجتمع بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم وسمع منه، و دعا له عليه السلام بقوله: عمرک اللّٰه، ليس له أصل عند أئمة الحديث و علماء السنة، ولم يعش من الصحابة ممَن لقي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أكثر من خمس و تسعين سنة، وهو أبو الطفيل فبكوا عليه، وقالوا: هذا آخر من لقي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، و هذا هو الصحيح تصديقا لقوله عليه السلام حين صلى العشاء الأخيرة في آخر عمره ليلة، فقال لأصحابه: أ رأيتم ليلتكم هذه، فإن على رأس مائة سنة لا يبقى ممن هو على وجه الأرض المؤمنين. كشف الخفاء: ٢/١٦ ٤، و منهم رتن الهندي، قال الذهبي: و ما أدراک ما رتن؟ شيخ دجال بلاريب، ظهر بعد الست مائة، فادعى الصحبة، قيل: إنه مات سنة اثنتين و ثلاثين و ست مائة، و قد كذب و كذبوا عليه. الفوائد المجموعة: ٤٨٢، و هكذا رده الصغاني في الموضوعات، و الفتني في تذكرة الموضوعات، و أبو الفضل المقدسي في تذكرة الموضوعات، و ابن العراق في تنزيه الشريعة المرفوعة؛ البتہ اہل تاریخ ایسی روایتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اسماعیل غفرلہٗ

نہیں ہوا تھا، اس کے بعد چوتھی صدی کی ابتدا ہوتی ہے، اس صدی میں افغانوں اور مغلوں نے ہند پر حکومت شروع کی، یہ لوگ ہندوستان میں منطق وفلسفہ کے علوم لائے اور ان کو مروج کیا، اس کی خوب ترویج ہوئی؛ مگر ابھی بھی حدیث کی ترویج نہیں ہو پائی تھی۔ صحابہؓ کی آمد نے اور ان کے علمِ حدیث نے کچھ کچھ تو اس کے بیج ہند میں بو دئے تھے؛ مگر اس گلستاں پر اب تک فصلِ خزاں ہی طاری تھی اور موسمِ بہار کی آمد کا انتظار تھا، صرف علامہ صغانیؒ کی مشارق الانوار کا کچھ ذکر تھا، یہ چوتھی صدی چل رہی ہے، اب تک صحابہؓ وتابعین اور عرب لوگ بھی ہندوستان سے ختم ہو چکے تھے، پھر بعد کی صدیوں میں بھی قریب یہی حال رہا اور کوئی خاص علمِ حدیث کی ترویج نہیں ہوئی، اب تک یہ گلشن بار آور نہیں ہوا تھا اور اس کے گلوں نے سارے ہندوستان کو نہیں مہکایا تھا، قریب آٹھ صدی تک حالات میں کوئی خاص نمایاں فرق نہیں ہوا۔

نویں صدی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس صدی میں ''مشکاۃ المصابیح'' کا ذکر ملتا ہے؛ مگر ابھی بھی صحاحِ ستہ کا ذکر نہیں ہوا تھا، پھر دسویں صدی کا آغاز ہوتا ہے، اس صدی میں اس کا چرچا بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ گجرات میں احمد آباد شہر میں سلطان احمد شاہؒ کی حکومت ہے، بادشاہ بڑا علم دوست اور علما نواز ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابن حجر مکیؒ کے بہت سے تلامذہ سفر کر کے احمد آباد میں آ کر مقیم ہوتے ہیں، دوسرے بھی بہت سے بڑے بڑے علما ومحدثین آنا شروع ہوتے ہیں، ان میں سے چند کا نام بھی ملتا ہے؛ جیسے عبدالمعطی مکیؒ (متوفی: ۹۸۹ھ) احمد بن بدرالدین مصریؒ (متوفی: ۹۹۲ھ) یہ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ کے شاگرد ہیں، شیخ محمد فاکہی حنبلیؒ یہ ابن حجر مکیؒ

کے تلمیذ ہیں (متوفی: ۹۹۲ ھ)، شیخ محمد بن محمد مالکیؒ المعروف بہ ابن سوید (متوفی: ۹۲۹ ھ) یہ علامہ سخاویؒ کے شاگرد ہیں، نورالدین گجراتیؒ، یہ اور ان کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے محدثین اس زمانہ میں احمد آباد میں تھے۔ شیخ علی بن حسام الدین متقیؒ جو ابن حجر مکیؒ کے تلمیذ ہیں، یہ بھی تھے، انہوں نے ''کنز العمال'' نام کی کتاب لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے اور بڑی جامع کتاب ہے، ان کا مزار بھی مکہ مکرمہ میں ہے (۱)؛ غرض یہ کہ ایسا دور آجاتا ہے کہ احمد آباد علوم وفنون کا اور خاص کر علمِ حدیث کا گہوارہ ہوجاتا ہے اور اسی ماحول کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے افراد تیار ہوتے ہیں اور حرمین شریفین جاکر علمِ حدیث کی تحصیل میں لگتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ ہیں، پٹن ان کا وطن ہے، انہوں نے علمِ حدیث حاصل کر کے ''المغني، تذكرة الموضوعات''، ''مجمع بحار الأنوار'' وغیرہ بڑی بڑی کتابیں لکھیں، ایم پی کے علاقہ میں مقام سارنگ پور میں ان کو شہید کردیا گیا، وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی، بعد میں وہاں سے اُن کو پٹن منتقل کیا گیا۔ شیخ عبدالاول حسینیؒ نے ''فیض الباری'' (۲) نامی بخاری کی شرح لکھی، یہ ہندوستان میں بخاری کے اولین شراح میں سے ہیں، یہ سارے واقعات وحالات ہند وگجرات کے دسویں صدی کے ہیں، پھر گیارہویں صدی شروع ہوتی ہے۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۱۷ (۲) ابھی تک یہ کتاب اہلِ علم کے حلقوں میں ناپید تصور کی جارہی تھی؛ مگر اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص سے الحمدللہ احقر کو اس کا ایک مخطوطہ دستیاب ہوا ہے، جس پر حضرت مفکرِ ملت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کے زیرِ نگرانی تحقیق وتعلیق کا عمل جاری ہے، اس کے باعافیت پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لیے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ اسماعیل عفی عنہ!

ہندوستان میں علم وحدیث کی بنیاد تو پڑ ہی چکی تھی، اب یہ درخت بڑھنا اور پروان چڑھنا شروع ہو چکا تھا، بچپن، لڑکپن گزار کراب شباب میں قدم رکھنے جارہا تھا، گیارہویں صدی میں اس کا عہدِ شباب آگیا اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ بخاری نے علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے حجازِ مقدس کا سفر کیا، تحصیل سے فراغت کے بعد واپس آکر دہلی میں باقاعدہ مشکاۃ کا درس شروع کردیا، بڑے اہتمام سے درس ہونے لگا حتیٰ کہ حجاز سے بھی لوگ سفر کر کے حدیث حاصل کرنے شاہ عبدالحقؒ کی درسگاہ میں دہلی آنے لگے، تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا آپ کے پوتے نے ''تیسیر القاری'' نامی بخاری کی شرح لکھی، اب یہ سلسلہ چلنا شروع ہو چکا، اور شیخ احمد سرہندیؒ، مجددالف ثانیؒ جیسے بڑے علم وفضل وکمال کے مالک علما ہندوستان میں پیدا ہوئے اور درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، انہی کے خاندان میں سے کسی نے ترمذی کی ''اللباب'' نامی شرح لکھی (۱)، ابھی یہ گیارہویں صدی چل رہی ہے، ختم ہونے جارہی ہے، علمِ حدیث کا شباب آغاز کر چکا ہے، اور اب رفتہ رفتہ بھرپور جوانی میں قدم رکھنے جارہا ہے، گیارہویں صدی ختم ہوکر بارہویں صدی شروع ہورہی ہے۔

بارہویں صدی شروع ہوتی ہے اور علمِ حدیث کی تاریخ میں انقلاب رونما ہوتا ہے، علمِ حدیث ترقی کے کئی منازل اتنی سرعت سے طے کرلیتا ہے کہ اس کی امید بھی نہ تھی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسا شخص اٹھ کھڑا ہوتا ہے جسے آج ''مُسْنِدُ الہند'' سے

---

(۱) شیخ سراج احمد مجددی متوفی ۱۲۳۰ھ نے شرح ترمذی بزبان فارسی تحریر فرمائی ہے جو نظامی پریس دہلی سے مجموعۂ شروح اربع کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ (علم حدیث میں برِاعظم پاک وہند کا حصہ: ص۵۵)

یاد کیا جاتا ہے۔ یہ حجاز جا کر ابو طاہر کورانیؒ کے پاس تحصیل علمِ حدیث کرتے ہیں، صحاحِ ستہ انہوں نے انہی سے حاصل کی اور ہندوستان لے آئے، ادھر کے علاقے میں اب تک صحاحِ ستہ عام نہیں ہوئی تھی، انہوں نے حجاز سے حاصل کر کے ہندوستان میں اس کو عام کیا، پھر تو علمِ حدیث کا ہندوستان میں ایسا چرچا ہوا جو آج تک ہے کہ اس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی، اس کا سہرہ شاہ محدث دہلویؒ کے سر بندھتا ہے، ان کے بعد ان کے خاندان نے بھی اسی کو مشغلہ بنایا اور علمِ حدیث کو چار چاند لگا دیئے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا اصلی وطن پھلت ہے جو مظفر نگر کے قریب ایک جگہ ہے، یہ ان کا آبائی وطن ہے وہیں ان کا خاندان آباد تھا؛ مگر پھر دہلی آ کر حدیث کی تدریس کی، ہندوستان کا کوئی بھی طبقہ ہو، اس کی سند شاہ ولی اللہؒ تک جا کر ضرور ملتی ہے (۱)، ہر ایک وہیں تک اپنی سند پہنچاتا ہے اور پھر ان کی سند کتابوں میں مذکور ہے، اسی وجہ سے ان کو "مُسْنِدُ الہند" کہتے ہیں۔ یہ بارہویں صدی کی ابتدا ہے، حدیث کا چرچا بہت ہو گیا، اس کی شہرت ہندوستان میں اور دوسرے ممالک میں بھی ہو چکی ہے اور فن اپنے عہدِ شباب پر جاری ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تلامذۂ ارشد میں آپ کے صاحب زادہ شاہ عبد العزیزؒ اور مولانا محمد عاشق پھلتیؒ جیسے لوگ ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے بعد اس مَسْنَد کو شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے سنبھالا اور واقعی جانشین ثابت ہوئے، ان کے درس کا بھی دور دورہ رہا، بڑے زبردست اپنے وقت کے علامہ تھے۔ تفسیر کی کتاب "فتح العزیز"

---

(۱) اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے؛ مگر یہ باعتبار اغلبیت ہے، ورنہ ہندوستان میں صرف شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی کے طریق سے بھی سلسلۂ حدیث چلا ہے۔

انہی کی ہے، جوصرف سورۂ بقرہ اور پارۂ عم کی ہے اورایسی تفسیر ہے کہ علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگران کی یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو ہمیں متقدمین کی کسی تصنیف کی ضرورت نہ رہتی، تمام سے ہمیں یہ مستغنی کر دیتی (۱)۔ ان کے بعد شاہ عبدالقادر دہلویؒ اورشاہ رفیع الدین دہلویؒ کا بھی اسی زمانے میں ایک دور رہا اور یہ بھی بڑے علم وکمال کے مالک تھے، یہ شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ ہیں، ان کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ میں شاہ ابوسعیدؒ، شاہ رشیدالدینؒ، شاہ اسحاق دہلویؒ وغیرہ بھی ہیں، ان میں سے بعض نے تو باقاعدہ درساً درساً پڑھا اور بعض نے اول وآخر سے پڑھ کر پوری کتاب کی اجازت لے لی، ان تمام میں سب سے زیادہ مقبولیت شاہ اسحاق دہلویؒ کو ہوئی جو کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے ہیں (۲)۔ تیرہویں صدی کے وقت ان کی یہ شہرت تھی کہ ہندوستان کے کونے کونے سے اور باہر سے بھی آ کر لوگ ان کے پاس علمِ حدیث حاصل کرنے لگے۔ ان کے بعد تیرہویں صدی کے اواخر میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ کا دور آیا، انہوں نے بھی بہت مقبولیت حاصل کی اور خاص کر شاہ اسحاق صاحبؒ کے سفر میں چلے جانے کے بعد تو انہیں کی درس گاہ لوگوں کا مرجع بنی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ وغیرہ حضرات نے انہیں سے علمِ حدیث پڑھا۔

مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے صرف اجازت ہی حاصل کر لی ورنہ ان کے استاذ مولانا مظہر نانوتویؒ ہیں جو کہ شاہ عبدالغنیؒ کے تلمیذ رشید ہیں۔ اب تک

(۱) تفسیرِ عزیزی پارۂ عم: ص ۲۷ (۲) انوار الباری: ۱/۳۹۴

''دارالعلوم دیوبند'' اور ''مظاہر علوم سہارن پور'' کی درس گاہوں کا وجود نہیں ہوا تھا۔ یہ حضرات دہلی میں ہی تعلیم حاصل کرتے تھے، فراغت کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ میرٹھ کے کسی مطبع میں تصحیحِ کتب کا کام کرنے لگے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے وطن میں رہنے لگے۔ اس کے بعد دیوبند میں حاجی محمد عابد صاحبؒ وغیرہ کے ساتھ مل کر حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی، ہوتے ہوتے اس مدرسہ نے ''دارالعلوم'' کی شکل اختیار کرلی، مولانا نانوتویؒ اس کے بانیوں میں سے ہیں۔ اس طرف سہارن پور میں مولانا سعادت علیؒ نے مدرسہ قائم کیا اور مولانا مظہر نانوتویؒ کو وہاں تدریس کے لیے بلایا، یہ اولین مدرسین اور بانیوں میں سے ہیں، ہوتے ہوتے یہ مدرسہ بھی ایک دارالعلوم کی شکل میں ہوگیا، اسی وجہ سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی طرف ''دارالعلوم دیوبند'' کی اور مولانا مظہر صاحبؒ کی طرف ''مظاہر علوم سہارن پور'' کی بنا کی نسبت ہوتی ہے۔ اصل ان مدارس کو قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی، انگریز کے خلاف بغاوت کا علم بار بار بلند ہوتا رہتا تھا؛ مگر اہل ہند کو کامیابی نہیں ملتی تھی، اس میں مسلمانوں کا اور اس میں بھی علما کا زور زیادہ تھا، اس وجہ سے انگریز نے کئی علما کو قتل کروادیا اور یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح مسلمانوں کو اور ان کی تعلیمات کو ختم کر کے اسلام کی جڑ ہندوستان سے نکال دینی چاہیے، اکابر امت کو بڑا فکر ہوا اور دین کی حفاظت کی تدبیر کرنے لگے اور پھر یہ طے کیا کہ مدارس قائم کیے جائیں اور ان میں اسلامی تعلیمات کا درس ہو، یہی قلعے ہیں جن سے اسلام کی حفاظت ہوسکتی ہے؛ چناں چہ مدارس کی بنیاد پڑی، یہ ۱۲۸۳ھ

میں ہوا، اور تدبیر ان کی واقعی بڑی کارگر ثابت ہوئی، آج انہیں مدارس کا فیض ہے کہ صرف ہند و پاک ہی نہیں بل کہ پورا عالم اسی کی روشنی سے روشن ہے، تصنیف، تالیف، تدریس، تبلیغ کوئی بھی کام ہو، سب اسی کا طفیل اور پرَتو ہے، غرض کہ یہ مدارس وجود میں آئے اور تدریس کا سلسلہ ان میں شروع ہوا۔ یہ تیرہویں صدی کا اختتام اور چودہویں صدی کی ابتدا ہے، اس طرف مولانا گنگوہیؒ نے گنگوہ ہی میں صحاح ستہ کا درس شروع کیا اور قریب ۱۲۹۱ھ سے ۱۳۱۳ھ تک تنہا اس کا درس دیتے رہے(۱)، مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ ہیں، یہ ''دارالعلوم'' کے سب سے پہلے طالب علم ہیں، اور ''مظاہر علوم'' کے اولین طلبہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ ہیں (۲)، مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے صاحب زادے مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ ہیں، یہ بھی ''دارالعلوم'' میں مدرس تھے، مولانا یعقوب صاحب مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ کے ماموں ہوتے ہیں (۳)، چناں چہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم کافیہ تک ''دارالعلوم'' میں مولانا یعقوب صاحبؒ کے پاس حاصل کی اور پھر بقیہ آخر تک ''مظاہر علوم'' میں مولانا مظہر صاحب رحمہ اللہ کے پاس لی، شیخ احمد علی سہارن پوریؒ نے شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ سے پڑھنے کے بعد ''مظاہر علوم'' میں تدریس بھی کی ہے، اسی وجہ سے بانی میں ان کا نام بھی آتا ہے، مولانا مظہر صاحبؒ کے بعد

---

(۱) الکنز المتواری: ۱/ ۶ (۲) علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات: ۱/ ۱۱۶

(۳) تذکرۃ الخلیل: ۳۵

انہوں نے ''بخاری شریف'' کا درس دیا، اس کے علاوہ مشکاۃ اور ترمذی پر حاشیہ بھی لکھا جو فی الحال چھپا ہوا موجود ہے، اس کے علاوہ ''بخاری شریف'' پر بھی انہوں نے حاشیہ لکھا؛ مگر یہ ۲۵/ پارے تک ہے اور بقیہ پانچ پاروں کی تکمیل مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔(۱)

اس کے بعد اب ''دار العلوم'' میں شیخ الہندؒ کا اور ''مظاہر علوم'' میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا زمانہ تھا، شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ ہیں اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے تلامذہ میں مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوریؒ، مولانا محمد عبد اللطیف صاحبؒ، مولانا محمد منظور احمد خاںؒ اور مولانا اسعد اللہ صاحبؒ وغیرہ ہیں۔ مولانا منظور احمد صاحبؒ نے تو بعد میں وہیں تیس ۳۰/ سال تک ترمذی کا درس بھی دیا، اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ہی تلامذہ میں برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ بھی ہیں، اور ان کے تلامذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم ہیں جو فی الحال بھی ''مظاہر علوم'' کے شیخ الحدیث ہیں (۲) اور انہیں سے احقر نے پڑھا ہے۔ یہ ایک تاریخی بحث تھی جو بیان ہو چکی، اب ایک آخری بحث باقی ہے اور وہ ہے سند کتاب کی بحث، یہ ۳۱/ ویں اور آخری بحث ہے اس پر مبادیات کا اختتام ہو رہا ہے۔

(۱) حضرت الاستاذ محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوری ادام اللہ فیوضہم کی رائے عالی یہ ہے کہ آپ کا حاشیہ آخر کے صرف تین پاروں کا ہے، اس بات کو آپ نے مدلل ثابت بھی کیا ہے۔ (دیکھئے قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، احوال وآثار وباقیات ومتعلقات: ۷۴ تا ۷۷، ط مکتبۃ النور کاندھلہ

(۲) افسوس ۱۱/ جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل حضرت بھی مسافران آخرت میں شامل ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

سندِ کتاب

علم حدیث چوں کہ منقول ہے اس وجہ سے اس میں سند کی ضرورت پڑتی ہے؛ کیوں کہ بلا سند کے نقل کا اعتبار نہیں۔ محدثین نے جہاں حدیث کی ہر چیز کی حفاظت کی ہے اور اس کے ہر پہلو کو محفوظ و مضبوط کیا ہے اور اس کے تمام لوازمات اور لواحقات کو ضبط کیا ہے وہیں اس کی سند کی بھی حفاظت کی ہے اور اپنے ان تمام واسطوں کو محفوظ رکھا ہے جن کے ذریعہ سے کوئی روایت انہیں پہنچی ہے۔ سند و اسناد کی تعریف ماقبل میں گزر چکی کہ درمیان کے وسائط سند کہلاتے ہیں، اور ان وسائط کے ساتھ روایت ذکر کرنا اس کو اسناد کہتے ہیں۔ اسناد میں بہت سی کتابیں ہیں، جیسے **”الأعرف الجلي من أسانيد الشيخ أشرف علي“** اس میں حضرت تھانویؒ کی اسانید مذکور ہیں، **”الإرشاد في مهمات الأسناد“**. اس میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید ہیں۔ **”المسک الأزفر من أسانيد الشيخ محمد أنور“** اس میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی اسانید ہیں، **”اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني“** اس میں شیخ عبدالغنی مجددیؒ کی سند ہے **”حصر الشارد في أسانيد الشيخ محمد عابد“** (۱) یہ اور اس کے علاوہ اور بھی اسانید کی کتابیں ہیں۔ اس

---

(۱) اسی طرح ”الدر المنضود في أسانيد شيخ الهند محمود“ اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی اسناد مذکور ہیں، اور ”سلسلة الزبرجد في أسانيد الشيخ حسين أحمد“ میں حضرت مدنیؒ کی اسانید مذکور=

سند کو سب سے پہلے بقول علامہ ذہبیؒ امام شعبیؒ نے تلاش کیا (۱)، اور اپنی اسانید کو جمع کیا اور داعیہ اس کا اس لیے پیش آیا کہ لوگوں نے کذب بیانی سے کام لینا شروع کر دیا اور بہت سوں نے سند بھی غلط بیان کرنا شروع کر دی؛ چناں چہ ایک شخص ہے عبداللہ بن سبا جس نے فرقۂ سبائیت کی بنیاد ڈالی، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ: ''**أول من كذب عبد الله بن سبا**'' (۲) اس نے سب سے پہلے اسناد میں کذب بیانی سے کام لیا۔

اسی وجہ سے محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**انظروا عمن تاخذون دينكم**'' (۳) اس سے علما نے فنِ اسناد کی فضیلت پر استدلال کیا ہے، تو اس وجہ سے اسناد کی ضرورت پیش آئی، عامۃً حدیث پڑھانے والے اس طرح سند بیان کرتے ہیں

= ہیں، اسی طرح ''سبع سیارہ'' حضرت تھانویؒ کا ثَبَت ہے، ان اثبات کو حضرت محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ''الازدياد السني على اليانع الجني'' میں جمع فرمادیا ہے۔ ان کے علاوہ ''العناقيد الغالية من الأسانيد العالية'' ہے، اس میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک کے مشایخ دیوبند کی اسناد کو جمع فرمایا ہے، نیز ''نفحات الهند واليمن بأسانيد الشيخ أبي الحسن'' ''الدر الثمين بأسانيد الشيخ تقي الدين'' ''الكلام المفيد في تحرير الأسانيد'' از مولانا روح الامین بنگلہ دیشی ''الثبت الوجيز لإجازة المستجيز'' مجموعۂ اسناد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ وغیرہ علمائے دیوبند کی اسانید کے معتبر مجموعے ہیں؛ نیز ''فتح الإله بأسانيد الشيخ عبدالله'' مجموعۂ اسناد حضرت مفکر ملت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی اشاعت بھی مستقبل قریب میں متوقع ہے۔

(۱) كان الشعبي يتنقل من راو إلى راو حتى قال يحيى بن سعيد: وهذا أول من فتش في الإسناد. التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير: ۳٦

(۲) لسان المیزان: ۳/۹۹ (۳) مسلم: ۱/۱۱، الرقم: ۲٦

کہ یہ حدیث ہم نے فلاں سے پڑھی اور انہوں نے فلاں سے، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں، کسی مخصوص کتاب کی سند نہیں بیان کرتے، احقر اب آپ کے سامنے سلسلۂ سند کو ذکر کرتا ہے؛ مگر یہ سلسلہ صاحبِ مشکاۃ تک زیادہ سے زیادہ پہنچ سکتا ہے، اس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تو اس کے پہنچنے کا سوال نہیں۔

احقر نے یہ کتاب مشکاۃ شریف اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی عبد العزیز صاحبؒ سے پڑھی، سب سے پہلے احقر نے ہی پڑھی ہے، ان کا وطن رائے پور ہے، ''مظاہر علوم'' ہی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۷۳ھ میں فراغت پانے کے بعد اول کان پور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور پھر ''مظاہر علوم'' میں مدرس ہوئے، اب بھی بقیدِ حیات ہیں اور دورۂ حدیث کی کتابیں آپ کے زیر درس ہیں (۱)۔ احقر نے جس سال ان سے مشکاۃ پڑھی اسی سال ان کو سفر حج درپیش ہوا؛ چناں چہ ۱۶/ ذی قعدہ کو حدیث جبریل تک پڑھا کر دوسرے روز حج کو تشریف لے گئے، اس کے بعد کتاب عارضی طور پر مفتی یحییٰ صاحب کے پاس چلی گئی اور انہوں نے ''کتاب التشهد'' تک پڑھایا، پھر مفتی عبد العزیز صاحب نے مکمل کی، مفتی یحییٰ صاحب بھی مظاہری ہیں، اور ۱۳۶۴ھ میں فراغت ہے، یہ خاندان کے اعتبار سے سید ہیں، یہ حکیم ایوب صاحب کے صاحب زادے ہیں، اور آج کل صدر مفتی ہیں (۲)۔ مفتی عبد العزیز

---

(۱) ۱۹/ جمادی الثانیہ: ۱۴۱۲ھ کی شب میں اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ گئے، ان کے حالات کے لیے دیکھئے، علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات: ۴/ ۱۹۵

(۲) ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور کا جامعہ مظاہر علوم نمبر: ۱۵۳

صاحبؒ نے مشکاۃ شریف مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ سے پڑھی، یہ بھی مظاہری ہیں، انہوں نے مولانا منظور احمد خاںؒ صاحب سے پڑھی، یہ اصل سہارن پوری ہیں، ''مظاہر علوم''میں ۱۳۲۸ھ میں فراغت ہوئی(۱)۔

(ویسے احقر نے انفرادی طور پر مشکاۃ شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے بھی پڑھی ہے، اور یہ احقر کی سند عالی ہے، اس میں واسطے بہت کم ہیں۔ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بھی مظاہری ہیں اور ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ساتھ فراغت ہوئی؛ مگر انہوں نے حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں بھی مشکاۃ پڑھی ہے؛ گو مکمل نہ ہو(۲)۔ حضرت تھانویؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں، بڑے زبردست عالم، فضل و کمال کے مالک، متواضع، مستغنی اور نہایت قانع تھے، ساٹھ سال تک ''مظاہر علوم''میں پڑھایا، مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ انہیں کے خلیفہ ہیں)۔

تو سلسلہ پہنچا تھا یہاں تک کہ مولانا امیر احمد کاندھلویؒ نے مشکاۃ مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ سے پڑھی، مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ نے مشکاۃ مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھی، یہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے تلمیذ ارشد ہیں، حضرت تھانویؒ کے یہاں ان کا بڑا اعزاز تھا، حضرت ان کو حافظ صاحب کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے''مظاہر علوم'' کے ناظم تھے، ان کے زمانہ میں مدرسہ نے عمارتی کافی ترقی کی، دار قدیم کی تکمیل اور دار جدید کی تعمیر انہیں کے زمانہ میں ہوئی، اسی وجہ سے دار جدید کو''دار لطیفہ'' بھی کہتے ہیں، منگلور ان کا وطن تھا، ''مظاہر علوم''

---

(۱) نوادر الحدیث: ۵۷۱ (۲) نوادر الحدیث: ۵۵۸

میں کافیہ سے آخر تک کی تعلیم حاصل کی اور پھر زندگی بھر وہیں خدمت کرتے رہے۔ ’’فکرِ لطیف‘‘ نام کا مختصر رسالہ انہوں نے لکھا ہے جس میں انہوں نے درسِ نظامی کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ انہوں (مولانا عبداللطیف صاحب) نے مولانا ثابت علی اور مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مظاہر علوم سے پڑھی، انہوں نے مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ سے پڑھی، جو ’’مظاہر علوم‘‘ کے بانی ہیں، ان کا وطن نانوتہ ہے، اور انہوں نے تعلیم دہلی میں حاصل کی، انہیں کے نام میں الف بڑھا کر مدرسہ کا نام رکھا گیا ہے اور اس زیادتی کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مدرسہ کی بنیاد ۱۲۸۳ھ میں پڑی تھی، اور اکثر عمارتیں ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئیں، اس لیے تاریخی نام رکھنا تھا؛ مگر اس نام کے عدد ۱۲۹۱ر نکلتے تھے؛ اس وجہ سے الف بڑھا کر عدد مکمل کرلیا گیا(۱)، تو یہ اس کا تاریخی نام ہے، ان کی وفات ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔ قبرستان حاجی شاہ میں مدفون ہیں، انہوں نے مشکاۃ شریف مولانا مملوک العلی صاحب نانوتویؒ سے پڑھی (العلی، الف لام کے ساتھ حضرت علیؓ مراد نہیں بل کہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے) مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ جو کہ حضرت تھانویؒ کے استاذ خاص ہیں، ان کے یہ والد بزرگوار ہیں۔ مولانا مملوک العلی صاحبؒ کا مزار دہلی میں ہے، انہوں نے مشکاۃ شریف پڑھی مولانا رشید الدین خان بخاریؒ سے، انہوں نے مشکاۃ شریف پڑھی شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اور انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے، اور پھر ان کی سند مذکور ہے کتابوں میں اور وہ یہ ہے: شاہ ولی اللہؒ نے مشکاۃ پڑھی ابوطاہر مدنیؒ سے، انہوں

---

(۱) ماہنامہ مظاہر علوم کا جامعہ مظاہر علوم نمبر: ۵۸

نے شیخ ابراہیم کردیؒ سے، انہوں نے شیخ احمد قشاشیؒ سے، انہوں نے شیخ احمد الشناویؒ سے، انہوں نے شیخ سید غضنفر بن جعفر نہروالیؒ سے (۱)، انہوں نے شیخ محمد سعید میر کلاںؒ سے، انہوں نے شیخ نسیم الدین میرک شاہؒ سے، انہوں نے شیخ سید جمال الدینؒ سے، انہوں نے شیخ اصیل الدین شیرازیؒ سے، انہوں نے شیخ شرف الدین جرہیؒ (۲) سے، انہوں نے شیخ امام الدین ساوجیؒ (۳) سے اور انہوں نے صاحبِ مشکاۃ ولی الدین خطیب تبریزیؒ سے یہ کتاب پڑھی (۴)، یہ پوری سند ہے۔ احقر کی دوسری سند عالی ہے، مولانا اسعد اللہ صاحب کے واسطے سے وہ یوں ہے: احقر نے مولانا اسعد اللہ

---

(۱) یہ بات اہلِ گجرات کے لیے باعثِ فخر ہے کہ برصغیر کی مشکاۃ کی سند ایک گجراتی محدث کے واسطے سے پہنچتی ہے۔ شیخ غضنفر بن جعفر الحسینی الگجراتیؒ، نہروالہ (پٹن) میں پیدا ہوئے، علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اور حدیث وفقہ وعربیت میں یدِ طولیٰ حاصل کیا، پھر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، اور درس حدیث میں بڑا نام پایا، موصوف کے شیوخ میں ملا جامی کے بھانجے شیخ محمد امین، شیخ محمد سعید عرف میر کلاں خراسانی، شیخ تاج الدین عبدالرحمٰن بن مسعود گازرونی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ موصوف کے تلامذہ میں شیخ ابوالمواہب احمد بن علی عباسی شناوی، مفتی حرم عبدالرحمٰن بن عیسیٰ عمری مرشدی اور عبدالقادر بن محمد حسینی طبری مکی زیادہ مشہور ہیں، سنہ وفات کا علم نہ ہوسکا۔ آپ کے حالات اور سند میں مذکور دیگر مشائخ کے احوال کے لیے مراجعت فرمائیں۔

(فوائد جامعہ شرح عجالۂ نافعہ: ۵۰۸)

(۲) مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب نے فوائدِ جامعہ میں اس کا ضبط جیم اور راء کے کسرے کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(ص ۵۱۵)

(۳) عجالۂ نافعہ کے مطبوعہ نسخے اور الیواقیت الغالیہ: ۲/۵۳ پر اُن کا نام مبارک شاہ واقع ہے، یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اُن کا نام ''علی'' ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

(دیکھیے فوائدِ جامعہ: ۵۱۵)

(۴) مشکاۃ شریف کی سند کے لیے دیکھیے: عجالۂ نافعہ مع فوائدِ جامعہ: ۵۸، و۵۱۵، الیواقیت الغالیہ: ۲/۵۳

صاحبؒ سے، انہوں نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے، انہوں نے حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے، انہوں نے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اور انہوں نے شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے اور ان کی سند پھر وہی ہے جو اوپر مذکور ہوگئی، یہ سند عالی ہے، کیوں کہ اس میں شاہ ولی اللہؒ تک میں صرف چار ہی وسائط ہیں۔

ملحوظہ:

عام طور پر اہلِ علم اجازتِ حدیث کا تو اہتمام فرماتے ہیں؛ مگر اجازتِ کتاب کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا ہے؛ مگر صاحبِ افادات نے شروع ہی سے اس کا خصوصی اہتمام فرمایا؛ چناں چہ ”القراءۃ الراشدۃ“ جیسی کتاب بھی رائے بریلی کا سفر کر کے حضرت مولانا علی میاںؒ سے پڑھی، نیز مشکاۃ شریف آپ نے حضرت ناظم صاحب مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ سے بعد فجر منفرداً اس حالت میں پڑھی کہ آپ کھڑے ہوتے اور حضرت ناظم صاحب بستر پر لیٹے ہوتے، اس طرح کتاب العلم تک پڑھ کر آپ نے اجازت حاصل فرمائی۔ اب آگے آپ کی سندِ مشکاۃ پیش کی جارہی ہے۔ اسماعیل عفی عنہ

سندِ مشکاۃ شریف

شیخ ولی الدین خطیب تبریزیؒ

شیخ امام الدین ساوجیؒ

شیخ سید شرف الدین الجرہیؒ

شیخ سید اصیل الدین شیرازیؒ

سید جمال الدینؒ

شیخ نسیم الدین میرک شاہؒ

شیخ محمد سعید میر کلاںؒ

شیخ سید غضنفر نہروائیؒ

شیخ احمد شناویؒ

شیخ احمد قشاشیؒ

شیخ ابراہیم کردیؒ

شیخ ابوطاہر مدنیؒ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ---------------------- ---------

مولانا رشید الدین خان صاحبؒ

مولانا مملوک العلی صاحبؒ

مولانا مظہر نانوتویؒ

(۱) مولانا ثابت علی صاحبؒ (قراءۃً)

(۲) مولانا عنایت علی صاحبؒ (〃)

(۳) مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ (اجازۃً)

مولانا عبداللطیف صاحبؒ

مولانا منظور احمد خان صاحبؒ

مولانا امیر احمد صاحبؒ

مفتی یحیٰ صاحب سہارن پوریؒ

مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

مفتی عبداللہ صاحب رویدوری

مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ

مولانا اشرف علی تھانویؒ

مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ

مفتی عبداللہ صاحب رویدروی

البضاعة المزجاة

لمن يطالع

مقدّمة المشكاة

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی عفا اللہ عنہ
خادم حدیث وتفسیر ومعتمد تعلیم دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

فہرست

حدیث الخلفاء کی تحقیق

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: اللّٰهم ارحم خلفاء نا، قلنا: یارسول اللّٰہ و ما خلفاء کم؟ قال: الذین یأتون من بعدي، یروون أحادیثي و سنتي، ویعلمونها الناس. (المعجم الأوسط: ۶/۷۷)، اس حدیث کو امام طبرانیؒ کے علاوہ ابونعیم اصفہانیؒ نے اخبار اصفہان: ۱/۲۵۱، خطیب بغدادیؒ نے شرف اصحاب الحدیث: ۱/۶۴، نظام الملکؒ نے اپنے جزء: ص۲۲، قاضی عیاض مالکیؒ نے الالماع: ص۳۶، امام رامہرمزیؒ نے المحدث الفاصل: ص۱۶۳، علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر: ۱/۱۲۴، مفتاح السنہ: ص۵۳، اور الخصائص الکبریٰ: ۱/۳۹۷ میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے اسے "**عن ابن عباس**" اور بعض نے "**عن ابن عباس، عن علی**" نقل کیا ہے۔ امام طبرانیؒ فرماتے ہیں: **تفرد به أحمد بن عیسیٰ العلوي**، لیکن شیخ ناصر الدین البانیؒ نے لکھا ہے کہ شرف اصحاب الحدیث للخطیب میں اس کا متابع موجود ہے۔ (سلسلة الأحادیث الضعیفة و الموضوعة: ۲/۲۴۸) چناں چہ ابھی تک اِس روایت کے تین طرق پر اطلاع ہوئی ہے: (۱) احمد بن عیسیٰ بن عبداللہ العلوی الہاشمی (۲) عبدالسلام بن عبید اور (۳) عبد

اللہ بن احمد بن عامر الطائی؛ لیکن ان میں سے کوئی بھی طریق کلام سے خالی نہیں ہے، اور تینوں طریق میں متہم بالکذب رواۃ موجود ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: عبدالله بن أحمد بن عامر يروي عن أهل البيت نسخة باطلة. (الضعفاء و المتروكون: ۲/۱۱۵) وقال ابن حجر: عبدالله بن أحمد بن عامر، عن أبيه، عن علي الرضا، عن آباءه، بتلك النسخة الموضوعة الباطلة ما تنفک عن وضعه أو وضع أبيه. (لسان الميزان: ۴/۴۲۵) ۔احمد بن عیسیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "لسان الميزان: ۱/۵۶۹" میں فرماتے ہیں: قال الدار قطني في كتاب الضعفاء والمتروكين: كذاب. وهكذا نقله الهيثمي في مجمع الزوائد: ۱/۱۵۱ ۔عبدالسلام بن عبید کے بارے میں حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: قال ابن حبان: كان يسرق الحديث، ويروي الموضوعات، و قال الأزدي: لايكتب حديثه. (میزان الاعتدال: ۲/۶۱۸)، اسی لیے حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ ہیثمیؒ، علامہ زیلعیؒ، علامہ مناویؒ وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، ماضی قریب کے مشہور حنفی محدث و محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے "أمراء المؤمنين في الحديث" میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، اور اس حدیث کی تخریج کر کے اس پر سکوت اختیار کرنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

(أمراء المؤمنين في الحديث ضمن جواب الحافظ أبي محمد عبد العظيم المنذري عن أسئلة في الجرح والتعديل: ص ۱۲۵)

درسِ ترمذی کی ایک عبارت پر کلام:

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ (درس ترمذی: ۱/۲۰) اور ان کی اتباع میں مبادیات حدیث (ص ۱۳) کے محشی نے تحریر فرمایا ہے کہ ''قاضی عیاضؒ نے الالماع: ص ۱۷ کے تحت اس حدیث کو بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں ہے''؛ مگر ناقص خیال میں یہ کلام مخدوش نظر آتا ہے اس لیے کہ قاضی عیاض مالکیؒ نے اس حدیث کو ایک ہی طریق سے ذکر کیا ہے، اور مذکورۃ الباب دیگر روایات سنداً و متناً مستقل الگ حیثیت رکھتی ہیں؛ البتہ اس حدیث کے بعد متصلاً ایک روایت مذکور ہے جس سے روایت کے صرف دوسرے جز کی تائید ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے: **قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن هذا الدين بدأ غريبا، و سيعود غريبا كما بدأ، فطوبیٰ للغرباء، قيل: يا رسول اللّٰه، فمن الغرباء؟ قال: الذين يحيون سنتي من بعدي، ويعلمونها الناس۔**

(الالماع: ص ۳۶، ۳۷، ط مجلس تعاون اسلامی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

بہر حال اس کا کوئی بھی طریق وضاعین سے خالی نہیں ہے، لہٰذا اس سے کسی طرح بھی استدلال درست نہیں ہے، اسی لیے علامہ مناویؒ فیض القدیر میں فرماتے ہیں: '' **و في الميزان: هذا حديث باطل، و أحمد كذاب انتهى، فكان ينبغي حذفه من الكتاب** '' یعنی علامہ سیوطیؒ کے لیے یہی مناسب تھا کہ اس حدیث کو الجامع الصغیر میں ذکر نہ فرماتے۔ (فیض القدیر: ۲/۱۸۸)

عبادلہ کا مصداق

حافظ ابن الصلاحؒ نے اپنی کتاب ''مقدمہ فی علوم الحدیث'' ص ۷۷ اپر نقل کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا: ''من العبادلة؟'' اس کے جواب میں امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا نام لیا، اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک عبادلہ کا مصداق یہ حضراتِ اربعہ ہیں۔ صاحبِ صحاح علامہ جوہریؒ نے چار کے بجائے تین کوذکر فرمایا ہے۔ (معجم الصحاح: ص ٦٦٥)

مگر فقہا کی اصطلاح میں عبادلہ سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں، جیسا کہ ہدایہ، عنایہ شرح ہدایہ، تبیین الحقائق اور فتح القدیر وغیرہ کتب کے مصنّفین اور علامہ رافعیؒ و زمخشریؒ، علامہ ثعلبیؒ، علامہ عبدالعزیز بخاری شارح بزدویؒ، علامہ ابوالحسین ابن ابی الربیع قرشیؒ، ابن ہشام انصاریؒ وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

علامہ عراقیؒ نے شرح التبصرہ والتذکرہ (ص ۲۱۰)، اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی (۲/۲۲۰) میں علامہ رافعی اور زمخشری پر حضرت ابن مسعودؓ کو ذکر کرنے کے سلسلے میں رد کیا ہے، اسی طرح حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث میں مذکورہ

دونوں حضرات نیز علامہ عبدالعزیز بخاری شارح بزدویؒ، علامہ ابوالحسین ابن ابی الربیع قرشیؒ اور ابن ہشام انصاریؒ وغیرہم پر بھی رد کیا ہے؛ اس کے بعد حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں: "والأول هو المعتمد المشهور بين المحدثين وغيرهم"؛ مگر ان حضرات کا رد درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان حضرات کی اپنی اصطلاح ہے، خاص طور پر صاحبِ ہدایہ، علامہ عبدالعزیز بخاریؒ، اور علامہ زمخشریؒ پر تو یہ رد کسی طرح درست نہیں ہے، ضروری نہیں ہے کہ محدثین کے وہاں جو اصطلاح ہو اسی کی سب پیروی کریں، "لأنه لامُشاحةَ في الإصطلاح"۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" میں تصریح فرمائی ہے کہ فقہائے حنفیہ کی اصطلاح الگ ہے؛ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: "كذا قال، والعبادلة عنده عبدالله بن مسعود، وابن عمر، وابن عباس، وليس منهم ابن الزبير، ولذالک أفرده بالذكر، ولا ابن عمرو بن العاص، والمشهور عن المحدثين أنهم أربعة، وهم المذكورون سوى ابن مسعود"۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ مع الہدایہ: ۱/۲۴۶)

فقہا اور محدثین کی اصطلاح میں فرق یہ ہے کہ عند الفقہاء عبادلہ کا مصداق تین صحابہ ہیں، اور عند المحدثین اُن کا عدد چار ہے۔ فقہا نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو شمار نہیں کیا ہے، اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے کتاب الحج میں تحریر فرمایا ہے: "كذا روي عن العبادلة الثلاثة، و عبد الله بن الزبير" (ہدایہ اولین: ۲۶۴) اس کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ عنایہ فرماتے ہیں: "إنما فصل

عبد اللّٰہ بن الزبير عن العبادلة و هم عبد اللّٰہ بن مسعود، و عبد اللّٰہ بن عمر، و عبد اللّٰہ بن عباس، لأنه ما كان يفهم في عرفهم من إطلاق العبادلة إلا هؤلاء الثلاثة". (۴۳۳/۲)

محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو شمار نہیں کیا ہے، جس کی وجہ حافظ ابن الصلاحؒ نے امام بیہقیؒ سے نقل کی ہے: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو عبادلہ میں شمار نہ کرنے کی وجہ تقدم وفات ہے، اور یہ حضراتِ اربعہ تو ایک طویل مدت تک زندہ رہے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کا مرجع بن گئے، اور ان کے مجمع علیہ مسئلے کو "**هذا قول العبادلة**" سے تعبیر کیا جانے لگا۔ امام بیہقیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: "**و هذا لأن ابن مسعود تقدم موته، و هؤلاء عاشوا حتى احتيج إلى علمهم، فإذا اجتمعوا على شيء قيل: هٰذا قول العبادلة أو: هذا فعلهم**"۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۷۷)

حافظ ابن الصلاحؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار صرف اس وجہ سے ضروری ہو کہ اُن کا اسم گرامی بھی عبداللہ ہے تو عبداللہ نام کے تو تقریباً دوسو بیس صحابہ ہیں، تب تو پھر ان کو بھی شمار کرنا چاہیے، معلوم ہوا کہ اس اصطلاح میں صرف نام کی رعایت مقصود نہیں ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۷۷)

مگر امام بیہقیؒ کے قول: "**حتى احتيج إلى علمهم**" کو نقل کرنے کے بعد محقق امام ہمامؒ فتح القدیر شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں: "**و لا يخفى أن سبب غلبة لفظ العبادلة في بعض من سمي بعبد اللّٰہ من الصحابة دون**

غيرهم مع أنهم نحو مائتي رجل، ليس إلا لما يؤثر عنهم من العلم، وابن مسعود أعلمهم، ولفظ عبد اللّٰه إذا أطلق عند المحدثين انصرف إليه، فكان اعتباره من مسمى لفظ العبادلة أولىٰ من الباقين، ولو سلم أنه لا غلبة في اعتباره جزء المسمى فلا مشاحة في وضع الألفاظ"۔ (فتح القدیر:۲/۴۳۴)

محقق ابن ہمامؒ کی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض حضرات پر اُن کے علم وفضل کی وجہ سے عبادلہ کا لفظ تغلیباً استعمال کیا جاتا ہے، اور جب یہ بات ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو ان میں اَعلم تھے، نیز محدثین کے نزدیک لفظِ عبداللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد آپ ہی ہوتے ہیں؛ لہٰذا عبادلہ میں آپ کا شمار تو بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے، لیکن اگر یہ لفظ تغلیباً استعمال نہیں کیا گیا ہے تو پھر اس پر کوئی اشکال نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ "لامشاحّة في وضع الألفاظ"۔

احقر کا خیال یہ ہے کہ ماقبل میں امام بیہقیؒ کے حوالے سے ذکر ہوا کہ اِن حضرات کو عبادلہ کہنے کی وجہ اُن کا تقریباً ایک زمانے میں ہونا ہے، اور اُن کے مجمع علیہ مسئلے کو سندِ قبول حاصل ہونا ہے، نہ یہ کہ اُن کو اَعلم ہونے کے وجہ سے یہ لقب دیا گیا ہو۔ فلا اشکال! جیسا کہ خود محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: "لامشاحّة في وضع الألفاظ"۔

حافظ ابن الصلاحؒ کے قول کی تردید:

حافظ ابن الصلاحؒ کا قول جس کا اوپر تذکرہ ہوا کہ صحابہؓ میں دو سو بیس حضرات عبداللہ نام کے ہوئے ہیں، اس پر علامہ عراقیؒ اور ان کی اتباع میں علامہ

سیوطیؒ نے رد کیا ہے۔ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن الصلاحؒ نے دوسو بیس کا عدد علامہ ابن عبد البر مالکیؒ کی کتاب الاستیعاب سے لیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے ''الاستیعاب'' میں دوسو تیس عبداللہ نام کے صحابہؓ کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے مختلف فیہ دس افراد کو نکالنے سے تعداد دوسو بیس بنتی ہے، لیکن حافظ ابوبکر بن فتحونؒ نے اپنے ذیل علی الاستیعاب میں ایک سو چونسٹھ عبداللہ نام کے صحابۂ کرامؓ کا اضافہ کیا ہے، ان میں سے بھی مختلف فیہ افراد کو اگر ہم نکالتے ہیں تو دونوں کو ملا کر کم از کم تعداد تین سو ضرور پہنچتی ہے؛ لہٰذا حافظ ابن الصلاحؒ کا یہ کہنا کہ صحابہؓ میں دوسو بیس حضرات عبداللہ نام کے ہوئے ہیں تسامح سے خالی نہیں ہے۔ (شرح التبصرة والتذكرة: ص ۲۱۰)

بل کہ علامہ سخاویؒ تو فتح المغیث میں فرماتے ہیں کہ اُن کی تعداد تین سو سے بھی زائد ہے، اور فرماتے ہیں کہ اگر اُن کے شمار سے کوئی فائدہ وابستہ ہوتا تو میں اس کو ثابت کرتا: **''و هم نحو مائتين وعشرين نفسًا أو نحو ثلاث مائة في ما قاله المصنف، بل يزيدون على ذالک بكثير، ولو ترتب على الحصر فائدة لحققته''۔** (فتح المغیث: ۳/۹۹)

صاحبِ قاموس و امام نوویؒ کی تغلیط کا رد:

علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ ''القاموس المحیط'' میں فرماتے ہیں: **''و ليس منهم ابن مسعود، و غَلِط الجوهري''** اسی طرح امام نوویؒ نے تہذیب اسماء اللغات: ص ۳۶۲ پر علامہ جوہریؒ پر رد فرمایا ہے، اِن دونوں حضرات کی اتباع میں امیر صنعانی وغیرہ محققین کی جماعت نے بھی صاحبِ صحاح کا تخطیہ کیا ہے؛ لیکن علامہ

زبیدیؒ نے تاج العروس میں صاحبِ قاموس کے قول "وغلط الجوهري" پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے: "قال شيخنا: و هذا بناءً ا منه على أن الجوهري ذكر في العبادلة ابن مسعود رضي الله عنه، وليس في شيء من أصول الصحاح الصحيحة المقروءة ذكر له و لا تعرض، بل اقتصر في الصحاح على الثلاثة الذين ذكرهم المصنف، و كأن المصنف وقع في نسخته زيادة محرفة أو جامعة بلا تصحيح فبنى عليها، فكان الأولى أن ينسب اللفظ إليها، و قد راجعت أكثر من خمسين نسخة من الصحاح فلم أره ذكر غير الثلاثة، و لم يتعرض لغيرهم، نعم! رأيت في بعض النسخ النادرة زيادة ابن مسعود في الهامش، كأنها ملحقة تصليحًا، ورأيت العلامة سعدي چلبي أنكر هذه الزيادة، وذكر أنه تتبع كثيرا من نسخ الصحاح فلم يجد فيها هذه الزيادة، وجزم بأن الجوهري لم يعده" (تاج العروس:۸/۴۰۳، ط.دار الفکر)۔ حاصل یہ ہے کہ القاموس المحیط وتہذیب الاسماء وغیرہ میں صحاح جوہری پر جو رد کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ علامہ جوہریؒ نے صرف عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمروؓ ہی کو ذکر فرمایا ہے؛ لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ذکر کرنے کی نسبت اُن کی طرف درست نہیں ہے۔ علامہ زبیدیؒ اپنے شیخ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے پچاس سے زیادہ نسخوں کو دیکھا لیکن ان کو ان میں یہ زیادتی نہیں مل سکی؛ اسی طرح شیخ سعدی چلپی نے بھی متعدد نسخوں کے تتبع کے بعد اس زیادتی کا

انکار کیا ہے، البتہ بعض نسخوں میں یہ لفظ حاشیہ میں مذکور ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی نے حاشیہ سے متن میں بڑھا دیا ہو، تو علامہ فیروزآبادیؒ نے کسی ایسے ہی تحریف شدہ نسخے پر اعتماد کر کے علامہ جوہریؒ پر رد کر دیا ہے؛ مگر یہ ان کا رد کسی طرح درست نہیں ہے۔

اسی لیے علامہ عراقیؒ نے شرح التبصرۃ والتذکرۃ (ص ۲۱۰) اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی (۲/۲۲۰) پر تحریر فرمایا ہے کہ "**وقيل: هم ثلاثة بإسقاط ابن الزبير، و عليه اقتصر الجوهري في الصحاح، و أما ما حكاه المصنف في تهذيبه عنه أنه ذكر ابن مسعود، و أسقط ابن العاص فوهم**"۔

علامہ جوہریؒ کا خلط:

حافظ سخاویؒ فتح المغیث میں فرماتے ہیں: "**ووقع كما رأيته في عبد من الصحاح للجوهري ذكر ابن مسعود بدل ابن الزبير، و ذكر في الألف اللينة فيهما منه أيضا ابن الزبير، مع ابن عمر، و ابن عباس مقتصرا عليهم**"۔

لیکن احقر عرض کرتا ہے کہ حافظ سخاویؒ نے بھی شاید کسی محرف نسخہ ہی میں دیکھ کر علامہ جوہریؒ پر رد فرما دیا ہے؛ ورنہ علامہ زبیدیؒ کا کلام اوپر گزر چکا ہے کہ اُن کے شیخ نے پچاس سے زائد نسخوں کے تتبع کے بعد بھی اس زیادتی کو نہیں پایا، اسی طرح آج کل کے مطبوعہ نسخوں میں بھی مادۂ عبد میں حضرت ابن مسعودؓ کا ذکر نہیں ہے، البتہ علامہ جوہریؒ نے مادۂ عبد کو ذکر کرتے ہوئے عبادلہ کے بیان میں حضرت ابن عمرؓ،

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرو بن عاصؓ کو ذکر فرمایا ہے؛ مگر دوسری جگہ باب الہاء (ص ۱۰۸۳) میں حضرت ابن عمرؓ کی جگہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک عبادلہ کا مصداق تین حضرات ہیں، البتہ اُن کو ذکر کرنے میں التباس ہو گیا ہے۔

عبادلہ کا دوسرا مطلب:

اس کے علاوہ عبادلہ کی ایک اصطلاح ابن لہیعہ کے ترجمے میں بھی ذکر کی جاتی ہے، اس سے مراد عبد اللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب، عبد اللہ بن یزید المقری، اور عبداللہ بن مسلمہ القعنبی ہیں؛ لہٰذا جب کوئی روایت یہ تینوں حضرات ابن لہیعہ سے نقل کریں تو وہ عندالمحدثین قابلِ احتجاج ہوتی ہے، اس لیے کہ انہوں نے ابن لہیعہ کی کتابیں جلنے سے قبل اُن سے احادیث کو لیا ہے، بعد الاختلاط نقل کرنے والے حضرات کی روایات عندالمحدثین معتبر نہیں ہیں۔

قال أبو حاتم بن حبان البستي: كان من أصحابنا يقولون: سماع من سمع من ابن لهيعة قبل احتراق كتبه مثل العبادلة: ابن المبارك، وابن وهب، والمقري، و عبد الله بن مسلمة القعنبي، فسماعهم صحيح، و من سمع بعد احتراق كتبه فسماعه ليس بصحيح. (سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۱۹، میزان الاعتدال: ۴۸۲/۲)

احادیثِ مشکاۃ کی تعداد کے بارے میں مفصل تحقیق

صاحبِ مرقاۃ المفاتیح، صاحبِ کشف الظنون اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ترقیم کا ذکر اوراقِ سابقہ میں گزر چکا ہے، یہاں دورِ حاضر کی ترقیمات کو ذکر کیا جا رہا ہے؛ چناں چہ مولانا رضوان اللہ صاحب بنارسی نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی "التقرير الرفيع بمشكاة المصابيح" کی تعلیق میں تحریر فرمایا ہے: **قلت: قد رقم أحاديثه الشيخ جمال عينتابي، و الألباني، و بحسب ترقيمهما صار المجموع (۶۲۹۴)**؛ نیز مکتبۃ البشریٰ کراچی اور دار ابن حزم سے جو پانچ جلدوں میں مشکاۃ شریف شائع ہوئی ہے، اس میں بھی ۶۲۹۴ ہی عدد ذکر کیا گیا ہے؛ البتہ یہاں اس بات کا خیال رہے کہ شیخ ناصر الدین البانیؒ کی طرف مولانا رضوان اللہ صاحب بنارسی کا (۶۲۹۴) عدد کی نسبت کرنا محلِ نظر ہے، اس لیے کہ ہندوستانی نسخے میں (۲۷۸۸) نمبر کی حدیث جو حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے ساقط ہوگئی ہے، اس کو دیگر عربی نسخوں میں نیز شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اپنے نسخے میں درج فرمایا ہے، اسی طرح صاحبِ "التعليق الصبيح" مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

عن زيد بن أسلم رضي الله عنه أنه قال: شرب عمر بن الخطاب رضي الله عنه لبنا، و أعجبه، و قال للذي سقاه: من أين لك

هذا اللبن؟ فأخبره أنه ورد على ماء قد سماه، فإذا نعم من نعم الصدقة وهم يسقون، فحلبوا لي من ألبانها، فجعلته في سقائي، و هو هذا، فأدخل عمر يده فاستقاءه. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(التعليق الصبيح: ۳/۳۶۷)

معلوم ہوا شیخ ناصر الدین البانیؒ کے نسخے میں ہندوستانی نسخے کے مقابلے میں ایک روایت زیادہ ہے؛ لہٰذا اُن کے نسخے میں احادیث کی تعداد (۶۲۹۵) ہوتی ہے، نہ کہ (۶۲۹۴)، جیسا کہ مولانا بنارسی صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔

یہاں ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ شیخ ناصر الدین البانی موصوف کے تلمیذ شیخ علی حلبی نے ''ہدایۃ الرواۃ'' کو اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے، اس میں انہوں نے اپنے شیخ کی ترقیم کے خلاف (۶۲۴۵) عدد شمار کیا ہے۔

یہاں اس بات کا بھی خیال رہے کہ شیخ ناصر الدین البانیؒ کا تحقیق کردہ مشکاۃ شریف کا نسخہ جس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا تھا، اس کی ترقیم میں گڑبڑ واقع ہوئی ہے، اس میں احادیث کی تعداد (۶۲۸۵) ذکر کی گئی ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حدیث نمبر ۵۹۷۲ سے ترقیم میں خلط واقع ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے یہ تعداد بنتی ہے؛ ورنہ حقیقت میں احادیث کی تعداد (۶۲۹۵) ہی ہے؛ مگر شیخ سمیر خالد رجب کے نسخے میں (۶۲۷۵) روایات وارد ہیں، اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے بسا اوقات دو احادیث کو ایک شمار کرلیا ہے، مثلاً حدیث نمبر (۹۸۹) اور (۹۹۰) کو تمام حضرات نے الگ الگ شمار کیا ہے، اسی طرح حدیث نمبر '۱۰۰۹' اور

'۱۰۱۰' کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے؛ مگر شیخ سمیر خالد رجب ان کو ایک ہی شمار کرتے ہیں، اسی طرح اور بھی جگہوں پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔

(مشکاۃ شریف مطبوعہ مؤسسۃ التاریخ العربی)

شیخ ناصر الدین البانیؒ کا تسامح:

یہاں ایک اور ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ حدیث نمبر ۶۰۳۷ (بترقیم النسخۃ الھندیۃ ، اور (۶۰۳۸) بترقیم الشیخ البانی) کو شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اپنے نسخے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے، حالاں کہ وہ صحیحین کی حدیث ہے، اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، جیسا کہ مشکاۃ شریف کے ہندوستانی نسخوں میں موجود ہے، اسی طرح شیخ رمضان، شیخ سمیر خالد رجب اور ''ہدایۃ الرواۃ'' کے تحقیق کردہ نسخ میں بھی واقع ہے، اور چوں کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے تو صحیحین کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث (۳۳، ۳۶۹۱، ۷۰۰۸) اور (۷۰۰۹) اور مسلم شریف :۲/۲۷۴، حدیث نمبر ۶۳۴۰ پر حضرت ابوسعید خدریؓ ہی سے مروی ہے؛ لہٰذا شیخ ناصر الدین البانیؒ کا اس کو مسانید ابنِ عمر میں ذکر کرنا اُن کا تسامح ہے، اگر چہ یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی بخاری شریف میں حدیث نمبر ۷۰۰۶، اور ۷۰۰۷ پر واقع ہے لیکن وہ متفق علیہ نہیں ہے، نیز اس کے الفاظ مشکاۃ شریف کے الفاظ سے بھی مختلف ہیں، اور عجیب بات یہ ہے ایک طرف شیخ البانیؒ الفاظ تو حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کے لے رہے ہیں اور دوسری طرف ان کو مسانیدِ ابن عمرؓ میں بھی ذکر فرما رہے ہیں۔ فسبحان مَن لا یسھو و لا ینسٰی!

شروحات ومتعلقات مشکاۃ شریف

ماقبل میں مشکاۃ شریف کی بارہ شروحات کو ذکر کیا گیا تھا، یہاں تتمیمِ فائدہ کے لیے اس کی مزید چند شروحات ومتعلقات ذکر کئے جارہے ہیں:

(۱) شرح مشكاة لأبي الحسن علي بن محمد المعروف بعلم الدين السخاوي (۲) منهاج المشكاة للشيخ عبد العزيز الأبهري (۳)حاشية مشكاة المصابيح للسيد شريف الجرجانيؒ (۴)حاشية مشكاة المصابيح لجلال الدين الكرلاني (۵) الرحمة المهداة إلى من يريد زيادة العلم على أحاديث المشكاة للشيخ نور الحسن بن محمد صديق حسن خان القنوجي (٦) حاشية مشكاة المصابيح للشيخ نصير الدين الكامل فوري (۷)فتح الإله بشرح المشكاة لابن حجر الهيتمي (۸) حاشية مشكاة للشيخ محمد سعيد بن مجدد ألف ثانيؒ (۹) نجوم المشكاة للشيخ صديق بن شريف الفتنيؒ (۱۰) ترجمة مشكاة لمولانا كرامت علي الجون فوریؒ المجلد الأول (۱۱)التقرير الرفيع لمشكاة المصابيح لشيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلويؒ-۳ مجلدات (۱۲) نفحات التنقيح لمولانا سليم اللّٰه خان (۱۳) المرأة لمولانا عبداللّٰه

(١۴)التعليق الفصيح على مشكاة المصابيح للقاضى أبي عبدالله شمس الدين بن شيخ شير محمد (١۵) مرأة التناقيح لمشكاة المصابيح للقاضى أبي الفضل عبيد الله العلوي الحنفي (١٦)أشرف التوضيح تقرير اردو مشكاة المصابيح لشيخ الحديث مولانا نذير أحمد (١٧)التقرير البديع على مشكاة المصابيح لشيخ الحديث مولانا يٰسين صابر (١٨) تحفة المرأة في دروس المشكاة لقارى محمد طاهر الرحيمى. (١٩) خير المفاتيح شرح اردو مشكاة المصابيح لمولانا شبير الحق الكشميري (٢٠) هدية الصبيح شرح مشكاة المصابيح– ثلاث مجلدات – ليوسف بن إبراهيم بن محمد الشرواني الحنفي– متوفى ١٣۴١هـ (٢١) شرح مشكاة المصابيح لمحمد بن عبد اللطيف بن محمد بن أبي بكر الخلوتي الحنفي المعروف بشقير متوفى ١٠٧٢هـ (٢٢)شرح مشكاة المصابيح لمحمد بن داوٗد بن يوسف التبريزى متوفى بعد ٦٨٠هـ. (٢٣)تنقيح الرواة في تخريج أحاديث المشكاة للعلامة أحمد حسن الدهلوي (٢۴)الرحمة المهداة إلي من يريد ترجمة المشكاة بالأردية في أربعة مجلدات للشيخ عبدالأول الغزنوي (٢۵)الملتقطات على ترجمة المشكاة بالأردية في أربعة مجلدات للشيخ أحمد محي الدين اللاهوري (٢٦) التعليقات على المشكاة

للشيخ عبدالوهاب الصدري الملتاني (٢٧) ترجمة وشرح للمشكاة بالأردية للشيخ عبدالتواب الملتاني (٢٨) شرح المشكاة بالأردية للشيخ أبي الحسن السيالكوتي (٢٩) ترجمة و تحشية على كتاب السيالكوتي للشيخ محمد إسماعيل السلفي (٣٠) أنوار المصابيح في شرح و ترجمة مشكاة المصابيح بالأردية للشيخ عبدالسلام البستوي (٣١) طريق النجاة ترجمة الصحاح من المشكاة بالأردية للشيخ إبراهيم الآروي (٣٢) سواء الطريق في جمع أحاديث الصحيحين من المشكاة بالأردية في أربعة مجلدات للشيخ عبدالعزيز الرحيم آبادي (٣٣) شرح على المشكاة بالعربية لم يطبع للشيخ عبدالجليل السامرودي (٣٤)حاشية مشكاة لملك المحدثين الشيخ محمد بن طاهر الفتنيؒ (٣٥) حاشية مشكاة للشيخ عبد اللّٰه بن سعد الله السندي (٣٦)شرح مشكاة المصابيح لمولانا نعيم بن محمد فيض الصديقي الأودهي الجونفوري (٣٧) جامع البركات منتخب شرح المشكاة للشاه عبدالحق الدهلوي (٣٨)شرح مشكاة المصابيح للشيخ عبد اللّٰه العيدروسي (٣٩)أشرف المشكاة بالأردية لمولانا محمد ناظم الندوي (٤٠)إيضاح المشكاة بالأردية للشيخ رفيق البنغلاديشي (٤١)شرح المشكاة للشيخ عماد الدين محمد عارف العثماني (٤٢) المقتنيات

ملخص أشعة اللمعات لمولانا عماد الدين الجونفوري (۴۳)التعليقات على تنظيم الأشتات للشيخ غلام نبي القاسمي (۴۴)أسماء الرجال الواردة في المشكاة للشاه عبد الحق الدهلويؒ (۴۵) شرح مشكاة المصابيح للشيخ موسىٰ الروحاني بازيؒ (۴۶)معارف مشكاة المصابيح للشيخ عبد الرؤف عالي الديوبندي (۴۷) الأبواب المنتخبة من مشكاة المصابيح للشيخ الداعية مولانا إنعام الحسن الكاندهلويؒ (۴۸) التقرير الصبيح على مشكاة المصابيح للشيخ إحسان الحق الرامفوري (۴۹) أمالي المشكاة للشيخ أمير أحمد الكاندهلويؒ (۵۰) حواشي مشكاة المصابيح للشيخ أمير أحمد الكاندهلويؒ (۵۱) تلخيص المشكاة للشيخ إسلام الحق السهارنفوري (۵۲) تشريحات شرح أردو مشكاة للشيخ إسلام الحق السهارنفوري (۵۳) ترجمة مشكاة بالأردية للشيخ إسلام الحق السهارنفوري (۵۴) ترجمة مشكاة بالفارسية للشيخ ظهير الدين المثنى البالافوري النقشبنديؒ (۵۵) تعليقات على المشكاة للشيخ رئيس أحمد البجنوري (۵۶) تعليقات على المشكاة لفضيلة المفتي سعيد أحمد الأجراروي (۵۷) أمالي مشكاة للشيخ محمد يونس الجونفوري (۵۸) حاشية مشكاة المصابيح للشيخ نسيم أحمد المرادآبادي (۵۹) شرح مشكاة المصابيح

للشيخ نسيم أحمد البجنوري (٦٠) تحفة المشكاة للشيخ المفتي شهيد الله الهاوروي (٦١) ترجمة مشكاة للشيخ ولي الدين محمد خطيب العمري (٦٢) أسعد المفاتيح للشيخ أبي محمد عبدالغني الجاجروي (٦٣) شرح مشكاة المصابيح للشيخ عبدالرووف السكهروي (٦٤) مصباح المشكاة للشيخ محمد فاروق الميرتي (٦٥) فيض مشكاة شرح المشكاة للشيخ حارث عبدالرحيم الفاروقي القاسمي (٦٦) مشكاة الأنوار شرح المشكاة لمولانا إسلام الحق الأسعدي (٦٧) شرح مشكاة المصابيح للشيخ سلمان الحسيني الندوي (٦٨) توضيحات شرح مشكاة بالأردية لمولانا فضل محمد (٦٩) درس مشكاة لمولانا إسحاق البنغلاديشي.

(مقدمۂ مشکاۃ: ۱/ ۹، مظاہر حق جدید: ۱/ ۴۷، ط. دار الاشاعت کراچی ومکتبۃ المصباح لاہور: ۱/ ۴۰، الاعلام، معجم المؤلفین، مشکاۃ المصابیح بتحقیق الشیخ ناصر الدین الالبانی، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، علمائے مظاہر علوم سہارن پور اوران علمی وتصنیفی خدمات، الشیخ محمد زکریا الکاندھلوی از مولانا اشرف علی ندوی)

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب کا وہم:

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مظاہر حق جلد اول، مطبوعہ المصباح لاہور کے محقق ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب نے صفحہ ۴۰ پر شروح مشکاۃ اور شروح مصابیح میں خلط کر دیا ہے، انہوں نے شروح مصابیح کو بھی مشکاۃ شریف کی شروحات میں شمار کرایا ہے: مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا ماخذ کشف الظنون ہے، اور کشف الظنون میں مصابیح

السنہ کی شروحات کے ذیل میں مشکاۃ شریف کا ذکر واقع ہوا ہے تو انہوں نے لگے ہاتھ مشکاۃ شریف کی دو چار شروح کو بھی ذکر کر دیا ہے، پھر صاحبِ کشف الظنون نے ”ومن شروح المصابیح“ کہہ کر تلفیقات المصابیح، ضیاء المصابیح وغیرہ متعدد شروحاتِ مصابیح کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس نازک فرق کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔ فلیتحرر!

مشکاۃ شریف کی فصول وابواب کا جائزہ

نفحات التنقیح: ۱/۲/۷ میں مذکور ہے کہ مشکاۃ المصابیح کی فصول کی تعداد (۱۳۰۸) ہے؛ البتہ خیر المفاتیح: ۱/۳۴، مبادیات حدیث: ص۱۰۱، ظفر المحصلین: ص۲۲۶/اور توضیحات شرح اردو مشکاۃ: ۱/۷۷، تحفۃ المرآۃ: ص۶۷، وغیرہ کتابوں میں (۱۳۰۸) فصول کی جگہ (۱۰۳۸) واقع ہے، ظفر المحصلین اور مبادیاتِ حدیث میں یہ بات تاریخ الحدیث سے نقل کی گئی ہے، ممکن ہے تاریخ الحدیث ہی میں تصحیف واقع ہوئی ہو؛ بہر حال ابواب اور فصول کا جو عدد عامۃً ذکر کیا جاتا ہے اور لوگوں میں مشہور ہے اس پر احقر کو انشراح نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عدد لوگوں نے کشف الظنون سے لیا ہے، اور صاحبِ کشف الظنون نے یہ عدد مشکاۃ کے ابواب وفصول کا ذکر نہیں کیا ہے بل کہ آپ نے یہ عدد انوار المشکاۃ کی فصول وابواب کے لیے ذکر کیا ہے؛ چناں چہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک فاضل نے مشکاۃ کی تین فصلوں پر ایک اور

فصل کا اضافہ کیا اور حمیدی، ابن الاثیر، صغانی، قضاعی، الاقلیشی، نووی اور مدینی کی کتابوں سے حدیثوں کا انتخاب کیا جس کی وجہ سے ان کی تعداد یہ ہو جاتی ہے۔ صاحبِ کشف الظنون کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ثـم جـاء بـعـده واحـد مـن الـفـضلاء، فزاد في كل باب فصلا آخر، فصار كله أربعة فصول، مما وجـد بـعدهما في الدواوين المعتبرة للأئمة السبعة: أعني الحميدى، وابـن الأثيـر، والـصـغـانـي، والـقـضـاعـي، والأقليشي، والنووي، والـمـديـنـي، مـن كـل حـديـث استـدل بـه مجتهد في مذهبه، فكان كـالشرح لهذين الكتابين، وسماه أنوار المشكاة، فعدد الكتب فيهن ۲۹ تسـعة وعشرون، والأبواب ۳۲۷ ثلاث مائة و سبعة و عشرون، والفصول ۱۳۰۸ ألف وثمانية و ثلاث مائة۔ (کشف الظنون:۲/۱۷۰۰)

نیز اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہاں مشکاۃ شریف کی فصول کا عدد مراد لیا جائے تو بات کسی طرح بنتی نہیں ہے؛ اس لیے کہ صاحبِ کشف الظنون نے ۳۲۷/ ابواب ذکر کئے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ مشکاۃ شریف کے ہر باب میں زیادہ سے زیادہ تین فصلیں ذکر کی گئی ہیں، اور ۳۲۷ کو تین میں ضرب دیتے ہیں تو نتیجہ ۹۸۱ نکلتا ہے؛ جب کہ ہر باب میں تین فصلوں کا ہونا لازم بھی نہیں ہے، کہیں دو تو کہیں صرف ایک فصل ذکر کی گئی ہے، جس کا اندازہ مذکورۂ ذیل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) باب تأخير الأذان خال عن الفصل الثاني

(۲) باب ما على الإمام خال عن الفصل الثاني

(۳) باب التطوع خال عن الفصل الثالث

(۴) باب في سجود الشكر خال عن الفصل الأول و الثالث

(۵) باب من لا يعود في الصدقة خال عن الفصل الثاني و الثالث

(٦) باب قصة حجة الوداع خال عن الفصل الثاني

(۷) باب الحلق خال عن الفصل الثالث

(۸) باب خطبة يوم النحر خال عن الفصل الثالث

(۹) باب الإحصار و فوت الحج خال عن الفصل الثالث

(۱۰) باب المساهلة في المعاملات خال عن الفصل الثالث

(۱۱) باب اللقطة خال عن الفصل الثالث

(۱۲) باب (خيار المملوكين) خال عن الفصل الثالث

(۱۳) باب في وجوب كون الرقبة المعتقة كفارة مؤمنة خال عن الفصل الثاني و الثالث

(۱۴) باب ما لا يضمن من الجنايات خال عن الفصل الثالث

(۱۵) باب القسامة خال عن الفصل الثاني

(۱٦) باب الشفاعة في الحدود خال عن الفصل الثالث

(۱۷) باب ما لا يدعى على المحدود خال عن الفصل الثالث

(۱۸) باب التعزير خال عن الفصل الثالث

(۱۹) باب ذكر الكلب خال عن الفصل الثالث

(۲۰) باب أكل المضطر خال عن الفصل الأول و الثالث

(۲۱) باب تغطية الأواني خال عن الفصل الثالث

(۲۲) باب النعال خال عن الفصل الثالث

(۲۳) باب المزاح خال عن الفصل الثالث

(۲۴) باب قصة ابن صياد خال عن الفصل الثالث

(۲۵) باب نزول عيسیٰ عليه السلام خال عن الفصل الثاني

(۲۶) باب لا تقوم الساعة إلا على شرار الناس خال عن الفصل الثاني و الثالث

(۲۷) باب المبعث و بدأ الوحي خال عن الفصل الثاني

(۲۸) باب علامات النبوة خال عن الفصل الثاني

(۲۹) باب في المعراج خال عن الفصل الثاني

(۳۰) باب بلا عنوان خال عن الفصل الثاني والثالث

دوسری بات یہ ہے کہ ۹۸۱ کا حساب بھی اُن کے ذکر کردہ ابواب کے اعتبار سے ہے؛ ورنہ مشکاۃ شریف کے ابواب کی صحیح تعداد آگے نقل کی جارہی ہے، جس سے مذکورۂ بالا تعداد کسی طرح حاصل نہیں ہو پاتی، یہاں کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ صاحبِ مشکاۃ نے تو بعض مقامات پر ابواب قائم کئے بغیر بھی فصلیں ذکر فرمائی ہیں؛ کیوں کہ اگر ہم اُن تمام فصول کو بھی ملالیں تب بھی ۱۳۰۸ کا عدد کسی صورت میں حاصل نہیں ہو

پا رہا ہے۔

نیز احقر نے اپنے احباب کے ساتھ مل کر کتاب کی تمام فصول کا متعدد بار بالاستیعاب جائزہ لیا تو وہ ۸۴۶ نکلیں، معلوم ہوا کہ کشف الظنون سے نقل کرنے میں شراح کو تشابہ ہو گیا ہے، کشف الظنون میں جو عدد ذکر کیا گیا ہے وہ انوار المشکاۃ کی فصول کا ہے اور انوار المشکاۃ میں چار فصلیں مذکور ہیں اور ۳۲۷/ ابواب کو جب چار میں ضرب دیتے ہیں تو ۱۳۰۸ نتیجہ نکلتا ہے، معلوم ہوا کہ صاحبِ کشف الظنون نے بھی یہ عدد تخمیناً ذکر کر دیا ہے؛ ورنہ ہر باب میں چار فصلوں کا ہونا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم و علمه أتم و أحکم!

مشکاۃ شریف کے ابواب کی تعداد:

صاحبِ کشف الظنون نے ابواب کا جو عدد ذکر کیا ہے وہ بھی انوار المشکاۃ ہی کا ہے، اس لیے مشکاۃ کے ابواب کے لیے اس کو ذکر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے، مشکاۃ شریف کے تمام ابواب کی فہرست نیچے نقل کی جا رہی ہے جس سے کل ابواب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہاں مشکاۃ شریف کی جن کتب کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے ان میں ابواب مذکور نہیں ہیں:

کتاب الإیمان	۵
کتاب الطهارة	۱۳
کتاب الصلاة	۵۳
کتاب الجنائز	۸

كتاب الزكاة	۹
كتاب الصوم	۹
كتاب فضائل القرآن	۲
كتاب الدعوات	۱
كتاب أسماء اللّٰه تعالىٰ	۷
كتاب المناسك	۱۵
كتاب البيوع	۲۰
كتاب النكاح	۱۸
كتاب العتق	۱
كتاب الأيمان والنذور	۱
كتاب القصاص	۴
كتاب الحدود	۶
كتاب الإمارة والقضاء	۴
كتاب الجهاد	۱۱
كتاب الصيد والذبائح	۳
كتاب الأطعمة	۵
كتاب اللباس	۴
كتاب الطب والرقى	۲

كتاب الآداب	٢٢
كتاب الرقاق	٨
كتاب الفتن	٧
كتاب أحوال القيامة و بدأ الخلق	٩
كتاب الفضائل و الشمائل	١٠
كتاب المناقب	١٤
کل ابواب	٢٧١

موطا اور صحیح بخاری کے درمیان تقابل

ماقبل میں بلاغات موطا کا ذکر آیا تھا، اور اس سلسلے میں علما کا اختلاف بھی ذکر کیا گیا تھا، یہاں بلاغاتِ اربعہ کو ذکر کیا جارہا ہے:

(١) الحديث الأول: عن أبي مصعب: قال: حدثنا مالك بن أنس رضي الله عنه أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إني لا أنسى و لكن أُنسى لأسن.

(٢) الحديث الثاني: عن أبي مصعب قال: نا مالك: أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: إذا أنشأت بحرية،

ثم تشاء مت فتلک عین غديقة.

(۳) الحديث الثالث: عن أبي مصعب، قال: نا مالک أنه سمع من يثق به يقول: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أري أعمار الناس قبله فتقالّها، أو ما شاء اللّٰه من ذالک، فكأنه تقاصر أعمار أمته أن لا يبلغوا من العمل الذي بلغ غيرهم في طول العمر، فأعطاه اللّٰه ليلة القدر، خيرا من ألف شهر.

(۴) الحديث الرابع: عن أبي مصعب قال: نا مالک بن أنس، عن يحيى بن سعيد، عن معاذ بن جبل، أنه قال: آخر ما أوصاني به رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حين جعلت رجلي في الغرز، قال: حسن خلقک للناس معاذُ بن جبل.

(هذا لفظ ماذكره ابن الصلاح و لفظ النسخة الهندية يختلف منه)

ان بلاغاتِ اربعہ کی تخریج حافظ ابن الصلاحؒ نے اپنی کتاب "رسالة في وصل البلاغات الأربعة في الموطا" میں کی ہے، جس کو سب سے پہلے شیخ عبداللہ بن محمد بن صدیق الغماریؒ نے اپنی تحقیق سے شائع کیا تھا، بعد میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے بھی اس کو اپنی تعلیقات وتحقیقات سے مزین فرما کر نشر فرمایا۔

ان بلاغات کے بارے میں مشہور محدث ومحقق حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں "موطا کے تمام مراسیل کے متابعات وشواہد موجود ہیں، اس لیے علی

الاطلاق موطا مکمل صحیح ہے‘‘۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ’’مسویٰ‘‘ میں لکھتے ہیں کہ مسندِ دارمی کی تصنیف ’’موطا‘‘ کی احادیث کے بیانِ اسناد کے لیے ہی ہوئی ہے، ابن عبدالبرؒ نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس میں موطا کی مرسل، منقطع اور معضل روایات کا اتصال بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں جہاں کہیں **"بلغني"** یا **"عن الثقة عندي"** آیا ہے اور اس کی سند نہیں بیان کی ہے وہ اکسٹھ جگہیں ہیں، لیکن ان سب روایات کو امام مالکؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے مسنداً بیان کیا ہے، البتہ چار احادیث ایسی ہیں جن کی اسناد معلوم نہیں ہوسکیں۔

(امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا مقام: ۱۵۴)

شیخ صالح الفلانی کا کلام علامہ کتانیؒ نے **"الرسالة المستطرفة"** ص ۱۱ پر نقل فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اُن کے نزدیک بخاری شریف اور موطا میں کوئی فرق نہیں ہے، اور انہوں نے علامہ عراقیؒ کے قول **"من بلاغاته ما لا يعرف"** کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ موطا کی بلاغاتِ اربعہ کے سوا تمام بلاغات کی علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے طرق صحیحہ سے تخریج کی ہے، اور بلاغات اربعہ کو حافظ ابن الصلاحؒ نے موصولاً ذکر کیا ہے، اور وہ انہیں کے خط سے میرے پاس موجود بھی ہے، لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علامہ کتانیؒ فرماتے ہیں: **و ما ذكره العراقي أن من بلاغاته ما لا يعرف مردود، بأن ابن عبد البر ذكر أن جميع بلاغاته و مراسيله و منقطعاته كلها موصولة**

بطرق صحاح إلا أربعة، و قد وصل ابن الصلاح الأربعة بتأليف مستقل، و هو عندي و عليه خطه، فظهر بهذا أنه لا فرق بين الموطأ والبخاري، و صح أن مالكا أول من صنف في الصحيح كما ذكره ابن العربي وغيره فافهم اهـ. (الرسالة المستطرفة: ۱۱، ۱۲)

شیخ حبیب اللہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں:

"والعجب من ابن الصلاح رحمه الله، كيف يطلع على اتصال جميع أحاديث الموطأ حتى إنه وصل الأربعة التي اعترف ابن عبدالبر بعدم الوقوف على طرق اتصالها، و مع هذا لم يزَل مقدِّمًا للصحيحين عليه في الصحة! مع أن الموطأ هو أصلهما، وقد انتهجا منهجه في سائر صنيعه". (رسالة في وصل البلاغات الأربعة في الموطأ: ۱۸۴)

یعنی تعجب ہے کہ ابن الصلاح موطا کی تمام احادیث کے اتصال سند سے واقف ہیں، حتی کہ ان چار حدیثوں کے اتصالِ سند کو بھی خوب جانتے ہیں، جن سے ابن عبدالبر بھی ناواقف رہے، اس کے باوجود ابن الصلاح موطا پر صحیحین کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ موطا ہی اِن دونوں کا نقشِ اول اور سرچشمہ ہے، دونوں نے موطا کے طریق کو اختیار کیا ہے۔

شیخ محمد فؤاد عبدالباقی تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے شیخ احمد شاکر کے سامنے اس بات کو رکھا تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ فلانی نے یہ تو بیان کیا ہے کہ ابن الصلاح نے ان چار احادیث کے اتصال اسانید پر ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے لیکن انہوں

نے وہ اسانید نہیں بیان کی، جس سے ان کے اتصال کا حال معلوم ہو، ان پر اتصال کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا ہے جب تک وہ اسانید سامنے نہ آجائیں، پھر دیکھا اور پرکھا جائے کہ وہ سب اسانید متصل ہیں یا غیر متصل، صحیح ہیں یا غیر صحیح۔

مولانا تقی الدین ندوی صاحب کے تسامحات:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ حبیب اللہ شنقیطیؒ کا مذکورۂ بالا کلام ذکر کرنے کے بعد مشہور محقق حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم اپنی کتاب ''امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا مقام'' (ص ۱۵۵) پر تحریر فرماتے ہیں: ''بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ ہمیں تو ابن الصلاح، امام ولی اللہ دہلویؒ اور دیگر علما کے قول پر پورا پورا اعتماد ہے، ان پر اعتماد کر کے اِن اسانید کو متصل تسلیم کیا جائے گا''۔

احقر عرض کرتا ہے کہ مولانا موصوف کے سامنے چوں کہ حافظ ابن الصلاح کا رسالہ نہیں ہے، اس لیے یہ کلام فرما رہے ہیں ورنہ حافظ ابن الصلاحؒ کا کلام آگے آرہا ہے، جس کے دیکھنے کے بعد کوئی بھی منصف اِس بات سے اتفاق نہیں کر سکتا۔

یہاں اس بات کا خیال رہے کہ مولانا موصوف کی کتاب میں یہاں کئی تسامحات واقع ہوئے ہیں، اول یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ کلام ''مسویٰ'' میں نہیں بل کہ ''مصفیٰ'' میں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مولانا موصوف نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ مسند دارمی کی تصنیف موطا کی احادیث کے

بیانِ اسناد کے لیے ہوئی ہے، حالاں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ بات دارمی کے باب میں نہیں فرمائی ہے؛ بل کہ ''کتبِ ستہ وحاکم ومستدرک'' کا لفظ مذکور ہے؛ نیز مولانا موصوف کا یہ فرمانا کہ ''ہمیں تو ابن الصلاح اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول پر پورا پورا اعتماد ہے'' یہ کلام بھی اعتراض سے خالی نہیں، اس لیے کہ حافظ ابن الصلاحؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کا کلام اوپر ''مسویٰ'' کے حوالے سے گذر چکا ہے، اور مولانا موصوف نے بھی اُسے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے، اس میں کہیں یہ تذکرہ نہیں ہے کہ اس کی تمام روایات متصل ہیں، بل کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تو یہ فرمارہے ہیں کہ اس کی چار احادیث کی اسناد معلوم نہ ہوسکیں۔ اسی طرح حافظ ابن الصلاحؒ سے بھی یہ بات ثابت کرنا مشکل ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ اس کی تمام روایات متصل ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

''فقیر گوید: اہلِ کتبِ ستہ وحاکم ومستدرک سعیہا کردہ اند در وصلِ مرسلِ مالک، ورفعِ موقوفِ وے، گویا ایں ہمہ شروحِ موطا اند ومتمماتِ آں، وہیچ موقوف و اثرِ تابعی نیست مگر آں را ماخذے ہست از کتاب وسنت، چناں کہ دریں شرح خواہی دید، وابن عبدالبر کتابے تصنیف کردہ است در وصلِ مافی الموطا من المرسل، وگفت جمیع آں چہ در موطا ست از بلغہ وعن الثقہ عندہ و مانندِ آں شصت و یک (٦١) حدیث است، وہمہ آں مسند است از غیرِ طریقِ مالک، الا چہار حدیث کہ مانمی شناسیم ماخذ آں۔ واللہ اعلم!''

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے بلاغاتِ اربعہ کو ذکر فرمایا ہے، پھر آپ فرماتے ہیں:

''فقیر گوید: وایں احادیث اگر بایں الفاظ وایں ہیئت ثابت نہ شدہ پس معناش صحیح است''۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِن بلاغاتِ اربعہ کے معنی تو صحیح ہیں، گر چہ اِن الفاظ وہیئت کے ساتھ یہ روایات ثابت نہیں ہیں۔

(مصفی شرح موطا: ص ۷، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

البتہ اس موقع پر شیخ احمد شاکرؒ کو داد دینے کو دل چاہتا ہے، اور احقر ہی کیا اُس پر تو شیخ عبداللہ الغماری نے بھی اُن کو داد دی ہے کہ انہوں نے اٹکل سے کوئی بات کہنے کے بجائے یہ فرمایا کہ شیخ صالح فلانی کا کلام اس وقت درست ہوسکتا ہے جب کہ اس کی اسانید کا پتہ لگ سکے، اور ایسا ہی ہوا؛ چناں چہ حافظ ابن الصلاحؒ کا رسالہ جب شائع ہوا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیخ صالح فلانیؒ کی بات کسی طرح درست نہیں ہے۔

چناں چہ حافظ ابن الصلاح ''رسالة في وصل البلاغات الأربعة في الموطا'' (ص ۲۰۰) پر ان احادیث کی تخریج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والقول الفصل عندي في ذالک كله: ما أنا ذاكره، و هو: أن هذه الأحاديث الأربعة، لم ترد بهذا اللفظ المذكور في الموطأ، إلا في الموطأ، و لا ورد ما هو في معنى واحد منها بتمامه في غير الموطأ إلا حديث: ''إذا أنشأت بحرية'' من وجه لا يثبت.

والثلاثة الأخر : واحد، وهو حديث ليلة القدر ورد بعض معناه من وجه غير صحيح، واثنان منها ورد بعض معناهما من وجه جيد، أحدهما صحيح، و هو حديث النسيان، والآخر حسن، و هو حديث وصية معاذ رضي اللّٰه عنه اهـ.

شیخ صالح فلانیؒ کے قول پر نقد:

معلوم ہوا کہ شیخ صالح فلانیؒ کا دعویٰ درست نہیں ہے، اسی لیے شیخ غماریؒ نے ان پر سخت رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ صالح فلانی کا یہ کہنا کہ رسالہ میرے پاس موجود ہے، کسی طرح درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ رسالہ اگر ان کے پاس موجود ہوتا تو وہ اس سے احادیث نقل کر کے بطور دلیل پیش کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے دو حدیثیں ضعیف ہیں، اگر انہوں نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا ہوتا تو حافظ ابن الصلاحؒ کے اس قول کے بعد بخاری وموطا میں تسویہ ثابت نہ کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس بات کو اگر ہم مجادلۃً تسلیم کر بھی لیں کہ چاروں احادیث صحیح ہیں تب بھی بخاری ہی کو ترجیح ہوگی، اس لیے کہ یہ چار احادیث ان الفاظ کے ساتھ صرف موطا ہی میں موجود ہیں، جیسا کہ حافظ ابن الصلاحؒ نے ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن الصلاحؒ کی تخریج سے فقط ان کی معنًی تائید ہوتی ہے، اس کے برخلاف بخاری شریف کا حال یہ ہے کہ أحاديثه صحيحة بلفظها و معناها۔ (تفصیل کے لیے مراجعت فرمائیں "رسالة في وصل البلاغات الأربعة في الموطا": ۱۸۶) بتحقیق الشیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ۔

مصادرِ تحقیق وتخریج

۱	القرآن الكريم		
۲	الازدياد السني على اليانع الجني	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ	ادارۃ المعارف کراچی
۳	الإصابة في تمييز الصحابة	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار الجیل بیروت
۴	أضواء على تاريخ الحركة العلمية	مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہٗ	مجلس معارف کاپودرا
۵	الأعلام	علامہ خیر الدین زرکلیؒ	
٦	ألفية السيوطي	علامہ جلال الدین سیوطیؒ	دار المعرفہ بیروت
۷	الإلماع إلى معرفة أصول الرواية وتقييد السماع	قاضی عیاض مالکیؒ	مجلس تعاون اسلامی کراچی
۸	أمراء المؤمنين في الحديث	شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ
۹	أوجز المسالك إلى موطا مالك	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	دار القلم دمشق
۱۰	البضاعة المزجاة لمن يطالع المرقاة	مولانا عبدالحلیم صاحب چشتیؒ	مکتبہ امدادیہ ملتان

۱۱	تخليص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار الكتب العلمیہ
۱۲	تاج العروس	علامہ مرتضٰی زبیدیؒ	دار الفکر
۱۳	تاريخ أصبهان	ابونعیم اصبہانیؒ	
۱۴	تبيين الحقائق	علامہ فخر الدین زیلعیؒ	عباس احمد الباز
۱۵	تحرير علوم الحديث	عبداللہ بن یوسف جدیع	
۱۶	تحفة الأحوذي	مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ	مکتبۃ الاشرفیہ دیوبند
۱۷	تحقيق الرغبة في توضيح النخبة	شیخ عبدالکریم بن عبداللہ الخضیر	
۱۸	تخريج الحديث نشأته و منهجيته	ابواللیث خیرآبادی	مکتبۃ الاتحاد دیوبند
۱۹	تذكرة الموضوعات	شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ	
۲۰	تذكرة الموضوعات	ابوالفضل مقدسیؒ	
۲۱	ترتيب المدارك و تقريب المسالك	قاضی عیاض مالکیؒ	
۲۲	التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح	مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ	داراحیاء التراث العربی
۲۳	التعليق الممجد	مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۲۴	تعليم المتعلم في طريق التعلم	علامہ برہان الدین زرنوجیؒ	مؤسسۃ العلم والادب دیوبند

۲۵	التقرير الرفيع لمشكاة المصابيح	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ	مکتبہ یادگارِ شیخ سہارن پور
۲۶	تقييد المهمل و تمييز المشكل	ابو علی غسانیؒ	دار عالم الفوائد
۲۷	التمهيد لما في الموطإ من المعاني و المسانيد	علامہ ابن عبد البر مالکیؒ	مؤسسۃ القرطبہ
۲۸	تنزيه الشريعة المرفوعة	علی بن محمد بن العراق کنانیؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۹	التوضيح الأبهر لتذكرة ابن الملقن في علم الأثر	حافظ سخاویؒ	اضواء السلف
۳۰	توضيح الأفكار	محمد بن اسماعیل صنعانیؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۳۱	توضيح النظر إلى أصول الأثر	شیخ طاہر الجزائریؒ	مکتب المطبوعات الاسلامیۃ
۳۲	تهذيب الكمال	حافظ جمال الدین مزیؒ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۳۳	تهذيب الأسماء و اللغات	امام نوویؒ	دار النفائس
۳۴	جامع بيان العلم و فضله	علامہ ابن عبد البر مالکیؒ	
۳۵	الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع	خطیب بغدادیؒ	
۳۶	جزء فيه مجلسان من أمالي الصاحب نظام الملک أبي علي الحسن	حسن بن علی بن اسحاق نظام الملک	مکتبہ ابن تیمیہ مکتبۃ العلم قاہرہ
۳۷	الحطة في ذكر الصحاح الستة	علامہ صدیق حسن خان قنوجیؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت

۳۸	حلية الأولياء	ابونعیم اصفہانیؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان
۳۹	خمس رسائل في علوم الحديث	شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ
۴۰	خير المفاتيح شرح اردو مشكاة المصابيح	مولانا شبیر الحق کشمیری	
۴۱	رحمة الله الواسعة	مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	مکتبہ حجاز دیوبند
۴۲	رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامیؒ	زکریا بکڈپو دیوبند
۴۳	الرسالة المستطرفة	علامہ محمد بن جعفر کتانیؒ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۴۴	الرفع والتكميل في الجرح والتعديل	علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ	اتحاد بکڈپو دیوبند
۴۵	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	شیخ ناصر الدین البانیؒ	دارالمعارف ریاض
۴۶	سنن النسائي	احمد بن شعیب نسائیؒ	یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
۴۷	سنن ابن ماجه	محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ	اشرفی بکڈپو دیوبند
۴۸	السنن الكبرىٰ	امام نسائیؒ	مکتبۃ الرشد ریاض
۴۹	سير أعلام النبلاء	حافظ شمس الدین ذہبیؒ	مؤسسۃ الرسالۃ
۵۰	شرف أصحاب الحديث	خطیب بغدادیؒ	
۵۱	شذرات الذهب في أخبار من ذهب	ابن عماد حنبلیؒ	دار ابن کثیر

۵۲	شرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر	ملاعلی قاریؒ	اتحاد بکڈ پو دیوبند
۵۳	صحيح البخاري	محمد بن اسماعیل بخاریؒ	برخورداریہ ٹرسٹ کراچی
۵۴	صحيح مسلم	امام مسلم نیساپوریؒ	مکتبۃ الاتحاد دیوبند
۵۵	الضعفاء و المتروكون	علامہ ابن جوزیؒ	دارالکتب العلمیہ بیروت
۵۶	الضوء اللامع	حافظ سخاویؒ	
۵۷	طبقات الشافعيه الكبرىٰ	تاج الدین سبکیؒ	دار ہجر للطباعۃ والنشر
۵۸	طبقات الشافعية	ابن قاضی شہبہؒ	
۵۹	الطبقات الكبرىٰ	علامہ محمد بن سعدؒ	دار صادر بیروت
۶۰	العرف الشذي مع جامع الترمذي	علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ	مکتبۃ الاتحاد دیوبند
۶۱	عمدة القاري	علامہ عینیؒ	داراحیاء التراث العربی
۶۲	العناية على الهداية	علامہ اکمل الدین بابرتیؒ	داراحیاء التراث العربی
۶۳	فتح الباري بشرح صحيح البخاري	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دارالحدیث القاہرہ
۶۴	فتح القدير	علامہ ابن ہمامؒ	داراحیاء التراث العربی
۶۵	فتح المغيث	حافظ سخاویؒ	دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۶	فتح الملهم بشرح صحيح مسلم	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	دارالقلم دمشق

۶۷	الفرائد في عوالي الأسانيد وغوالي الفوائد	شیخ محمد یونس صاحب جون پوری مدظلہٗ	مکتبہ نظام یعقوبی بحرین
۶۸	الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين صلى الله عليه وسلم	شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ	دار الکتاب دیوبند
۶۹	الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة	محمد بن علی شوکانیؒ	المکتب الاسلامی بیروت
۷۰	فيض الباري على صحيح البخاري	علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ	المجلس العلمی ڈابھیل
۷۱	فيض القدير شرح الجامع الصغير	علامہ عبد الرؤف مناویؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۲	وفيات الأعيان و أنباء أبناء الزمان	علامہ ابن خلکانؒ	دار صادر بیروت
۷۳	الفيض السمائي على سنن النسائي	مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری مدظلہٗ	مکتبہ خلیلیہ سہارن پور
۷۴	القاموس المحيط	مجد الدین فیروز آبادیؒ	دار الحدیث القاہرہ
۷۵	القول المبتكر	علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفیؒ	اتحاد بکڈپو دیوبند
۷۶	الكامل في التاريخ	ابن اثیر جزریؒ	مکتبۃ التوفیقیہ القاہرہ
۷۷	كشاف إصطلاحات الفنون	مولانا محمد اعلیٰ تھانویؒ	سہیل اکیڈمی لاہور
۷۸	كشف الخفاء و مزيل الإلباس	اسماعیل بن محمد عجلونیؒ	دار احیاء التراث العربی

۷۹	كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون	ملا کاتب چلپیؒ	دار احیاء التراث العربی
۸۰	الكلام المفيد في تحرير الأسانيد	مولانا روح الامین بنگلہ دیشی	مکتبہ حجاز دیوبند
۸۱	الكنز المتواري	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	مؤسسۃ الخلیل الاسلامیہ فیصل آباد
۸۲	كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال	علی بن حسام الدین متقیؒ	مؤسسۃ الرسالہ
۸۳	الكواكب الدراري	علامہ کرمانیؒ	دار احیاء التراث العربی
۸۴	لسان الميزان	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ
۸۵	مجمع الزوائد و منبع الفوائد	نور الدین ہیثمیؒ	دار الفکر بیروت
۸۶	مرأة الجنان و عبرة اليقظان	امام یافعیؒ	
۸۷	مرعاة المفاتيح	مولانا عبید اللہ مبارک پوریؒ	مکتبۃ الرحمٰن السّلفیہ پاکستان
۸۸	مرقاة المفاتيح	ملا علی قاریؒ	فیصل پبلی کیشنز دیوبند
۸۹	المستدرک على الصحيحين	ابو عبد اللہ الحاکمؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۹۰	مشكاة المصابيح	خطیب تبریزیؒ تحقیق خالد سمیر رجبؒ	مؤسسۃ التاریخ العربی
۹۱	مشكاة المصابيح	خطیب تبریزیؒ ناصر الدین البانیؒ	المکتب الاسلامی

۹۲	مشكاة المصابيح (النسخة الهندية)	خطیب تبریزیؒ رمضان بن احمد آل عوف	دار ابن حزم مکتبۃ التوبۃ
۹۳	مشكاة المصابيح	خطیب تبریزیؒ	مکتبہ یوسفیہ دیوبند
۹۴	مشكاة المصابيح	خطیب تبریزیؒ	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۹۵	مفاتيح الغيب	امام فخر الدین رازیؒ	دار احیاء التراث العربی بیروت
۹۶	المعجم الأوسط	ابوالقاسم طبرانیؒ	دار الحرمین قاہرہ
۹۷	معجم الصحاح	علامہ جوہریؒ	دار المعرفہ بیروت
۹۸	معجم المؤلفين	عمر رضا کحالہ	دار احیاء التراث العربی
۹۹	معرفة علوم الحديث	ابوعبداللہ حاکمؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۰۰	المقاصد الحسنة	حافظ سخاویؒ	دار الکتاب العربي
۱۰۱	المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد	برہان الدین ابن المفلح	مکتبۃ الرشد ریاض
۱۰۲	مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث	شیخ ابوعمر ابن الصلاحؒ	المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند
۱۰۳	الموضوعات	حسن بن محمد صغانیؒ	
۱۰۴	الموضوعات	علامہ ابن الجوزیؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۰۵	ميزان الاعتدال	حافظ شمس الدین ذہبیؒ	
۱۰۶	نزهة الخواطر و بهجة المسامع و النواظر	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۱۰۷	نزهة النظر	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ
۱۰۸	نصب الراية لأحاديث الهداية	علامہ جمال الدین زیلعیؒ	المجلس العلمی ڈابھیل
۱۰۹	النكت على كتاب ابن الصلاح	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار الرایۃ للنشر والتوزیع
۱۱۰	هدايه	علامہ علی بن ابوبکر مرغینانیؒ	الامین کتابستان دیوبند
۱۱۱	هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	دار ابن القیم، دار ابن عفان
۱۱۲	هداية الساري إلى دراسة البخاري	مولانا امداد الحق بنگلہ دیشی	زمزم پبلیشر کراچی
۱۱۳	هدية العارفين	اسماعیل پاشا بغدادیؒ	دار احیاء التراث العربی
۱۱۴	الوافي بالوفيات	صلاح الدین صفدیؒ	
۱۱۵	اليواقيت والدرر	علامہ عبد الرؤف مناویؒ	
۱۱۶	ارشاد القاری	مفتی رشید احمد لدھیانویؒ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۱۷	اشرف التوضیح تقریر اردو مشکاۃ المصابیح	شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد	مکتبہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۱۱۸	امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا مقام	ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب مدظلہ	مرکز الشیخ ابی الحسن ندوی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

۱۱۹	امدادالباری شرح صحیح البخاری	مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ	مکتبہ حرم مرادآباد
۱۲۰	انوارالباری	مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ	ربانی بکڈپو دہلی
۱۲۱	بستان المحدثین اردو	شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ	مکتبہ مدنیہ دیوبند
۱۲۲	تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی صاحب	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
۱۲۳	تحفۃ المرآۃ فی دروس المشکاۃ	قاری محمد طاہر صاحب رحیمیؒ	دارالکتاب دیوبند
۱۲۴	تفسیر عزیزی	شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ	کتب خانہ فیضِ ابرار انکلیشور
۱۲۵	تقریر بخاری	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ	مکتبۃ الشیخ بہادرآباد کراچی
۱۲۶	توضیحات شرح اردو مشکاۃ	مولانا فضل محمد صاحب	مکتبہ اسماعیل دیوبند
۱۲۷	جامعہ مظاہر علوم نمبر		مظاہر علوم سہارنپور
۱۲۸	درس ترمذی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ	فیصل پبلی کیشنز دیوبند
۱۲۹	درس مشکاۃ	مولانا محمد اسحاق صاحب	مکتبۃ البخاری کراچی
۱۳۰	الدرالمنضود	مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپوری مدظلہٗ	مکتبہ خلیلیہ سہارنپور
۱۳۱	ظفر المحصلین باحوال المصنفین	مولانا حنیف صاحب گنگوہی	مکتبہ دانش دیوبند
۱۳۲	عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ	ڈاکٹر زبید احمد صاحب	ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور
۱۳۳	علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ	ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب	اریب پبلی کیشنز دہلی

۱۳۴	علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات	مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری مدظلہ	مکتبہ یادگار شیخ سہارن پور
۱۳۵	فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ	مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی	نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی
۱۳۶	قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون	مولانا حنیف صاحب گنگوہی	مکتبہ دانش دیوبند
۱۳۷	کتابتِ حدیث عہدِ رسالت میں	مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
۱۳۸	کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان صاحب	دار الکتاب دیوبند
۱۳۹	مباحث فی الحدیث وعلومہ	مفتی عبداللہ صاحب مظاہری	جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ
۱۴۰	مبادیاتِ حدیث	مفتی احمد صاحب خان پوری	ادارۂ صدیق ڈابھیل
۱۴۱	مصفیٰ شرح موطا	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	کتب خانہ رحیمیہ دہلی
۱۴۲	مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خانؒ	مکتبۃ المصباح لاہور
۱۴۳	مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خانؒ	دار الاشاعت کراچی
۱۴۴	نفحات التنقیح	مولانا سلیم اللہ خان صاحب	
۱۴۵	نوادر الحدیث	شیخ محمد یونس صاحب جونپوری	ادارہ افادات اشرفیہ
۱۴۶	الیواقیت الغالیۃ	شیخ محمد یونس صاحب جونپوری	مجلس دعوۃ الحق لیسٹر